بہارِ
ایجادیِ بیدلؔ
سید نعیمؔ حامد علی الحامد

کتاب: بہارِ ایجادیِ بیدلؔ (پہلی تلخیص شدہ اشاعت)

مصنف: ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد

صفحات:

تعداد:

ناشر: پاکستان نیشنل بک فاؤنڈیشن {NATIONAL BOOK FOUNDATION}

طابع:

قیمت:

سنِ اشاعت: ۱/۱/۲۰۱۵ء

کوائف مصنف:

والد: السید حامد علی الحامد رحمۃ علیہ بن السید محمود علی رحمۃ علیہ۔ تاریخ وجائے پیدائش: یکم جنوری ۱۹۴۵ء مطابق ۱۷ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ مراد آباد محلہ مقبول پورہ۔

ہجرتِ اول: ہندوستان سے پاکستان جنوری ۱۹۵۰ء۔ ہجرتِ ثانی پاکستان سے ارضِ حرمین شریفین ۲۵ ذوالقعدہ ۱۳۷۲ھ مطابق ۲۵ جولائی ۱۹۵۴ء۔ سفرِ حیات کی منزلیں: مراد آباد، ملتان، کراچی، مکۂ مکرمہ، جدۃ، تبوک، مدینہ منورہ، جدۃ۔

تعلیم: تا دمِ تحریر حصولِ علم میں منہمک! تحدیثِ نعمت: ۵ر مارچ ۲۰۱۱ء کو ہمدرد یونی ورسٹی، کراچی نے ادبی خدمات کے اعتراف میں، سوشل سائنس کی PH.D. کی سند عطاء کی۔ ابتدائے شعر گوئی: فروری ۱۹۶۱ء۔

تصانیف:

1- شعری مجموعہ "پیکرِ نغمہ" تاریخ اشاعت ۵ ستمبر ۱۹۸۶ء مطابق یکم محرم ۱۴۰۷ھ، جدۃ سے شائع ہوا۔

2- تحقیقی تالیف: "بہارِ ایجادیِ بیدلؔ"۔ تاریخِ اشاعت ۲۰۰۸ء، ناشر، بابر علی فاؤنڈیشن، لاہور۔

3- "مغزِ بیدلؔ"، تاریخِ اشاعت ۲۰۱۰ء، ناشر، بابر علی فاؤنڈیشن، لاہور۔

4- شعری مجموعہ "عکاظِ غزل" 5- "عصمتِ حرف" (مضامین) مرتب وکمپوز شدہ۔ 6- "بکلکِ عبارٔ" خطوط، مرتب وکمپوز شدہ۔ 7- "تکریم" (مشاہیرِ شعروادب اور احباب کے خطوط)

موبائل: 00966507781106 - E-mail:urdulibraryksa@hotmail.com

بہارِ ایجادیِ

بیدلؔ

(تلخیص شدہ اشاعت)

ابوالمعانی میرزا عبدُ القادِر بیدلؔ کے منتخَب کا منثور و منظوم ترجَمہ، سوانح و آثارِ بیدلؔ؛ اُن کے اَساتذہ و نام وَر شاگردوں کا اِجمالی تعارُف!

تحقیق و ترجَمہ:

ڈاکٹر سیّد نعیؔم حامد علی الحامد

قیاس کن..........!

حرفِ آغاز

میری تحقیقی تالیف ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' کا پہلا ایڈیشن؛ بابر علی فاونڈیشن نے پیکجز لمیٹڈ، لاہور سے طبع کرا کے ۲۰۰۸ء میں شائع کیا تھا۔ تعدادِ صفحات: ۶۰۰۔ ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' پر عمرِ عزیز کے بیس (۲۰) سال صرف ہوئے۔ اس کے پانچ سو (۵۰۰) نسخے چھپے تھے اس لیے جلدی نایاب ہوگئی۔

۶ مئی ۲۰۱۴ء کو میری ملاقات، ڈاکٹر انعام الحق جاوید سے ہوئی؛ یہ ایسی ملاقات تھی جسے ملاقاتِ مسیحا و خضر سے بہتر کہا گیا ہے۔ اور: ذکر جب چھڑ گیا کتابوں کا بات پہنچی ابوالمعانی تک۔ ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدلؔ۔ میرے پاس ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' کا ایک ہی نسخہ تھا سو ملاحظے کے لیے پیش کیا۔ ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' کی کمیابی کے ذکر پر میں نے عرض کیا کہ یہ اب نایاب ہوگئی ہے۔ اس لیے کہ جنوری ۲۰۱۲ء میں پیکجز لمیٹڈ کے پریس میں آتش زدگی کے نتیجے میں جہاں بے شمار قیمتی مسودات تلف ہُوئے اور مطبوعات نذرِ آتش ہُوئیں۔ ان میں ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' بھی شامل ہے۔

ڈاکٹر انعام الحق جاوید صاحب نے از رہِ علم پروری فرمایا کہ آپ ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' کی ایسی تلخیص کریں۔ جس میں بالخصوص بیدلؔ کے اشعار منظوم ترجمہ اور بیدلؔ کے سوانحِ حیات شامل ہوں۔ اور دیگر مواد جو محققین کی دلچسپی کا ہے اُسے شامل نہ کریں۔ اس لیے کہ ہم چاہتے ہیں کہ اُردو اور فارسی شعروادب سے شغف رکھنے والوں تک بیدلؔ کا نام و کلام پہنچ جائے۔

۶ جون کو میں جدہ پہنچا۔ جدہ سے غیر حاضر رہنے کے سبب سے بے شمار کام فوری توجہ چاہتے تھے۔ پھر رمضان کی آمد آمد۔ غرض یہ تلخیص کا عمل بیس (۲۰) دسمبر کو مکمل ہُوا۔ میں ڈاکٹر انعام الحق جاوید کی خدمت میں اپنے جذباتِ تشکر پیش کرتا ہُوں اور:

سپردم بہ تو مایۂ خویش را

ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد

۲۰/۱۲/۲۰۱۵ء

مدّعی درگزر، از دعویِ طرزِ بیدلؔ

سحر مشکل کہ بکیفیّتِ اعجاز رسد!

کر نہ دعویٰ طرزِ بیدلؔ کا کبھی اے مدّعی!

سحر کی کیا قدر، اعجازِ سخن کے سامنے!

محسنِ پاکستان ڈاکٹر عبدُ القدیر خان

فخرِ پاکستان مشتاق احمد یوسفی

پروفیسر ڈاکٹر فضل الرحمٰن شیخ

معالجِ خاص شاہ خالد بن عبدُ العزیز آل سعود

مرموق بیدلؔ شناس

عبیدؔ صافی

کے نام!

ہزار جامۂ معنیٰ کہ من بر اندازم

بقامتے کہ تو داری، قصیر می آید

(سعدیؔ شیرازی)

مجھ سے مِلنا ہو تو، پھِر میری کتابیں دیکھنا
ہر ورق پر عکس اپنا چھوڑ کر جاؤں گا مَیں!

(فضاؔ ابنِ فیضی)
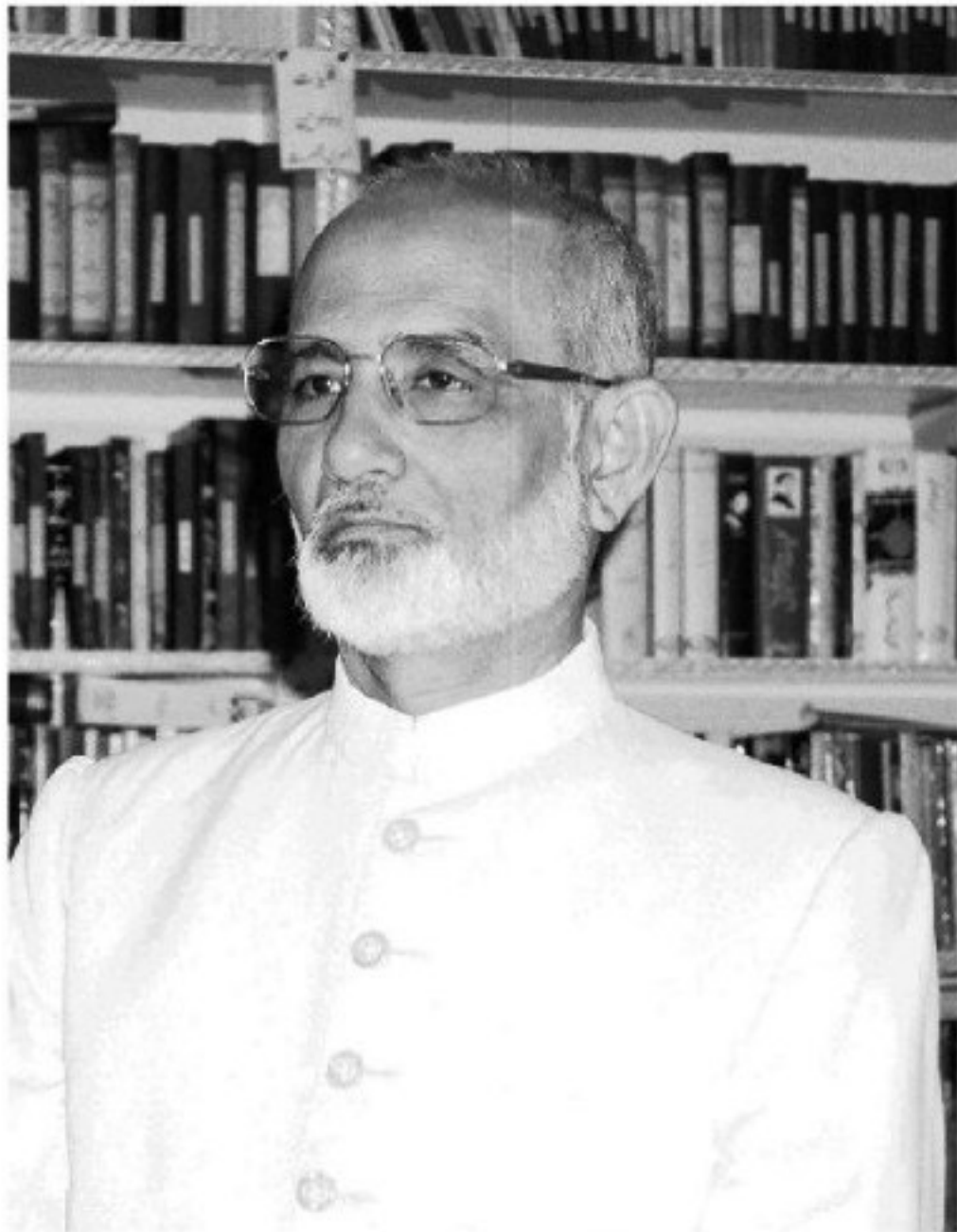
DR.SAY'YID NAEEM HAMID ALI ALHAMID

ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

اسدؔ ہر جا سخن نے طرحِ باغِ تازہ ڈالی ہے

مجھے طرزِ بہار ایجادیِ بیدلؔ پسند آیا!

ابو المعانی میرزا عبدُ القادِر بیدلؔ

یہ تصویر ایک افغانی ویب سائٹ سے حاصل کی گئی ہے۔ ڈاکٹر عبدُ الغنی ''رُوحِ بیدلؔ'' کے صفحہ ۷۴ پر لکھتے ہیں کہ: اُن (آنند رام مخلصؔ) کے پاس میرزا کا ایک دیوان تھا اور دیوان میں میرزا کی شبیہ بھی تھی۔'' راقم السطور کے علم کے مطابق بیدلؔ کا (نسخۂ آنند رام مخلصؔ) مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی لائبریری میں پایا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نسخہ کسی زمانے میں افغانستان میں رہا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب! نعیم۔

ابوالمعانی میرزا عبدُ القادِر بیدلؔ کی آخری آرام گاہ۔
باغِ بیدلؔ، دہلی۔
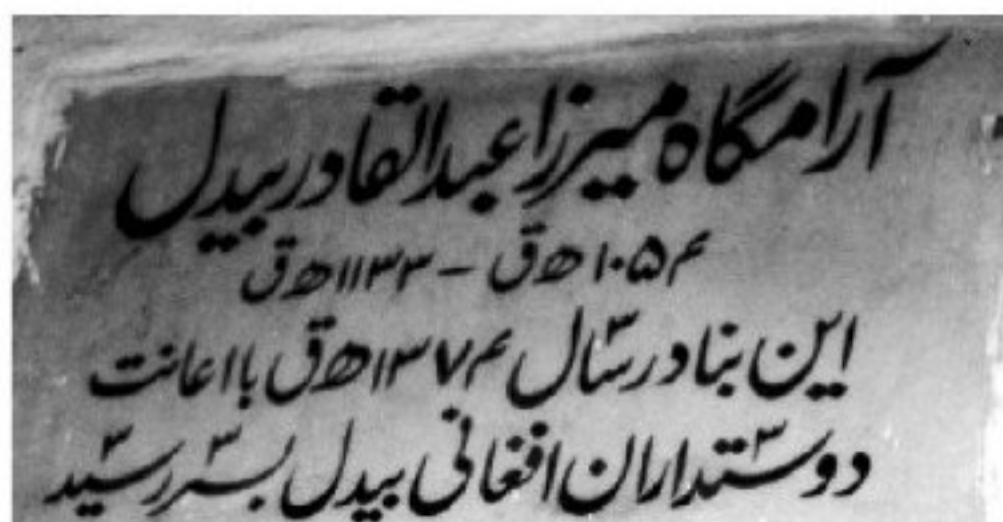
ابوالمعانی میرزا عبدُ القادِر بیدؔل کی آخری آرام گاہ۔
باغِ بیدؔل، دہلی۔

ما معنیِ مسلسلِ زُلفِ تو خوانده ایم
مشکل کہ مرگ قطع کند داستانِ ما

میں تری زُلفِ مسلسل کا ہوں معنی آشنا
موت بھی میری کہانی ختم کر سکتی نہیں!

قابلِ قدر کارنامہ

میرزا عبدالقادر بیدلؔ وہ عظیم شاعر ہے کہ غالبؔ اور اقبالؔ دونوں اُس کے طلسم میں گرفتار رہے ہیں۔ حضرت علاّمہ اپنے ایک مقالے میں بیدلؔ کے بارے میں لکھتے ہیں "بیدلؔ برِصغیر میں شنکراچاریہ کے بعد سب سے بڑا مفکّر شاعر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اُس کا ذہن دنیا کے تمام عظیم مفکّروں کے رُوحانی تجربات سے گُزرا ہے۔ اُس کے معاصرین اُس کے فلسفۂ حیات کو نہیں سمجھ پائے۔ غالبؔ اُس کے اُسلوب کی پیروی میں ضرور کامیاب ہُوا لیکن اُس کی رُوح کو جذب نہیں کر پایا۔ بیدلؔ کا تصوّف متحرک ہے جبکہ غالبؔ کا تصوّف مائل بہ آسودگی ہے"۔

علاّمہ نے اپنی ایک نظم میں اُسے مرشدِ کامل بھی کہا ہے اور دُرست کہا ہے اِس لیے کہ بیدلؔ حقائق و معارف کا ایک بحرِ مواج ہے۔ اُس کا کلام سیماب وش اضطرابِ پیہم سے عبارت ہے۔ انسانی ذہن تک اُسے گہری رسائی حاصل ہے عرفانِ ذات اور معرفتِ آفاق میں اُس کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ حقیقتِ مطلقہ کی ٹوہ میں ہے۔ اُس کی شاعری میں نورِ ازل کا پرتو جلوہ فگن ہے۔ اُس کے متصوفانہ افکار، وجود و شہود کا اِمتزاج ہیں۔ زندگی اور زمانہ اُس کے یہاں مترادفات ہیں اور وجدان ہی اُس کے نزدیک حقیقت تک رسائی کا یقینی ذریعہ ہے۔

اِرتقائی نقطۂ نظر سے فارسی شاعری کا بہترین پیرایہ سبکِ ہندی ہے اور سبکِ ہندی کے شُعرا اِسلامی تعقّل کے بہترین ترجمان ہیں اور بیدلؔ اِس اُسلوبِ سخن کی معنی آفرینی کا نقطۂ کمال ہے۔ اُس کا ماورائی اِدراک ایک نئی زبان کا متقاضی تھا۔ مروجہ زبان اُس کی ندرتِ فکر اور علوِ تخیّل کا ساتھ دینے سے قاصر تھی۔ ریگِ بیاباں شیشہ ساعت میں کیسے سما سکتی تھی! اِسی لیے اُس کے یہاں تراکیب کی حیران کُن جدّت دکھائی دیتی ہے۔

بُرام کاشتن، سراب ریختن اور دلائل فرو ختن جیسے مصادر اور غبار بالِ عنقا، مرغزار عدم اور حیرت کدۂ دہر جیسی ان گنت ترکیبات زبان میں اُس کی بے پناہ قوتِ ایجاد کا مظہر ہیں۔ مجنوں گورکھپوری کے نزدیک وہ نئی تراکیب اور نئے اسالیب کا پروردگار ہے۔ یہ سب کچھ اُس کے عرفانی مطالب کی عظمت اور انفرادیت کا کرشمہ ہے۔ اُس کا مشاہدہ انتہائی فکر انگیز مضامین تخلیق کرتا ہے۔ افغانستان اور روس کے فارسی اثر والے علاقوں میں ''بیدل شناسی'' ایک باقاعدہ موضوع ہے۔ ایرانی ذوق ایک مدت تک سبکِ ہندی کی نُدرتوں اور لطافتوں کی تفہیم و تحسین کا حق ادا نہ کر سکا۔ اسلامی انقلاب کے زیرِ اثر اب اقبال اُن کا IDEAIL POET ہے؛ اور ایران میں ''بیدل شناسی'' بھی ایک تحریک کی صورت اختیار کر چکی ہے۔

بیدل جیسے عدیم المثال فلسفی شاعر کے احوال و آثار کے بارے میں معلومات کی جمع آوری اور اُس کے اشعار کا منظوم ترجمہ سیّد نعیم حامد علی الحامد کا انتہائی قابلِ قدر کارنامہ ہے کہ:

بہ فتراقِ صاحب دولتے بستہ سرِ خود را

اِس کارنامے کا مقصد نعیم حامد علی کی اپنے ذوق کی تسکین بھی ہے اور برِ صغیر کی نئی نسل کو بیدل سے متعارف کرانا بھی ہے جو اب فارسی زبان و ادب سے بیگانہ ہو چکی ہے۔ اِس جامع تعارف کے لیے نعیم نے بڑی تحقیقی کاوش کا اہتمام کیا ہے۔

نعیم الحامد کی تالیف ''نقوشِ بیدل'' کھکاوی کا ایک مثالی نمونہ ہے۔ اِس ضمن میں نعیم حامد علی الحامد نے بیدل کی نظم و نثر کی جملہ تصنیفات کا نہایت جامع تعارف کرایا ہے۔ بیدل کی منظوم و منثور نگارشات میں غزلیات، منظومات، رُباعیات اور قطعات کی صحیح تعداد معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ صنف بہ صنف اشعار کی دُرست تعداد کا کھوج بھی لگایا ہے۔ قطعات کی صحیح تعداد معلوم کرنے کے ساتھ ساتھ صنف بہ صنف اشعار کی دُرست تعداد کا کھوج بھی لگایا ہے۔

یہ بھی دریافت کیا ہے کہ کلامِ بیدلؔ کے مخطوطے کہاں کہاں موجود ہیں ۔ یہ اطلاع بھی ہم پہنچائی ہے کہ پہلا مستند کلیاتِ بیدلؔ ۱۲۹۹ ہجری کو مطبع صفدری بمبئی نے شائع کیا ۔ یہ سراغ بھی لگایا ہے کہ بیدلؔ کی نو دریافت شدہ مثنوی ''سادہ و پُرکار'' کس علمی ذخیرے میں محفوظ ہے ۔ اِس کے علاوہ وسطِ ایشیا اور افغانستان کے بیدلؔ شناسوں کے کارناموں کی جھلکیاں بھی دکھائی ہیں ۔

علاوہ ازیں بیدلؔ کے بارے میں مولانا شبلی، سیّد عابد علی، نیازؔ فتحپوری، سیّد عبدُ اللہ ، ڈاکٹر عبدُ الغنی، مجنوں گورکھپوری، عزیزؔ الرحمٰن اور عبادُ اللہ اختر جیسے نامور ناقدوں اور ادیبوں کی آراء کی جمع آوری بھی کی ہے ۔ مزید براں بیدلؔ کے تقریباً ۳۰ تلامذہ کے بارے میں بڑی وقیع معلومات فراہم کرنے کا اہتمام بھی کیا ہے ۔

کسی اَدبی موضوع پر تھوڑی سی پیش رَفت اور معمولی سا اِضافہ بھی غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے اور بلا شبہ ایک کارنامہ قرار دیا جا سکتا ہے ۔ ایسا ایک کارنامہ نعیم حامد علی نے بھی انجام دیا ہے اور یہ اِس لیے ممکن ہو سکا ہے کہ موصوف فنِ تاریخ گوئی سے کماحقہ آگاہی رکھتے ہیں ۔ بیدلؔ نے اپنی نثری تصنیف ''چہار عُنصر'' پر جو قطعہ لکھا ہے اُس سے استخراجِ تاریخ کے اُصول کی دریافت سے ایک بات طے ہو گئی ہے کہ یہ تاریخ ۱۱۱۶ ہجری ہے ۔ حلِ مُعمّا کی یہ ترکیب تلاش کر لینا بیدلؔ شناسی کے میدان میں بلا شبہ ایک اہم اور قابلِ تحسین پیش رفت ہے ۔ اِسی طرح نعیم حامد علی نے تنقیحِ قیاسی سے کاتبوں کی بعض اَغلاط کی بڑی صحیح نشاندہی کی ہے ۔

نعیم حامد علی الحامد نے یہ تحقیق بھی کی ہے کہ میرزا بیدلؔ کے رُقعات کی صحیح تعداد کتنی ہے اور اُن کے مکتوب اِلیہ کون کون سے لوگ تھے اور اِسی ضمن میں یہ نشاندہی بھی کی ہے کہ ''رُقعاتِ بیدلؔ'' مطبع نول کشور کے جامع نے بیدلؔ کے ممدوح اور دوست میر لطف اللہ خان الملقب بہ شکر اللہ خاں ثانی کو شکر اللہ خان اوّل جان کر جانِ پدر (پسر) کو پدر فرض کر لیا ہے اور

اس کا ثبوت نعیم حامد علی نے بیدلؔ کے اشعار سے فراہم کیا ہے۔ اس اشتباہ کی نشاندہی کے ساتھ ہی نعیم حامد علی نے بیدلؔ شناسوں کی بعض محتاج سند باتوں کا بھی تحقیق کی روشنی میں بڑا جاندار محاکمہ کیا ہے۔

حقائق کے چہرے پر پڑی ہوئی گرد کو صاف کرنے کی ادنیٰ سی کوشش بھی انتہائی قابلِ ستائش ہے۔ بیدلؔ شناسی کے سلسلے میں نعیم حامد کی رفعِ اشتباہات کی کاوش کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ مستقبل کے بیدلؔ شناسوں کے لیے یہ کارِ تحقیق بہت سہولت فراہم کرے گا۔

منتے بر قدم راہروان است مرا

''بیدلؔ آفتابِ جہل سوز و علم تاب'' ایک ایسا مرقع ہے جس میں بیدلؔ کی وِلادت سے لے کر وفات تک اُس کی زندگی کی گوناگوں جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں۔ نعیم حامد علی نے اُن تمام مراحل کو دریافت کرنے کی صمیمانہ کاوش کی ہے جن سے گزر کر بیدلؔ کی شخصیت عرفان و سخنوری کی انتہائی رفعتوں تک پہنچی۔

بیدلؔ کا شجرۂ نسب، اُس کے اب وجد، تاریخ و مقامِ ولادت، بچپن میں داغِ یتیمی، چچا کی سرپرستی، ترکِ مکتب، کلامِ اساتذہ کا عمیق مطالعہ، علومِ متداولہ میں بے مثال دسترس، اولاد و اِزدواج، سیر و سیاحت، مختلف امصار و دیار میں قیام، شیخ کمالؔ، شاہ فاضلؔ، شاہ ملوکؔ، شاہ قاسم ہواللہی اور مولانا عبدالعزیز عزتؔ جیسے باکمال علماء اور صوفیہ سے علم و معرفت اور رموزِ شریعت و طریقت سے اکتساب، بیدلؔ کی حیاتِ پاکیزہ اور حسنِ اخلاق، اُس کی معاشی اور معاشرتی زندگی، اُس کی مجالسِ شبینہ، تاریخ وفات اور مقامِ مزار تک بھی حالات و واقعات اِس طرح قلم بند ہوگئے ہیں گویا فلم بند ہوگئے ہیں۔

اِس تذکرے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیدلؔ نے آٹھ مغل بادشاہوں کا زمانہ دیکھا۔ ہم

اُس زمانے کی سیاسی، علمی، ادبی اور روحانی فضاؤں سے بھی متعارف ہوتے ہیں۔ ہمیں وہ مشاہیر بھی دکھائی دیتے ہیں جو بیدلؔ کی شخصیت سے متاثر ہوئے اور وہ زعما بھی جن کی شخصیتوں سے خود بیدلؔ متاثر ہوئے۔ اس فہرست میں شاہ ولی اللہ کے والد بزرگوار شاہ عبدالرحیم، اورنگ زیب عالمگیر، مرزا قلندرؔ، نواب شکراللہ خان اور نواب عاقل خان رازیؔ جیسے عظیم المرتبت لوگ شامل ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ نعیم نے مرزا اسداللہ غالبؔ، نقیب خان طغرلؔ، آزاد بلگرامی، خوشگو اور سبقتؔ جیسے شعرا کے وہ شعر بھی جمع کر دیے ہیں جو انہوں نے بیدلؔ کی مدح و تحسین میں لکھے ہیں۔ ایک اور دلچسپ بات یہ بھی ہے کہ نعیم نے بیدلؔ کی پانچ شعروں پر مشتمل ایک اردو غزل بھی ڈھونڈ نکالی ہے۔

نعیم کی اس تحریر سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سعداللہ گلشنؔ اور سراج الدین علی خان آرزوؔ، بیدلؔ کے عظیم تلامذہ میں سے ہیں اور یہ وہی ہستیاں ہیں جن کے زیرِ اثر اردو غزل کی ایسی روایت قائم ہوئی جو اردو شاعری کا سب سے بڑا سرمایۂ افتخار ہے۔

نعیم نے ماشاءاللہ تقویم عیسوی کے مطابق بیدلؔ کی تاریخ وفات بھی کہہ ڈالی ہے:

بیدلؔ والا گہر، آئینہ دل رخصت ہوئے

۱۷۲۰ء

یہ مصرع کہہ کر ایک بہت بڑی اہم کمی کو پورا کیا ہے۔ نعیم حامد علی نے بڑے مستند اور معتبر منابع سے بیدلؔ کے احوال و آثار زبان میں وہ EXPRESSION تلاش کیا جائے جو فارسی کا متبادل ہو سکے۔ مثال کے طور پر بیدلؔ کے ایک شعر میں "ضبط حواس" کی ترکیب کا کیا عمدہ

متبادل تلاش کیا ہے:

رہیں اوسان قائم وقتِ آخر غیر ممکن ہے
دمِ پرواز، بال و پر، پریشاں ہو ہی جاتے ہیں

اسی طرح بیدلؔ کے مصرع ''از جائی نروند اگر سر بریدہ اند'' کا کیا خوبصورت ترجمہ کیا ہے ''اپنی جگہ سے ہلتے نہیں، چاہے سر ہی جائے''۔ بیدلؔ کا شعر ہے:

بحرف آمدی و زخمِ کہنہ ام نوشد
بحیرتم چہ نمک بود گفتگوے ترا!

شعر کے مصرعۂ اولیٰ کے ابتدائی ٹکڑے کے ترجمے میں نعیمؔ حامد علی نے حسنِ انحراف کا حیرت انگیز کمال دکھایا ہے ملاحظہ فرمایئے:

کہا اک حرف تو نے زخم کہنہ ہوگیا تازہ
خدا رکھے نمک رکھتی ہے کتنا گفتگو تیری!

خدا لگتی بات کہتا ہوں کہ ''خدا رکھے'' نے ترجمے کو بہت جاندار بنا دیا ہے!۔

بیدلؔ کا مصرع ہے ''ورنہ من در مکتب بے دانشی علامہ اَم'' ترجمے میں ''علامہ'' کا لفظ بسہولت استعمال ہو سکتا تھا لیکن نعیمؔ نے اس لفظ سے انحراف کرتے ہوئے اس کے مفہوم کو اس قرینے سے بیان کر دیا ہے کہ اُس کی داد دیے بغیر نہیں رہا جا سکتا۔ ملاحظہ کیجیے:

مسند نشینِ محفلِ بے دانشی ہوں مَیں

غالبؔ نے اپنی ایک اُردو غزل میں بیدلؔ کا پُورے کا پُورا مصرع اُٹھا لیا ہے:

بُوے گل، نالۂ دل، دُودِ چراغِ محفل

اس لیے کہ اُردو میں یہ مصرع بالکل اجنبی محسوس نہیں ہوتا۔ نعیمؔ حامد علی نے غالبؔ کی پیروی کرتے

ہوئے بیدلؔ کے بعض ایسے مصرعے جوں کے تُوں رہنے دیے ہیں جو اُردو کے مزاج سے ہم آہنگ تھے۔ ایسے ذُولسانی تشخص کے حامل مصرعوں کا ترجمہ نہ کرنا ہی بہترین ترجمانی ہے۔ اِس ضمن میں نعیم کے ذوقِ سلیم کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ اب ایسے مصرعوں کا ترجمہ کیوں کیا جاتا؟:

لالہ داغ و گل دریدہ گریباں چاک و بُلبُل نوحہ گر
✿
نہ سراغِ چشمِ روشن ، نہ چراغِ آشنائی
✿
بندگی ، شاہی ، گدائی ، مفلسی ، گردن کشی
✿
دل وفا، بُلبُل نوا، واعظ فسوں، عاشق جنوں

مطلع کا ترجمہ مطلع میں اور اُسی بحر میں! کوئی آسان کام نہیں۔ اِس کے لیے بڑی ہنرمندی درکار ہے۔ نعیم کے ترجمے میں اِس کی جھلکیاں ملاحظہ فرمایئے:

دل بیادِ پرتوِ حسنت سراپا آتش است
از حضورِ آفتاب! آئینۂ ما آتش است
✿
دل بیادِ پرتوِ جلوہ ! مجسّم آگ ہے
سامنے سورج کے آئینہ! مجسّم آگ ہے

اور اِس شعر میں تو ردیف و قافیہ بھی اپنی جگہ قائم ہیں:

نورِ جاں در ظلمت آبادِ بدن گُم کردہ ام
آہ! ازیں یوسف کہ من در پیرہن گُم کردہ ام

✿

نورِ جاں کو ظلمت آبادِ بدن میں گم کیا
آہ! اس یوسف کو میں نے پیرہن میں گم کیا

یہی نہیں بلکہ نعیم حامد علی کو تو غیر مطلع کو بھی مطلع بنا دینے کا ہنر آتا ہے۔ بیدلؔ کا شعر دیکھیے:

بیدلؔ آں فتنہ کہ طوفانِ قیامت دارد
غیرِ دل نیست، ہمیں خانہ خراب است ایں جا

اب ترجمے کی روانی کے تیور دیکھیے:

وہ فتنہ کہ طوفانِ قیامت کا امیں ہے
بیدلؔ! دلِ مضطر کے سوا کوئی نہیں ہے

ترجمے میں اندرونی قافیہ بندی کا اہتمام ملاحظہ فرمائیے:

سوائے مردانِ خام بیدلؔ، کہ یوں زمانے میں عام بیدلؔ،
نہ پہنچا میرا کلام بیدلؔ، ادا شناسانِ شاعری تک

نعیم حامد علی نے بیدلؔ کے کئی شعروں کا ترجمہ اس خوبی سے کیا ہے کہ ترجمے کا گمان تک نہیں ہوتا اور شعر بالکل طبع زاد معلوم ہوتا ہے۔ کچھ نمونے ملاحظہ فرمائیں:

لالچی! محترم نہیں ہوتا
شرم آتی نہیں بھکاری کو

✿

شوخیِ بادِ صبا کی کارفرمائی تو دیکھ!
اُس نے گلشن کا ہر اک تنکا سنہرا کر دیا!

✿

ہو کے آزادِ تعلّق دل منوّر ہو گیا
موج سے دامن بچا کے قطرہ گوہر ہو گیا

✿

قطرۂ آب اور سنگ گوہر و آئینہ بنے
حیف مگر وہی رہا حالِ دلِ خراب کا

✿

بادشاہی ہے فسونِ سیر چشمی میں نہاں
کاسۂ چشمِ گدا پُر ہو تو رشکِ جامِ جم

✿

غافل ذرا نزاکتِ معنی پہ غور کر
راہِ قمر نکلتی ہے کوے ہلال سے!

✿

شمشیرِ یار نے کیا بیدلؔ کا سر بلند
یعنی بنا ہے موج نے خیمہ حباب کا

✿

بے زنگ زمانے میں آئینہ نہیں کوئی
ہیں دل تو بہت لیکن بے کینہ نہیں کوئی

❁
ہے آفتاب پر قیامت کا کچھ خیال اگر
سرِ فقیر پہ کر سایہ، اُس پہ خاک نہ ڈال
❁
احسانِ ہما اہلِ عزیمت کے لیے ننگ
بیدلؔ مرے سر سے مرا سایہ نہ جُدا ہو
❁
ترکِ تعلقاتِ دہر، وجہِ مسرّت ونشاط
برگ سے بے نیاز نے، نغمہ مقام ہو گئی
❁
کوئی بھی مغموم دُنیا میں نہیں میری طرح
عمر بھر پنجرے میں کئی دیکھا نہیں صیاد کو

مندرجہ بالا جائزے اور نمونے کے اِن شعروں سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بیدلؔ مشاہدۂ آفاق سے تعمیرِ سیرت کے لیے پند ونصیحت کے جو تابناک موتی ڈھونڈ کر لایا ہے نعیم حامد علی نے اُن کو اُردوئے مبین میں اِس طرح ڈھالا ہے کہ اُن کی چمک دمک برقرار رہی ہے۔

ناگفتہ نہ رہے کہ مترجم کو اس کام میں گوناگوں دُشواریوں کا سامنا تھا۔ فارسی کی شانِ اِجمال وایجاز ایسی ہے کہ اُردو میں ترجمہ کرتے ہُوئے ایک شعر کے جملہ مطالب اور نزاکتوں کو ایک ہی شعر میں سمیٹنا مشکل ہو جاتا ہے اِسی لیے نعیم حامد علی کو ایک دو مقامات پر ترسیلِ معانی کے لیے قطعات کا سہارا لینا پڑا ہے اور کہیں کہیں کچھ مطالب حذف بھی کرنے پڑے لیکن ایسا کرتے ہُوئے اُنہوں نے یہ احتیاط بدرجۂ اتم ملحوظ رکھی ہے کہ شعر کا مرکزی خیال متاثر نہ ہو۔

نعیم ماشاءاللہ خود بھی ایک نغز گو شاعر ہیں اور شعریت کے جملہ لوازمات کا بھرپور ادراک رکھتے ہیں ۔ وہ بیدل کے اشعار کا ایسا منظوم اُردو ترجمہ کرنے میں کامیاب رہے ہیں جسے بغیر کسی جھجک کے معیاری کہا جا سکتا ہے ۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ "بہارِ ایجادیِ بیدل" بیدل شناسی کے میدان میں ایک اہم کارنامہ ہے ۔

مقامِ افسوس ہے کہ پاکستان کا محکمہ تعلیم فارسی زبان و ادب سے ایسی بے اعتنائی کا مرتکب ہو رہا ہے کہ ہمارا ہزار سالہ حافظہ معرضِ خطر میں ہے ۔ فارسی کے بغیر اُردو پر بھی گرفت مضبوط نہیں ہو سکتی اور سعدی، حافظ، غالب اور اقبال سے بھی مستقیم رابطہ ممکن نہیں رہتا ۔ ایسی صورتِ حال میں بیدل جیسے عظیم شاعر اور مثالی معلمِ اخلاق کے احوال و آثار کی جمع آوری اور اُس کے اخلاقی آہنگ پر مبنی اشعار کا اُردو میں یہ خوبصورت منظوم ترجمہ ذوقِ فارسی کی تشویق اور تعمیرِ سیرت کے لحاظ سے بھی ایک ایسی سعیِ مسعود ہے جس کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے ۔ مَیں سیّد نعیم حامد علی الحامد کو اِس کتاب کی اشاعت پر صمیمانہ ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں ۔

پروفیسر انور مسعود

۳ رمضان المبارک

مطابق ۱۹ نومبر ۲۰۰۱ء

۲۸ عقرب ۱۳۸۰ ہجری شمسی

اسلام آباد، پاکستان

بہار کا اِثبات !...... بہارِ ایجادیِ بیدِلؔ !

''بہارِ ایجادیِ بیدِلؔ'' ایک وقیع تحقیقی کاوش، ایک تخلیقی کارنامہ، بیدِلؔ کا ایک خوبصورت نمائندہ اور معتبر انتخاب، دو (۲) زبانوں کے عناصرِ ترکیبی کی باخبری، اِنکشاف اور تلاش کا اِظہار اور اُس اَدبی خوبی کا نقش ہے، جسے اب تک کسی بہتر لفظ کے نہ ہونے کے سبب ہم ذوقِ لطیف کہتے ہیں۔ سیّد نعیم حامد علی الحامد کے سولہ (۱۶) سال اِن چار عناصر اور نقوش کی تابانی میں جگمگاتے نظر آتے ہیں۔

مَیں نے جو کچھ اِن تعارُفی سُطور میں عرض کیا ہے نہ شاعری ہے نہ قافیہ پیمائی ہے۔ مَیں الفاظ کی حُرمت کو عزیز جانتا ہُوں اور اُن کا احترام کرتا ہُوں کیونکہ مَیں اپنی ذات کا بھی احترام کرتا ہُوں۔

نعیم حامد علی نے اِس کتاب میں اِختصار مگر جامعیت کے ساتھ بیدِلؔ کے سوانح پیش کیے ہیں اور اِس انداز سے کہ بیدِلؔ کی شخصیت اور ذہن کی تعمیر میں اُن حالات کی نقش گری کا اندازہ ہو سکے۔ اِس کے بعد اُنہوں نے بیدِلؔ سے متعلق اُردُو میں (کسی حد تک انگریزی اور فارسی میں بھی) کتابوں اور تحریروں کی نشاندہی کی ہے۔ نعیم صاحب نے اپنے پیش رَووں کے کام اور محنت کا اِعتراف کرتے ہُوئے ''نامِ نیکاں'' کو ضائع نہیں ہونے دیا۔

کتاب کے تیسرے حصّے کی بنا پر مَیں نے اِس کاوش کو تخلیقی کارنامہ کہا ہے۔ نعیم حامد علی نے بیدِلؔ کا نہایت اچھا اِنتخاب کیا ہے اور کم و بیش تین سو (۳۰۰) اَشعار کو اُردُو کا پیرہن عطا کیا ہے۔ نعیم صاحب نے اپنے اِنتخاب میں بیدِلؔ کی خیال آفرینی، مضمون بندی، تراکیب، فکری عناصر اور اُسلوب کی نُدرت اور جدّت کا خیال رکھا ہے۔

لوگوں کا کہنا ہے کہ بیدِلؔ زندگی کے مسائل کے شاعر نہیں، لیکن اِس اِنتخاب میں ایسے

اَشعار کی کمی نہیں جن سے زندگی کی سنگینی کے ساتھ ساتھ اخلاقی اَقداراوراُس اندازِ حیات کا اندازہ ہوتا ہے جو بیدِلؔ کو عزیز تھا۔بیدِلؔ صرف اَدَب کی دُنیا میں نہیں بلکہ زندگی کرنے میں بھی ایک بلند معیار کو سامنے رکھتے تھے اور اُن کی مشکل پسندی اُنہیں اپنی قائم کردہ سطح سے گرنے نہیں دیتی۔

ترجمہ ایک مشکل فن اوراَدَبی صنف ہے۔ترجمہ کی تحریکوں نے عالمی اَدَب اور ثقافت کی تاریخ کی شیرازہ بندی کی ہے۔ہم صرف اپنے اَدَب کو لیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ کوئی پچاس ساٹھ سال کے تشکیلی دَور میں سخنِ فارسی کی صدیوں کی روایات اُردو میں یوں منتقل ہوگئیں کہ اُردو نے فارسی کے اِشاروں اور رَمزیاتی نظام کو خلاّقانہ طَور پر اپنالیا۔مقامی رنگ و آہنگ اُردو شعری روایات میں اِس طرح سمولیا کہ اُردو شاعری کی اِنفرادیت کا نقش اُبھر آیا۔

ایک طرف تو اُردو اور فارسی کا رشتہ ایسا ہے کہ گوشت اور ناخن، چولی دامن، عورت اور حسن، نغمہ اور لَے، مصوِرا ور رنگ کے رشتے ذہن میں آجاتے ہیں۔اور دُوسری طرف یہ حیرت ناک حقیقت سامنے آتی ہے کہ فارسی شاعری کے اچھے منظوم تراجم نہ ہونے کے برابر ہیں۔

حالانکہ دونوں زبانوں کی اصنافِ سخن اور شاعری کی زبان کے بیشتر عناصر اور نظامِ نغمہ (بحور) ایک ہیں۔فارسی کے عظیم شُعرا، بالخصوص غزل گوشُعرا کے جو منظوم ترجمے کیے گئے ہیں وہ اُن شاعروں پر تہمت کی حیثیت رکھتے ہیں۔اگر اَدَب کا کوئی ضابطۂ فوج داری ہوتا تو مترجم شاعر کڑی سزا کے مستحق ٹھہرتے۔

اِس صورت حال کے کئی اسباب ہیں، ترجمہ کرنے والے شاعر کو فارسی شاعر سے کوئی ذہنی مطابقت نہ ہو، وہ ذہنی طور پر اِتنا فعّال نہ ہو کہ لفظوں کے پیچھے اَصل خیال کی لطافت کو نہ پیش کرسکتا ہو اور نہ سمجھ سکتا ہو۔اِس پس منظر میں سیّد نعیم حامد علی الحامد کے منظوم ترجمۂ بیدِلؔ کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی ہے۔نعیم صاحب کی کامیابی کا پہلا اور بنیادی سبب بیدِلؔ کے اندازِ سخن سے اُن کی فطری مناسبت ہے۔یہ مناسبت فطری بھی ہے اور اِکتسابی

بھی۔ دراصل فن خداداد، ایجادِ معانی اور محنتِ پیہم کا دوسرا نام ہے۔

ہر چند کہ ایجادِ معانی ہے خداداد	کوشش سے کہاں مردِ ہنر مند ہے آزاد
خونِ رگِ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر	مے خانہ حافظ ہو کہ بت خانہ بہزاد
بے محنتِ پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا	روشن شررِ تیشہ سے ہے خانہ فرہاد

نعیم حامد علی کی شاعری مسلسل کاوش، خیال آفرینی، انفرادی سوچ اور انفرادی فنی اظہار سے عبارت ہے۔ اُن کی اَدبی آواز کی پرورش میں جن شاعروں نے حصّہ لیا ہے اُن میں ابوالمعانی میرزا عبدُ القادر بیدلؔ کا نام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

اُن کا مُطالعہ بھی بہت وسیع ہے۔ نعیم اُردو، فارسی اور عربی شاعری کے سرمایے سے یوں مستفیض ہُوئے ہیں کہ مَےِ معانی اور بادہ فکر چھلک چھلک جاتا ہے اور پڑھنے والوں کے قلب و ذہن کو مسحور و مسرُور کرتا ہے۔ اپنے اِس دعوے کی دلیل کے طور پر اُن کے چند اَشعار پیش کرتا ہُوں:

باوجودے کہ نظر آتے ہیں کالے الفاظ
ظلمتِ جہل میں کرتے ہیں اُجالے الفاظ
مختلف رُوپ ہیں ابجد کے جگر پاروں کے
کبھی شبنم کے مماثل کبھی شُعلے الفاظ
یہ تو ممکن ہے کہ افکار میں جدّت نہ رہے
معجزہ ہے کہ نہیں ہوتے پُرانے الفاظ
اِس تمنّا میں اُنھیں فخرِ نگارش بخشوں
باندھ کر ہاتھ کھڑے رہتے ہیں سارے الفاظ

بات اِتنی ہے برتنے کا ہنر آتا ہو!
ورنہ اے خامۂ فن! تیرے نہ میرے الفاظ

✿✿✿

بے گنہ جب بھی سرِ دار نظر آتے ہیں
اک نئے دَور کے آثار نظر آتے ہیں
سرفرازی کے سب آثار نظر آتے ہیں
اہلِ حق دار پہ ، سردار نظر آتے ہیں
دَردمندانِ چمن ! آنکھ نہ لگنے پائے!
ہم کو شب خون کے آثار نظر آتے ہیں
مَیں قُنوطی ہی سہی ، اہلِ رَجاء سچ کہنا!
کیا تمہیں صبح کے آثار نظر آتے ہیں؟

✿

✿✿

یوں تو بہت ہیں شہر میں دیوار و در بُلند
ڈھونڈے سے بھی مگر نہ ملا کوئی سر بُلند
سر دے کے سرفرازی کی قیمت چکائیں گے
اِس عزم ہی سے ہم نے رکھا اپنا سر بُلند
شاید تو اِس حصار سے باہر نہ آسکے
دیوارِ احتیاج نہ کر اِسقدر بُلند
یارب ! ترا کرم ہے مجھے کیا نہیں دیا!
بے لوث دل ، ضمیر منوّر ، نظر بُلند!

✿✿✿

ہاں! قیصر و سکندر و سنجر! نہیں ہوں مَیں

اُن سے شکوہ و شان میں کمتر نہیں ہوں مَیں

تاباں ہوں اپنے جوہرِ ذاتی کے نور سے

مانگے کی روشنی سے منوّر نہیں ہوں مَیں

اے عہدِ کم سواد! مقدر کی بات ہے!

اے وقت! ہر کسی کو مُیسّر نہیں ہوں مَیں

✿✿✿

جو طوفاں میرے دل میں ہے سمندر میں نہیں ہو گا

جو سودا میرے سر میں ہے، کسی سر میں نہیں ہو گا

ترے ہتھیار مُہلک ہیں یقیناً میرے پتھر سے

کوئی جانباز مجھ سا! تیرے لشکر میں نہیں ہو گا!

یہ ممکن ہے کہ تیرا تاج ہو گا میری ٹھوکر میں

کسی صورت مرا سر تیری ٹھوکر میں نہیں ہو گا

✿✿✿

دیکھیے میرے مقدر میں سحر ہو کہ نہ ہو

شب نہ ہادوں سے مگر دست درِ گریباں تو مَیں ہوں

✿✿✿

نہیں یہ شرط کہ مجھ ہی سے ہو سحر آغاز

غرض تو مجھ کو شکستِ طلسمِ شب سے ہے

✿✿✿

حرفِ حق ہی تو کہا مَیں نے ''اَنا الحق'' تو نہیں
مَیں کہ منصور نہیں پھر بھی سرِ دار ہوں مَیں
✿✿✿
اک نقطۂ آغاز ہَیں ، جو چاہے بنادے
ہم کچھ بھی نہیں وقت کی پرکار کے آگے
✿✿✿

نعیم صاحب کی کامیابی کی دُوسری وجہ شعر کی زبان سے اُن کی آگہی ہے۔وہ جانتے ہَیں کہ کسی شاعر کی تراکیب، اُس کے مُطالعے اور مشاہدے کا پیمانہ ہَیں۔شاعر جن دو چیزوں ،خیالوں میں رشتہ تلاش کر لیتا ہے وہ اُسے اپنی تراکیب کے ذریعے پیش کرتا ہے۔بڑے شاعر کی تراکیب میں تجسیم ملتی ہے اور مجرد اشیا سانس لینے لگتی ہَیں، شاعر ہی خیال کی زندگی کے اِس جلوے کو دیکھ سکتا ہے۔ایک زبان سے دُوسری زبان میں ترجمہ کرتے ہُوئے اکثر اَصل کلام کی تراکیب منتقل نہیں ہو سکتیں،اور مترجم کوئی ترکیب وضع کرنی پڑتی ہے اور نئے الفاظ کو کلام میں لانا پڑتا ہے۔

مَیں جانتا ہُوں کہ کسی زبان میں دو لفظ ہم معنی نہیں ہو سکتے،لیکن شاعر کا تخلیقی ذہن اپنے ترجمے کو اَصل کا عکس بنا سکتا ہے۔''وضعِ خموشِ ما''''میرا سکوت''بن کر اور''سخن دلنشیں''''حرف وصدا'' کے قالب میں ڈھل کر،اَصل خیال کی شفافیت کو کس طرح قائم رکھ سکتا ہے! اسے ملاحظہ فرمایئے:

وضعِ خموشِ ما زِ سخن دلنشیں تر است
با تیر اِحتیاج ندارد کمانِ ما
میرا سکوت ،حرف وصدا سے بلیغ ہے
میری کمان تیر کی محتاج تو نہیں !

''سخن'' کے ساتھ ''دلنشیں'' کیسا پیوست ہے لیکن ''سکوت'' کی بلاغت بھی بڑی وقیع ہے اور

پھر محتاج تو نہیں'' کے ٹکڑے میں کیسی قطعیت ہے! ۔الفاظ و رُموز کی یہ تبدیلیاں دو زبانوں کے مزاج کی نشاندہی کرتی ہیں ، ورنہ مدعائے بیدلؔ اِس خوبصورتی سے ہماری زبان کا حصّہ بنا ہے کہ نعیم اپنے قاری سے کہہ سکتے ہیں کہ:

تو مپندار کہ این قصہ زخود می گویم		گوش نزدیک لبم آر کہ آوازے ہست

بیدلؔ نے نعیم کے کانوں میں اَفسونِ مدعا و تمنّا کس طرح پھونکا ہے؟۔

نعیم صاحب کے ترجمے کی کامیابی کی تیسری بنیادی وجہ یہ ہے کہ اُنہوں نے لسانی جبر کو قبول نہیں کیا بلکہ فن کے اِختیار کا پرچم لہرایا ہے ۔اُنہوں نے اَصل شعر کے قافیہ و ردیف کو ترک کر دیا ہے ۔نعیم وہ طائرِ بلند پرواز ہے جس کی نظر ہمیشہ آشیانِ فکر پر رہتی ہے ۔

نعیم صاحب نے ترجمے کو تخلیقی سطح تک پہنچانے کے لیے کہیں کہیں ایک شعر کا ترجمہ قطعہ کی صورت میں کیا ہے ۔بیدلؔ تو بڑے سے بڑے خیال کو دو مصرعوں میں اَدا کر سکتے تھے، لیکن جہاں مترجم شاعر نے بیدلؔ کی نوائے سینہ تاب کے لیے اُردو شعر کی قبا کو تنگ دیکھا تو واحد کو تثنیہ بنا دیا۔

بیدلؔ ایک ایسے شاعر ہیں جنہوں نے عدم میں وُجود کا تماشا دیکھا ہے، زندگی اور انسان کے وُجود کو اُبھارا ہے ۔وہ عدم سے آفرینش تک کے مرحلوں کی تفہیم اور دید سے گزرے ہیں ۔اُنہوں نے حرف و معانی کا ایک گلشن تخلیق کیا اور اُس میں نغمہ سرائی کی ۔اگر وہ گلشن نا آفریدہ رہتا تو وقت کی موجِ رواں پر بیدلؔ اپنا نام کیسے ثبت کرتے ؟ ۔بیدلؔ ذہن کی پہنائیوں اور فکر کی اُن پیچیدگیوں کے شاعر ہیں جن کے بغیر انسان تہذیب و ثقافت کا سفر یوں طے نہیں کر سکتا تھا۔

ترجمہ کے مسائل، بیدلؔ اور نعیم حامد علی کے ترجمے کے تخلیقی پہلوؤں کے بارے میں

مجھے جو کچھ عرض کرنا تھا وہ فریضہ گزشتہ سطور میں ادا کر دیا گیا ہے لیکن ترجمہ کی خلاقانہ شان کے اثبات کے لیے مزید مثالوں کی ضرورت ہے۔

نعیم صاحب کے بیشتر ترجمے شاعری اور اعلیٰ شاعری کے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ چند مثالیں پیش کرتا ہوں کہ ان کے بغیر مقدمہ کے مقصد کی تکمیل نہیں ہو سکتی، اور شاید کچھ نئے نکات بھی تحریر میں آجائیں۔ بیدلؔ طبع بلند کا مالک تھا اسی لیے خونِ آرزو کی قیمت پر خواہشات اور ضروریات سے منھ موڑ لیتا ہے:

مبادا، دامنِ کس گیرم از فسونِ غرض
کفِ اُمید حنا بستہ ام بخونِ غرض

دیکھیے! نعیم حامد علی کے توسّط سے یہ خیال قبائے اُردو پہن کر اور روشن ہو گیا ہے:

نہ تھاموں غیر کے دامن کو مجبورِ غرض ہو کر
کفِ اُمید پر مہندی لگائی ہے قناعت کی

فارسی کا ''کس'' اُردو کا ''غیر'' بن کر اپنے معانی کو کس قوّت سے آشکار کر رہا ہے اور دُوسرے مصرع کے ''خونِ غرض'' کو ''قناعت'' سے بدل کر اُردو کے پڑھنے والوں کو بیدلؔ کے اِبہام کی جگہ ایک شفاف تر لفظ دیدیا گیا ہے۔ اِس شعر نے مجھے غالبؔ کا یہ مصرع یاد دلایا ہے:

حنائے پائے خزاں ہے، بہار اگر ہے بھی!

بیدلؔ، غالبؔ کا اُستاد بھی ہے اور رفیق بھی۔ یہ تلازمۂ خیال و اظہار غالبؔ نے بیدلؔ سے لیا ہے اور اُسے ایک دُوسرے تجربے کے اظہار کے لیے اِستعمال کیا ہے۔

نعیم حامد علی نے بیدلؔ کا مطالعہ اِس محبت و شدّت سے کیا ہے کہ مضامینِ بیدلؔ نے اُن کے ذریعے اُردو کے قالب میں ڈھلنا پسند کیا ہے۔ یہ شعر کا اختیار ہے! میں اپنے اِس نکتہ کی مزید وضاحت پسند نہیں کروں گا۔ اِسے بیدلؔ کی تاریخ گوئی کا چیستان سمجھ لیجیے!۔

نعیم صاحب کی شاعرانہ لغت (ڈکشن) بیدلؔ کے پیرایۂ اظہار سے بہت قریب ہے۔ اُن کا اَدَبی مُطالعہ بہت وسیع ہے اور اُنہوں نے جو کچھ پڑھا ہے اُسے ہضم بھی کر لیا ہے۔ جس طرح ایک صحت مند آدمی غذا کو جزوِ بدن بنالیتا ہے اُسی طرح نعیم صاحب کا اَدَبی مُطالعہ اُن کی شخصیت کا حصّہ بن گیا ہے۔ اُن کے تخیُّل اور اِظہار کا حصّہ۔ ایسا حصّہ جو نقّالی نہیں بلکہ اُن کی ذات میں شامل ہو گیا ہے۔ نعیم صاحب اعلیٰ درجے کے شاعر نہ ہوتے تو اُنہیں بیدلؔ کے خیال اور باطن میں سفر کرنے کی سکت بھی حاصل نہ ہوتی!۔

سیرِ ایں گلشن غنیمت داں کہ فرصت بیش نیست
در طلسمِ خندۂ گل، بال و پر دارد بہار
وقت کم ہے سیرِ گلشن کو غنیمت جانیے
خندۂ گل، موسمِ گل کا پرِ پرواز ہے!

''فرصت بیش نیست'' کی جگہ ''وقت کم ہے'' اور ''بال و پر دارد بہار'' کے مقام پر ''موسمِ گل کا پرِ پرواز ہے'' بیدلؔ کا فارسی اِظہار اُردُو میں یوں آیا ہے کہ نہ اِبلاغ میں فرق پیدا ہوا نہ حسن نہ قوّت میں!۔ نعیم حامد علی نے بیدلؔ کے خیال کو ایک شاعرانہ تجرِبے کے طور پر پڑھا اور سمجھا۔ پھر یہ تجرِبہ اُن کی ذات کے نہاں خانے میں اُن کے تجرِبے کی صورت اختیار کر گیا۔

بیدلؔ نے ایک انسانی تجرِبے کو اِس طرح پیش کیا کہ وہ اُن کے قاری کی زندگی کا عکس اور نقش بن گیا۔ یہی بات لکھنے والے اور پڑھنے والے کو ایک دُوسرے سے جوڑتی ہے، یہی اَدَب کی آفاقیت کا راز ہے کہ دُوسرے کی کہی ہوئی بات ہمیں اپنی معلوم ہوتی ہے:

میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ نعیم صاحب نے بیدلؔ کے خیال کو اپنی ذات کا حصّہ

بنا کر اُسے شعر کی شکل دی ہے ۔ یہ سب کچھ کتنا آسان معلوم ہو رہا ہے مگر مترجم کو اپنے شعر کو شعرِ تازہ اثر بنانے کے لیے کتنا خونِ جگر صرف کرنا پڑا اِس کا حساب اُس کے سوا کس کو معلوم؟ ۔سیّد نعیم حامد علی الحامد کا منظوم ترجمۂ اشعارِ بیدلؔ ادبی کارنامہ ہی نہیں بلکہ ''کرشمہ'' ہے جو پڑھنے والے کے دامنِ دل کو ہر قدم کھینچتا ہے !۔

اور یہ بات لکھتے ہُوئے مثالیں پیش کرنا کارِ عبث معلوم ہو رہا ہے اِس لیے کہ مجھے آپ یعنی اِس کتاب کے قاری کے ذوقِ رفیع پر یقین و اِعتماد ہے ۔بس ایک شعر اور اُس کا ترجمہ پیش کر کے اجازت چاہوں گا:

سراغِ منزلِ مقصد ز خاکساراں پُرس
کہ چو جادہ ، دریں دشت راہبر نبود !
نشانِ منزلِ مقصود پوچھو خاکساروں سے
کوئی رستے سے بہتر رہبرِ منزل نہیں ہوتا !

ادب کا مُطالعہ بھی تو رہ نوردی ہے اور یہی رہ نوردی ہمیں منزلِ مقصود تک پہنچاتی ہے !۔

پروفیسر ڈاکٹر ، سیّد محمد ابوالخیر کشفیؔ

۲۳ رذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ

مطابق ۵ رفروری ۲۰۰۲ء

کراچی پاکستان

مخطوطہ ''دیوان بیدلؔ'' نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ (الف) حصۂ قصائد

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''دیوانِ بیدلؔ'' نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ (الف) حصۂ غزلیات و دیگر اصنافِ سخن۔

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد
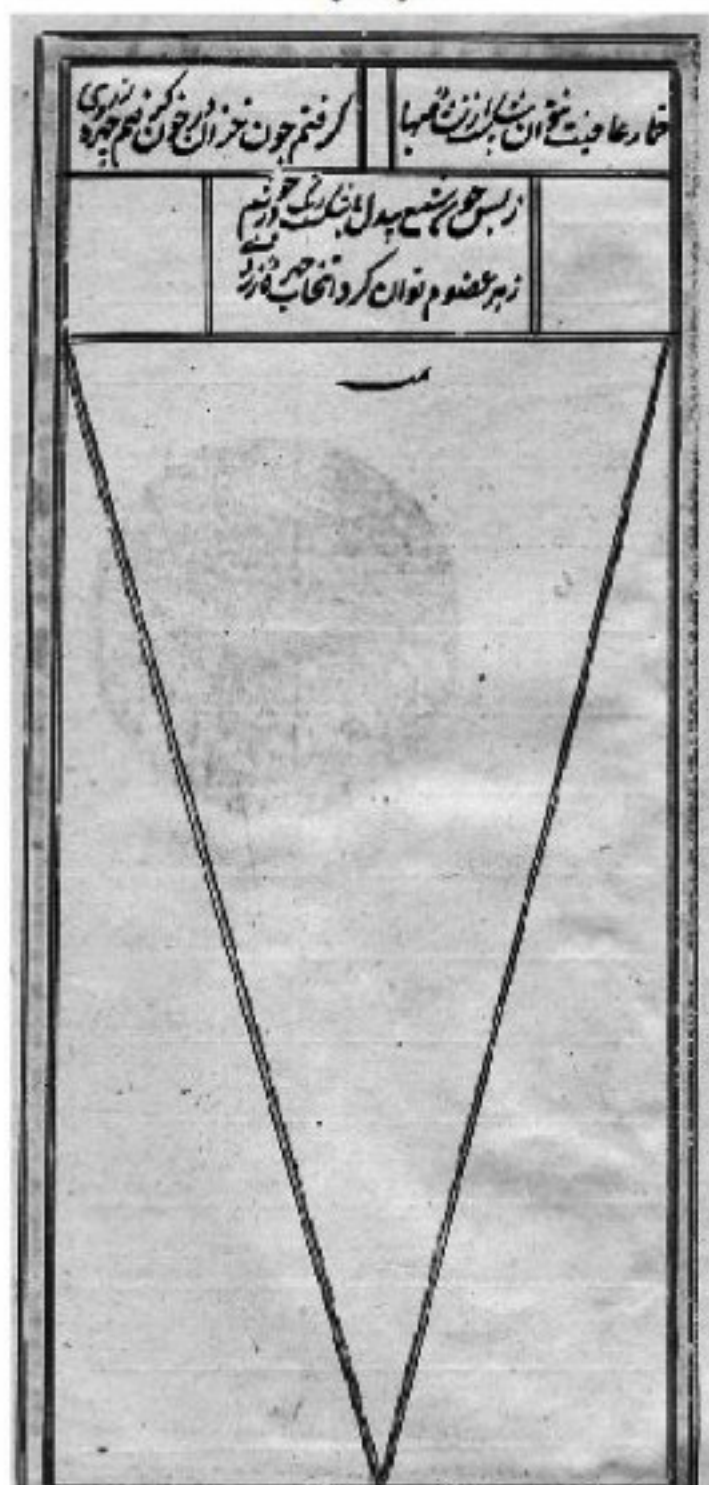
مخطوط ''دیوانِ بیدلؔ'' نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ (الف) آخری صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

بسم الله الرحمن الرحیم

مخطوطہ ''دیوانِ بیدلؔ'' نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ (ب) پہلا صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''دیوان بیدل'' نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ (ب) آخری صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ مثنوی "طلسمِ حیرت" نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ (الف) پہلا صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ مثنوی ''درطلسمِ حیرت'' نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ (ب) پہلا صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ مثنوی ''طلسمِ حیرت'' نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ (ب) کا درمیانی صفحہ

یہ مخطوطہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ متن میں ''مثنوی طلسم حیرت'' تحریر ہے اور حاشیے پر مثنوی ''محیطِ اعظم'' کی تلخیص ہے۔ ترقیمہ ۱۱۲۷ھ ہے یعنی یہ مخطوطہ بیدلؔ کی حیات میں لکھا گیا ہے

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد
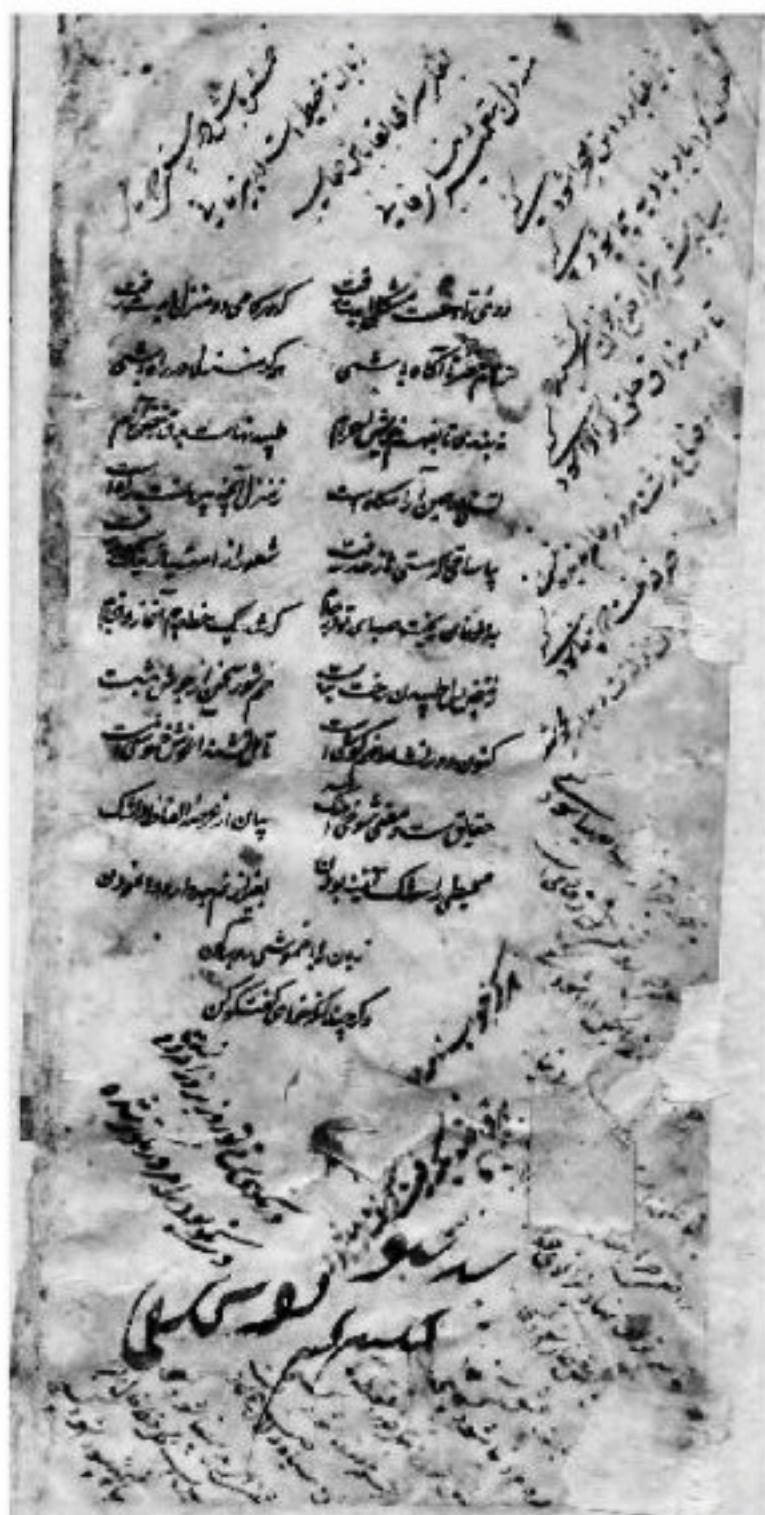
مخطوطہ مثنوی "درطلسمِ حیرت" نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ (ب) کا آخری صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخطوطہ ''نکاتِ بیدلؔ'' نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ۔ پہلا صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''نکاتِ بیدلؔ''، نسخۂ عارف حکمت، مدینہ منورہ۔ آخری صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

بہارِ ایجادیِ بیدلؔ

اِس سے تو ہم سبھی واقف ہوں گے کہ مرزا غالبؔ کے شاعرانہ ذہن کی تشکیل میں بیدلؔ کے گہرے اثرات کارفرما تھے، جس کا بھرپور اظہار مرزا صاحب کی دورِ اوّل کی شاعری میں ہُوا ہے۔ اِس موضوع پر اُردو میں بہت کچھ لکھا گیا ہے؛ لیکن خود بیدلؔ کی شاعری سے واقفیت کا دائرہ وسیع نہیں ہو پایا اور اب تو اِس صدی میں فارسی زبان سے واقفیت جس نسبت سے کم سے کم ہوتی گئی، اُسی نسبت سے بیدلؔ کی شاعری سے کم آشنائی بڑھتی گئی اور بڑھتی جارہی ہے۔ تنقید اور تحقیق کے لحاظ سے یہ صورتِ حال پریشان کُن ہے۔

ایسے حالات میں سیّد نعیم حامد علی صاحب کی یہ کتاب ''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' خاص طور پر قابلِ توجہ ہے۔ اُنھی کے الفاظ میں ''اِس کتاب کا مقصدِ تالیف اپنے ذوق وشوق کی تسکین اور نئی نسل کو بیدلؔ وکلامِ بیدلؔ سے متعارف کرانا ہے''۔

اِس کتاب کی دو (۲) خوبیاں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ کتاب کا آغاز منتخب اشعارِ بیدلؔ کے ترجموں سے ہوتا ہے۔ یہ بات بار بار کہی گئی ہے کہ ایک زبان کی شاعری کا ترجمہ دُوسری زبان میں اِس طرح نہیں ہوسکتا کہ اصلی زبان اور بیان کے حقیقی محاسن اور نزاکتیں کسی دُوسری زبان میں پوری طرح منتقل ہوجائیں۔

نعیم صاحب نے لفظی ترجمے کے بجائے مفہوم کی ترجُمانی پر نظر رکھی ہے؛ اِس کے لیے اُنھوں نے یہ نہایت مناسب طریقہ کار اختیار کیا ہے کہ پہلے نثر میں شعر کا مفہوم بیان کیا ہے اور پھر اُس مفہوم کو نظم کا جامہ پہنایا ہے۔ اِس میں خوبی یہ ہے کہ مفہوم کی ترجُمانی دونوں سطحوں پر اِس طرح ہوگئی ہے کہ اصل خیال اچھی طرح بیان میں آگیا ہے اور بیان کا حُسن بھی برقرار رہا

ہے ۔ادب کے طالب علموں کے لیے بیدلؔ کے خیالات کو سمجھنا خاصا آسان ہو گیا ہے ۔اگر صرف نثری ترجمہ ہوتا یا محض منظوم ترجمہ ہوتا تو یہ بات پیدا نہ ہو پاتی ۔

دُوسری خصوصیت اِس کتاب کی یہ ہے کہ بیدلؔ سے متعلق بہت سی بکھری ہُوئی معلومات کو یک جا کر دیا گیا ہے ۔حیرت آمیز مسرّت ہوتی ہے کہ ایک شخص جو ایران، افغانستان اور ہندوستان سے بہت دُور مدینۂ منوّرہ میں اِقامت گزیں ہے، اُس نے وہاں بیٹھ کر بیدلؔ سے متعلق وہ تفصیلات کس طرح مہیّا کر لیں جن کی جمع آوری خود اِن ملکوں میں رہنے والوں کے لیے کارِ آسان نہیں۔

ایک اور قابلِ توجہ بحث ''چہار عُنصر'' کے سلسلے میں تاریخ گوئی سے متعلق ہے ۔بہت دل چسپ اور فکر انگیز گفتگو کی گئی ہے بعض مصرعوں سے تاریخ نکالنے کے تعلّق سے ۔اِس تفصیل کو پڑھ کر ذہن روشن ہو جاتا ہے ،لیکن اہم بات یہ ہے کہ اِس پوری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ بیدلؔ کی معروف تصنیف ''چہار عُنصر'' کا نئے انداز سے مرتّب کیا جانا ضروری ہے ۔

ادب کا کوئی باخبر اُستاد اِس مشکل کام کو انجام دینے کا اگر حوصلہ پیدا کر لے تو اِن تاریخوں کے ساتھ ساتھ بعض دُوسری باتوں پر سیر حاصل بحث کر کے بعض نتائج کا تعیُّن کیا جا سکتا ہے اور بعض نتائج کی توثیق کی جا سکتی ہے ۔

نعیم صاحب نے ترجمۂ ''نِکاتِ بیدلؔ'' کے ایک ایسے نسخے کی نشاندہی کی ہے جس سے کم لوگ واقف ہوں گے ۔بیدلؔ شناسی کی بحثوں کے سلسلے میں اِسے ایک عمدہ دریافت کہا جانا چاہیے۔

مَیں یہ بات اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہُوں کہ بیدلؔ سے متعلق اب تک اُردو میں جو کچھ لکھا گیا ہے ،اُس سرمایے میں یہ کتاب ایک اہم اضافہ ہے اور ہمارے اچھے طالب علموں کے لیے یہ ایک عمدہ تذکرے کی حیثیت سے نمایاں رہے گی ۔

آخر میں یہ ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ بیدلؔ شناسی کی اپنی اہمیت ہے اور ضرورت بھی لیکن تنقید اور تحقیق میں بیدلؔ پرستی کی گنجائش نہیں ہو سکتی، اِس کا ضرور خیال رکھا جانا چاہیے۔ اگر نعیم صاحب کبھی اِس کتاب پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس کریں تو اِس پہلو کو ضرور نظر میں رکھیں۔

ہاں! ایک بات رہ گئی ''اِستدراک'' میں ایک میں شعر کے انتساب سے متعلق مفصل گفتگو کی گئی اور کہا گیا ہے کہ یہ شعر دردؔ کا نہیں، میر سوزؔ کا ہے۔ یہ بات بجائے خود دُرست ہے، مجھے صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اِس پوری بحث کو دو (۲) سطروں میں اِس طرح سمیٹا جا سکتا ہے کہ زیرِ بحث شعر دیوانِ میر سوزؔ (شائع کردہ شعبۂ اُردو دہلی یونی ورسٹی) میں موجود ہے اور اِس طرح یہ بات حتمی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ یہ شعر دردؔ کا نہیں، میر سوزؔ کا ہے۔

ایک یہ بات بھی بحث طلب ہے کہ آخر مرزا غالبؔ نے اپنے ''مرشد'' بیدلؔ کو آخر آخر میں کیوں بھلا دیا تھا؟ نظرِ ثانی میں اگر نعیم صاحب اِس طرف بھی کچھ توجہ کریں تو خوب ہو۔

بس ایک بات مجھے اور کہنا ہے۔ اختلافِ رائے کا حق سب کو ہے، خاص کر علمی بحثوں میں۔ اگر نبی ہادیؔ صاحب نے کلامِ بیدلؔ پر ہندوستانی فلسفے کے اثرات کا ذکر کیا ہے تو یہ خالص علمی مسئلہ ہے اور تفصیلی بحث کا متقاضی ہے، اِس میں برہمی یا ناراضی کو دخل نہیں ملنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ اربابِ نظر کے حلقے میں نعیم صاحب کی اِس کتاب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

رشید حسن خاں

۱۹ر نومبر ۲۰۰۵ء شاہجہاں پور

بیدلؔ! آفتابِ جہل سوز و علم تاب!

✿

ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدلؔ کا سالِ ولادت ۱۰۵۴ھ مطابق ۱۶۴۴ عیسوی ہے ۔۱۰۵۴ھ کا سال ''شمسی تقویم کے مطابق ۲۹ فروری ۱۶۴۴ء سے شُروع ہو کر ۱۷ فروری ۱۶۴۵ء کو ختم ہُوا۔ مہینہ یا تاریخ معلوم نہیں☆''۔ ''سرچشمۂ زُلالِ سعادت، محیطِ آبرُوئے سیادت میر ابوالقاسم ترمذی قُدِّس سِرّہٗ'' نے پیدائشِ بیدلؔ کی دو تاریخیں ''فیضِ قدس'' اور ''انتخاب'' سے نکالیں۔

تاریخ کہنے والے نے تاریخ کہہ کر اپنی قُدرتِ تاریخ گوئی کی نمائش نہیں کی تھی بلکہ بیدلؔ کے رُتبۂ بُلند و مستقبلِ ارجمند کی پیش گوئی کی تھی۔ میر ابوالقاسم ترمذی کی مستقبل آشنا نگاہ، طفلِ شیر خوار عبدالقادر کو انتخابِ روزگار و قُدسی شِعار انسان کے روپ میں دیکھ رہی تھی۔

بیدلؔ کے والد میرزا عبدُالخالق اہلِ تصوّف میں ممتاز و صاحبِ مسندِ ارشاد تھے اور ترکِ ماسوا اللہ اُن کا مسلک تھا۔ ساڑھے چار سال کی عمر میں بیدلؔ شفقتِ پدری سے محروم ہوگئے اور چھ سال کی عمر میں والدہ بھی داغِ مفارقت دے گئیں۔ بیدلؔ کے چچا میرزا قلندرؔ، تصوّف میں میرزا عبدالخالق کے تربیت یافتہ تھے۔ والدہ کی وفات کے بعد میرزا قلندرؔ نے کمال شفقت سے بیدلؔ کو اپنے آغوش و دامنِ تربیت میں جگہ دی۔

بیدلؔ عمر کی دسویں منزل میں تھے کہ مکتب میں اک ایسا واقعہ رُونما ہُوا کہ اُس نے بیدلؔ کی تعلیمی زندگی کا رُخ بدل دیا۔ مکتب میں دو اُستاد کسی اِختلافی مسئلے پر بحث کر رہے تھے۔ دونوں ایک دُوسرے کو نیچا دکھانا چاہتے تھے۔ بحث، کج بحثی اور کج بحثی ، ہاتھاپائی

کے مرحلے میں داخل ہوگئی۔ ساتھ ہی زبان سے مغلظات کی بوچھار بھی ہو رہی تھی۔ یعنی یہ دونوں کی کم ظرفی و کم عقلی کا ناقابلِ مُعافی مظاہرہ تھا۔

میرزا قلندرؔ اُس وقت مکتب میں موجود تھے۔ اُستادوں کی کمینہ فطرت اور اخلاق باختگی کا یہ منظر دیکھ کر وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ عُلوم ظاہر کے معلّموں کا یہ اخلاق ہے تو ایسی تعلیم ہرگز بیدلؔ کے لیے سودمند نہیں ہوسکتی۔ میرزا قلندرؔ نے بیدلؔ کو ایسی بے رُوح تعلیم سے محفوظ رکھنے کا فیصلہ کیا۔ یوں بھی بیدلؔ قرآن شریف ختم کر چکے تھے۔ عربی قواعد، صرف ونحو اور فارسی نظم ونثر پر اُنہیں قُدرت حاصل ہو چکی تھی۔

مکتب چھڑا کر میرزا قلندرؔ نے بیدلؔ کی تعلیم وتربیت کا جو حکیمانہ طریقہ اختیار کیا وہ اشارۂ غیبی محسوس ہوتا ہے۔ میرزا قلندرؔ نے بیدلؔ کو ہدایت کی کہ وہ متقدّمین اور متاخّرین اہلِ علم وادب وشعر کے کلامِ نظم ونثر کا عمیق مطالعہ کریں اور مطالعے پر مبنی انتخاب نظم ونثر روز اُنہیں سنائیں۔ ترکِ مکتب کے اِس فیصلے نے بیدلؔ کی تعلیمی وادبی زندگی پر خوشگوار اثرات مرتّب کیے۔ چچا کی ہدایت اور اپنے شوقِ مطالعہ سے بیدلؔ نے رُودکیؔ، امیر خُسروؔ، جامیؔ وغیرہ تمام اساتذہ قدیم وجدید کے کلامِ نظم ونثر کا مطالعہ بنظرِ تعمّق وتامّل کیا۔

تحصیلِ علم، مطالعۂ کتب ہی پر منحصر نہیں تھی۔ خوش بختی سے بیدلؔ کو ایسے علماء وصوفیاء کی صحبتوں سے مستفید ہونے کا موقع ملا جو علمِ منقول ومعقول کے جامع تھے۔ خود بیدلؔ کی طبعِ اخاذ کا یہ عالم تھا کہ جو سنتے اور پڑھتے، لوحِ ذہن پر نقش کالحجر ہو جاتا۔

بیدلؔ سخن فہمی وسخن سنجی کی خُداداد غیر معمولی صلاحیت رکھتے تھے۔ اِس لیے بہت جلد معائب ومحاسنِ سخن اور رُموزِ شعر گوئی سے کماحقّہٗ آگاہ ہو گئے اور بے اختیار کلام موزوں وارد ہونے لگا۔

بیدلؔ کا ابتدائی کلام کیفیت وکمیّت ہر دو اعتبار سے قابلِ لحاظ تھا، شیخ کمال اُس پر

اظہارِ پسندیدگی اور بیدؔل کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ اِس کے باوجود اُنہوں نے اپنے ابتدائی کلام کو محفوظ رکھنے کا اہتمام نہیں کیا۔ ابتدائی کلام سے یہ بے اعتنائی اِس بات کا ثبوت ہے کہ بیدؔل پیدائشی طور سے بلند معیار و نادرۂ روزگار تھے۔ جو شاعر سبکِ ہندی کو بامِ عُروج پر پہنچانے کے لیے پیدا ہُوا تھا، وُہ معمولی اسالیب پر قناعت نہیں کر سکتا تھا۔

بیدؔل ابتدا میں رَمزیؔ تخلُّص کرتے تھے۔ دیباچۂ گلستانِ سعدیؔ کے مندرجہ ذیل قطعے سے متاثر ہو کر اُنہوں نے اپنا تخلُّص "بیدؔل" اختیار کیا:

گر کسے وصفِ اُو ز من پُرسد
بیدل از بے نشاں چہ گوید باز
عاشقاں کشتگانِ معشوق اند
بر نیاید ز کشتگاں آواز!

شعر گوئی لڑکپن سے ذریعہ اظہار بن چکی تھی۔ کلامِ اساتذہ کے بالاستیعاب مطالعے اور اہل اللہ و سخنورانِ باکمال کی رہ نمائی و شاگردی نے ملکۂ شاعری کو صیقل کیا۔ تازہ گو شُعَرا کے خُصوصی مطالعے سے اُسلوب میں پختگی پیدا ہُوئی۔ اِس کے نتیجے میں بیدؔل کی قوتِ ابداع کا ظُہور ہُوا۔

شدّتِ جذبات، نُدرتِ احساس اور معتقداتِ صحیح نے تخلیقِ معانی تازہ کی ایسی صلاحیت وقدرت عطا کی کہ بیدؔل نے شاعری اور زبانِ فارسی کے مجتہد کا مقام پایا۔

حقائق کا فلسفیانہ بیان، تجربات کی منطقی تفہیم اور ابداع و اختراع کی قوتِ عظیم سے بیدؔل نے ایسا قصرِ طلسمِ معانی تخلیق کیا کہ اُن کی نظم ونثر، فارسی ادب اور سبکِ ہندی کا بے مثال و گرانقدر سرمایہ قرار پائی۔ یہ شرف اُن سے قبل و بعد، کسی دُوسرے شاعر کو حاصل نہیں ہُوا۔

بحیثیت سالکِ راہِ تصوّف بیدلؔ کی شخصیت اتنی متاثر کن تھی کہ مخالف بھی، فیضِ صحبت سے ہم خیال ہو جاتے تھے۔ اخلاق میں اِسقدر گرفت کہ دشمن، دوست بن جاتے۔ بیدلؔ کی زندگی نوعمری سے طہارتِ قلب، عِفّتِ ذہن اور اخلاقِ فاضلہ کا نمونہ تھی۔ وہ تمام عمر بادۂ توحید سے سرشار اور سنّتِ نبویؐ پر کاربند رہے۔

علم کی وُسعت اور استدلال کی گیرائی کا یہ عالم تھا کہ معترض کے سامنے اُن کے موقف کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی راستہ نہ رہتا۔ بیدلؔ کا بیان ہے کہ اُنہوں نے رَمل، جفر اور علمِ نجوم پر مذکورہ علوم کی مستند کتابوں سے احکام اور مواد فراہم کر کے ایک کتاب ''تالیف اِحکام'' تصنیف کی تھی۔ مگر یہ کتاب ناپید ہے۔ خوشگوؔ اُن کے علمی رُسوخ و تبحّر کا ذکر اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

''بالجملہ آن جناب از الٰہیات و ریاضیات و طبعیات، کم و بیش چاشنی بلند کردہ بود و بہ طبابت و نجوم و رمل و جفر و تاریخ دانی و موسیقی، بسیار آشنا بود۔ تمام قصۂ ''مہابھارت'' کہ در ہندیان از آن معتبر کتابے نیست، بیاد داشت و در فنِ اِنشاء بے نظیر۔ چنانچہ ''چہار عنصر'' و رُقعات اُو، بریں دعویٰ دلیل ساطع است''۔

بیدلؔ کی سیرت و شخصیت کی عظمت، اور علمی کمالات جہاں اُن کے ملاقاتیوں کے لیے حیران کُن تھے، وہاں بیدلؔ کی طبیعت کی سادگی، شگفتہ مزاجی اور وضعداری اُن کے لیے باعثِ کشش و محبوبیت بھی تھی۔ بیدلؔ کا گھر تربیت گاہِ تصوّف اور مدرسۂ شعر و ادب تھا۔ مختلف اذواق و احوال کے شائقینِ علم و ادب بصد شوق و اہتمام اُن کی شبانہ محفلوں میں شریک ہوتے تھے۔

بیدلؔ دن کے معمولات سے فارغ ہو کر، شام کو دیوان خانے میں رونق افروز ہوتے۔ اُن کے احباب و شیفتگانِ شعر و ادب شام ہوتے ہی پروانہ وار آنا شُروع ہو

جاتے۔ مہمانوں کی خاطر مُدارات کے لیے اُن کا غلام مضمون کمر بستہ رہتا اور بیدلؔ کے حُقّے کی چلم بھی ٹھنڈی نہ ہونے دیتا۔

اُن محفلوں میں بیدلؔ اپنی زندگی کے تجربات بیان کرتے۔ شعروادب اور شریعت و طریقت کے نِکات ودقائق پر گفتگو فرماتے۔ مسائل و حالاتِ حاضرہ کا تجزیہ کرتے۔ اندازِ بیان شگفتہ اور انتہائی شائستہ ہوتا۔ وہ شُرکائے محفل پر یکساں مساوی توجّہ فرماتے۔ بیدلؔ کی مجلسِ شبانہ میں شرکت کے لیے نہ مذہب وملّت کی قید تھی نہ امیر وغریب کا امتیاز۔

اُن محفلوں میں بیدلؔ کی شخصیت نکھر کے سامنے آتی تھی۔ حاضرین محسوس کرتے تھے کہ کعبۂ حقائق ومعانی اور قبلۂ بلاغت وفصاحت کہلانے کا مستحق یہی سربلند وبے نیاز صاحبِ کمال ہے۔ خوشگو لکھتے ہیں:

''قسم بجانِ سخن کہ جانِ من است وخاکپائے اربابِ سخن کہ ایمانِ من است کہ فقیر درین عمر کہ پنجاہ وشش مرحلہ طے کردہ، باہزاران مردم رقعہ برخوردہ می باشم لیکن، بہ جامعیّتِ کمالات وحسنِ اخلاق وبزرگی وہمواری وشگفتگی ورسائی وتیزفہمی وزُودرسی واندازِ سخن گفتن وآدابِ معاشرت وحسنِ سلوک ودیگر فضائلِ انسانی ہمچو وے ندیدہ ایم''۔ اُن شبانہ مجلسوں کی رونقیں تا حیاتِ بیدلؔ قائم رہیں۔ از عہدِ عالمگیر تا زمانہ محمد شاہ رنگیلا۔

بیدلؔ کے آفتابِ شاعری وشخصیت کی شعاعوں سے شاہجہاں آباد کے ایوان ہائے علم وادب ہی نہیں، قصورِ امارت وسیاست بھی منوّر ہوئے۔ اُن کی شاعری کی شہرت واثر انگیزی کی ایک روشن دلیل یہ ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر جیسے باجبروت مغل شہنشاہ کے دل میں کلامِ بیدلؔ کے مطالعے کا شوق پیدا ہوا۔ عالمگیر نے وسیع الاطراف سلطنت کے انتظام و اشتغال سے، دیوانِ بیدلؔ کے مطالعے کے لیے وقت پس انداز کیا اور اِتنی توجّہ سے اُن

کی شاعری کا مطالعہ کیا کہ اَشعارِ بیدلؔ اُس کے قلم پر رواں ہو گئے۔ عالمگیر اپنے خطوط میں اشعارِ بیدلؔ بے تکلّف و برمحل استعمال کرتا ہے۔ ایک خط میں اسدؔ خاں کو یہ مقطع لکھا:

حرص قانع نیست بیدلؔ ورنہ اسبابِ معاش
آنچہ ما درکار داریم اکثرے درکار نیست

ایک فرمان میں شاہزادہ اعظم شاہ کو امن و امان قائم رکھنے اور راستوں کو رہزنوں سے پاک کرنے کی ہدایت کرتے ہُوئے بیدلؔ کا یہ شعر لکھا:

من نمی گویم ، زیاں کُن یا بفکرِ سود باش
اے زفرصت بے خبر! در ہر چہ باشی زُود باش

عالمگیر ایک مکتوب میں مظلوموں کو جلد انصاف فراہم کرنے کی اہمیت، بیدلؔ کے اِس شعر کے ذریعے اعظم شاہ کے ذہن نشین کراتے ہیں:

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن
اِجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید!

اورنگ زیبؔ نے یہی شعر ''بترس از آہِ مظلوماں'' ایک خط میں اسدؔ خاں کو بھی تحریر کیا بیدلؔ کے نام کی تصریح کے ساتھ۔

بیدلؔ اپنے عہد کے خاصہ خاصانِ شعروادب اور سردارانِ دین وسیاست میں مقبول وممتاز تھے۔ اُن افراد کی طویل فہرست ہے جو بیدلؔ کی نگاہ التفات کو اپنے لیے باعثِ اعزاز سمجھتے تھے۔ اسلامی ہند کے ممتاز عالم شاہ ولیؔ اللہ محدِث دہلوی کے والد بزرگوار قاضی شاہ عبدُالرحیم بھی بیدلؔ کے مدّاح ومعتقد تھے۔ قاضی شاہ عبدُالرحیم بلند مقام ادیب و شاعر تھے۔ اورنگ زیب عالمگیر اُن کے لیے اپنے دل میں نہایت قدر وعزّت کے جذبات

اور خواہشِ ملاقات رکھتا تھا۔

قاضی شاہ عبدالرحیم کے توکّل و استغناء کا یہ عالم تھا کہ مطلق العنان و باجبروت مغل شہنشاہ کی دعوتِ ملاقات کو شرفِ پذیرائی عطا نہیں کیا۔ مگر درویشِ خدامست بیدلؔ کے آستانے پر جبہہ سائی کو باعثِ شرف و سرفرازی سمجھا۔ قاضی شاہ عبدالرحیم نے عُلوِ مقامِ بیدلؔ کا اعتراف اور اُن کے لیے اپنے جذباتِ ستائش کا اظہار نظم و نثر میں کیا۔ جواب میں بیدلؔ نے قاضی شاہ عبدالرحیم صاحب کو لکھا:

''یادِ فقراء حرکت است از نقاب بے چونے۔ در ہر دلے کہ پرتوِ توجّہ آن تافت، خود را آئینہ دار ہمان کیفیت دریافت۔ خطراتِ قلوبِ خاصان کہ ملہم اسرارِ ربانی اند، اداے این شفقت ہا از حق، بحق تواند بود......''۔

۱۰۷۵ھ سے ۱۰۹۶ھ تک شمالی ہند میں بیدلؔ نے مستقل قیام کے لیے کسی شہر کا انتخاب نہیں کیا۔ اکبر آباد، متھرا اور دہلی میں درویشانہ آمد و رفت رکھی۔ اِن شہروں میں مختلف وقفوں سے کئی کئی سال عارضی طور سے مقیم رہنے کے بعد، ستائیس (۲۷) جمادالثانی ۱۰۹۶ھ مطابق اکتیس (۳۱) مئی ۱۶۸۰ء میں بیدلؔ ''متھرا'' سے مع اہل و عیال، مستقل قیام کے لیے دہلی تشریف لائے۔

نواب شکر اللہ خاں خاکسارؔ اُن کے مستقلاً دہلی آنے پر بہت خوش ہُوئے اور اپنے فرزند شاکر خاں کو بیدلؔ کے لیے عمدہ مکان تلاش کرنے پر مامور کیا۔ اُنہوں نے جلد ہی شہر پناہ اور دہلی دروازے کے باہر محلّہ ''کھیکریاں'' میں گُھور گھاٹ کے کنارے، لطفؔ علی کی حویلی مبلغ پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپے میں خرید کر بیدلؔ کی نذر کی۔ اور دو روپے یومیہ دیگر ضروریاتِ زندگی کے لیے مقرّر کر دیا۔

اُس زمانے میں ماہر کاریگر کی آمدنی پانچ آنے روز تھی۔ خلیق احمد نظامیؔ ''تاریخ

مشائخ چشت'' میں لکھتے ہیں کہ شاہ کلیم جہان آبادی (معاصرِ بیدِل) کے پورے مہینے کے خرچ کے لیے دو روپے کافی ہوتے تھے۔ اِس معیار سے نواب شکراللہ خاں کے مقرر کردہ یومیہ دو روپے بیدِل کی معاشی خوش حالی و فارغُ البالی کی ضمانت تھے۔

مزید یہ کہ اُن کی طبی مہارت بھی معقول آمدنی کا ذریعہ تھی۔ بیدِل کی بنائی ہُوئی دوائیں دہلی میں ہاتھوں ہاتھ لی جاتی تھیں۔ غرض وہ باقی زندگی مالی اعتبار سے خوش اَوقات رہے۔ بیدِل کی فراوانیِ زر کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے کُلّیات ''چہار عنصر'' کے ہم وزن زر و جواہر پئے شکر و نیک فال خیرات کیے۔ کُلّیات کا وزن چودہ (۱۴) سیر تھا۔

عالمِ شباب میں سیاحت یقیناً بیدِل کے لیے نشاط کا باعث تھی، لیکن ایامِ پیری میں گوشہ عافیت کی خواہش فطری تقاضا۔ دہلی میں قیام اُن کے لیے اِسقدر موجب راحت و اطمینان ہُوا کہ پھر وہاں سے جنبش نہ کی۔ بیدِل نے مسلسل چھتیس (۳۶) سال دہلی میں بسر کیے۔

بیدِل نے کتنے نکاح کیے اور کن خاندانوں میں رشتۂ اِزدواج قائم کیا، اِس بارے میں تفصیلات نہیں ملتیں۔ اُنہوں نے اپنی متاہل زندگی کے متعلق بالعموم خاموشی اختیار کی ہے۔ خوشگو چار نکاحوں کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ بیدِل کی پہلی شادی بعمر پچّیس (۲۵) سال ۱۰۷۹ھ میں ہُوئی۔ خود اُنہوں نے شادی کی تاریخ کہی ''بشگفت گُلِ حدیقۂ یُمن'' سے ۱۰۷۹ھ نکلتی ہے۔

شادی کو اکتالیس (۴۱) سال گزرنے کے بعد یکم رجب ۱۱۲۰ھ کو بیدِل کے گھر بیٹا پیدا ہُوا، یہی اُن کی پہلی اور آخری اولاد تھی۔ دادا کے نام پر بچّے کا نام عبدُالخالق رکھا گیا۔ شادی اور بچّے کی ولادت میں اکتالیس سال کا وقفہ اِس امکان کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ کوہِر مراد تیسری

یا چوتھی بیگم کے صدف سے حاصل ہُوا ہوگا۔ بیٹے کی پیدائش پر بیدلؔ کی خوشی کا ٹھکانہ ہی نہ تھا۔ فقراء میں فراخدلانہ خیرات تقسیم کی، دس تاریخیں کہیں، دوستوں اور بالخصوص میر لطف اللہ شکر اللہ خاں ثانی کو ولادتِ عبدالخالق کی خوشخبری کے خطوط لکھے۔

کلکِ تقدیر نے عبدُالخالق کی مدّتِ عمر صرف دو سال، نو (۹) مہینے اور نو (۹) دن لکھی تھی، تاریخِ وفات نو (۹) ربیع الثانی ۱۱۲۳ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۷۱۱ء☆ ہے۔ بیٹے کی موت کا صدمہ بیدلؔ کے لیے قیامت سے کم نہ تھا، لیکن اُنہوں نے شیوہء صبر و رضا اختیار کیا اور مرضیِ مولا از ہمہ اولیٰ کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ بیٹے کی موت کے سانحے نے بیدلؔ کے جذبہء حنانِ ابوی کو اِس طرح انگیخت کیا کہ رثائی شاعری کا ایک شاہکار وجود میں آ گیا۔ اُنہوں نے اٹھارہ (۱۸) بند کا مرثیہ کہا، دو بند مندرجہ ذیل ہیں:

ہیہات چہ برق پرفشاں رفت
کاشوبِ قیامتم بجاں رفت
گر تابِ وجود در تواں رفت
طفلم زیں خاکداں رفت
بازی بازی بر آسماں رفت

ہر گہہ دو قدم خرام می کاشت
از انگشتم عصا بکف داشت
یارب! چہ علم بہ وحشت افراشت
دست از دستم چگونہ برداشت
بے من بہ رہِ عدم چساں رفت

بیدلؔ کا تعلّق مغل ''اُرلاس'' قبیلے سے تھا، اُن کے اجداد مغلیہ عہد کے زمانہء عُروج میں ''بُخارا'' سے ہندوستان پہنچے۔ شاہجہاںؔ کے فرزند صوبیدارِ بنگال شاہزادہ شُجاعؔ کے

لشکر میں بیدلؔ کے والد میرزا عبدالخالق، عسکری خدمات انجام دیتے تھے۔ عبدالخالق نے بنگال کو اپنا وطن قرار دے کر بنگال و بہار کی سرحد پر واقع شہر ''اکبر نگر عرف راج محل'' میں مستقل سکونت اختیار کی۔

یہی ''اکبر نگر عرف راج محل'' بیدلؔ کی جائے پیدائش ہے۔ بنگال و بہار، مغلیہ عہد میں ایک ہی صوبہ تھا اور ''راج محل'' موسم گرما کا صوبائی صدر مقام۔ اُس وقت بنگال و بہار ایک گھر کے دو آنگن شمار ہوتے تھے۔ بیدلؔ اپنے والد اور چچا کے ساتھ تواتر سے ''پٹنہ'' آتے اور قیام کرتے تھے۔

بیدلؔ کا بچپن زیادہ تر قصبہ ''مہسی'' میں گزرا۔ ''مہسی'' پٹنہ کے قریب شمال مشرق کی سمت ہے۔ ''پٹنہ'' کا نام ''عظیم آباد'' بیدلؔ کی ولادت کے باسٹھ (۶۲) سال بعد ۱۱۱۶ھ میں اُس وقت رکھا گیا جب اورنگ زیب عالمگیر کا پوتا شاہزادہ عظیم الشان وہاں کا صوبیدار تھا۔ یہی سبب ہے کہ بیدلؔ نے ''چہار عنصر'' میں ''پٹنہ'' کو کہیں ''عظیم آباد'' نہیں لکھا۔ ''چہار عنصر'' کی تاریخ تکمیل ۱۱۱۶ھ ہے۔

۱۹۶۹ء تک بیدلؔ کی جائے پیدائش کے متعلق مختلف آراء تھیں۔ لیکن رسالہ ''اُردو'' کراچی کے ۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۰ء کے شماروں میں، لچھمی نرائن شفیقؔ اورنگ آبادی کا تذکرہ ''شامِ غریباں'' بالاقساط شائع ہونے کے بعد بیدلؔ کی جائے پیدائش کے بارے میں شکوک و شبہات دُور ہو گئے۔ شفیقؔ اورنگ آبادی نے شاہ محمد شفیع وارِدؔ کے نایاب تذکرے ''مرآتِ واردات'' سے اپنے تذکرے ''شامِ غریباں'' میں بیدلؔ کے حالات نقل کیے ہیں۔ شاہ محمد شفیع وارِدؔ نے اپنا تذکرہ ''مرآتِ واردات'' ۱۱۳۶ھ میں تالیف کیا۔ اِس تذکرے میں وارِدؔ نے بیدلؔ کے بارے میں تفصیل سے لکھا ہے۔ اور بیدلؔ کے متعلق ایسی معلومات فراہم کی ہیں جو دیگر تذکروں میں نہیں پائی جاتیں۔ اِس لیے شفیقؔ نے اپنے تذکرے ''شامِ غریباں'' میں وارِدؔ کی فراہم کردہ معلومات کو

شامل کرنا ضروری سمجھا۔

وارِد لکھتے ہیں کہ بیدلؔ ڈیڑھ سال تک فکرِ معاش سے آزاد رہ کر وارِد کے گھر مقیم رہے۔ ''میرزا تا مدّتِ یک ونیم سال در خانۂ راقمِ این اوراق، بے تشویشِ معاش رحلِ اقامت افگند''۔

وارِد تحریر کرتے ہیں کہ میرزا بیدلؔ بنگال کے شہر ''اکبر نگر عرف راج محل'' میں گلستانِ عدم سے عالمِ وُجود میں آئے اور ایک عرصہ اِس سرزمین میں بجمعیّتِ خاطر زندگی بسر کی۔ ''طائرِ خوش نوائے وُجودِ میرزا، از گلستانِ عدم در ''اکبر آباد عرف راج محل'' از ممالکِ بنگال پر پرواز کشُود ومدّتے در آن سرزمین معاش بجمعیّت بسر برد''۔

وارِد بیان کرتے ہیں کہ اپنے نسب کے باب میں میرزا نے اِس احقرُ العباد کے سامنے کئی بار یہ تقریر کی کہ اجدادِ میرزا کا سلسلہ شاہ منصور بن مظفر بادشاہ فارس، ممدُوحِ خواجہ حافظ شیرازی تک پہنچتا ہے۔ امیر تیمور سے صف آرائی کے دَوران جب شاہ منصور قتل ہُوئے تو اُن کی اولاد واحفاد نے ''بخارا'' کا رخ کیا۔ میرزا کی چند پشتیں ماوراءالنہر میں مقیم رہیں۔ اِس کے بعد میرزا کے بزرگوں نے اُس مکان سے مفارقت اختیار کی اور مملکتِ بنگال میں اسباب سفر کھولا۔ ایک پشت گزرنے کے بعد آفتابِ وُجودِ میرزا، مطلعِ صبحِ سعادت سے طلوع ہُوا۔

''درباب نسبِ خویش آنچہ میرزا در حضور ایں احقرُ العباد مکرّر تقریر کرد، ایں است کہ سلسلۂ اجدادِ میرزا منتہی بہ شاہ منصور بن مظفر بادشاہ فارس، ممدوحِ خواجہ حافظ شیرازی می گردد۔ ہنگامے کہ شاہ منصور با امیر تیمور صف آرائی نمودہ کشتہ گردید، اولادش واحفادش رُو بہ صوب ''بخارا'' آوردند۔ چندیں پشتِ میرزا در ماوراءالنہر اقامت داشت۔ بزرگوارِ میرزا از آں مکان مفارقت ورزیدہ، در مملکتِ بنگالہ رحلِ اقامت افگند۔ بعد انقضاے

یک پشت، آفتاب وجُودِ میرزا از مطلعِ صبحِ سعادت طالع گشت"۔

شاہ محمد شفیع وارِؔد کے بیانات کا مستند و معتبر ہونا کسی حد تک محتاجِ ثبوت تھا اور یہ بیانات گویا یک طرفہ تھے۔ مگر جناب شوکت علی خاں (ڈائرکٹر ادارۂ تحقیقات عربی وفارسی، راجستھان، ٹونک) نے اپنے مضمون "میرزا بیدِؔل کی کہانی، ٹونک کے مخطوطات کی زبانی" میں وارِؔد و بیدِؔل کے روابطِ وثیقہ کے بارے میں نہایت اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ اُن معلومات کی روشنی میں شاہ محمد شفیع وارِؔد کو درجۂ استناد حاصل ہو گیا ہے۔

جناب شوکت علی خاں کے مضمون کے مطابق، ادارۂ مذکورہ بالا کے خزانہ مخطوطات میں بیدِؔل کی نو دریافت و نادر مثنوی "سادہ و پُرکار" محفوظ ہے۔ اِس مثنوی میں بیدِؔل نے شاہ محمد شفیع وارِؔد کی علمی و ادبی صلاحیت اور مذہبی خدمات کا اعتراف کیا ہے، اُن کو دہلی کی آبرو قرار دیا ہے۔ مثنوی "سادہ و پُرکار" میں "در تعریف سیّد عالی نسبت، والاحسب میر محمد شفیع سلّمہٗ اللہ تعالیٰ" بیدِؔل نے اکتیس (۳۱) اشعار کا قصیدہ لکھا ہے۔ اِس قصیدے میں وارِؔد کی حکمت و فراست اور علم و عرفان و فن کو سراہتے ہُوئے، بحیثیت شاعر و ادیب اُن کو مُجِدؔی، ابوالفراؔج اور انورؔی کا ہم پلہ ٹھہرایا ہے۔ بیدِؔل فرماتے ہیں:

پایۂ عرفان زِ جُودش رفیع		پیرِ صفا کیش محمد شفیع
چون رہِ دشوار پسندی زند		طعنہ بر اشعارِ مُجِدؔی زند
می رسدش وقتِ سخن گستری		مہر بلب بوالفراؔج و انورؔی

اِس طرح شاہ محمد شفیع وارِؔد کے بیانات کا مستند و معتبر ہونا اظہر من الشمس ہو گیا اور بیدِؔل کی جائے ولادت و نسب کا معمّہ حل ہو گیا۔ جناب شوکت علی خاں تاکید فرماتے ہیں کہ "میر محمد شفیع، وہی محمد شفیع وارِؔد ہیں جنھوں نے "مرآتِ واردات" لکھی ہے"۔ جناب شوکت علی خان کا یہ مضمون "مرزا عبدالقادر بیدِؔل" مرتبہ ڈاکٹر سیّد اطہر شیر میں شامل

ہے ۔یہ کتاب ۱۹۸۲ء میں پٹنہ، بہار سے شائع ہوئی ہے۔

بیدلؔ سیاحت دوست، سفر نصیب تھے۔انہوں نے ''کٹک'' سے ''اٹک'' تک سیا حت کی۔

''بہار'' کے جن شہروں اور قصبوں میں بیدلؔ کا طویل یا مختصر قیام رہا اُن کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

پٹنہ، مہسی، سرائے جمنا پور، چاند چور، سرائے بیگولی، ترہٹ، رانی ساگر، آرہ، سرائے بنارس۔

''اُڑیسہ'' کے صدر مقام ''کٹک'' میں بیدلؔ تین سال مقیم رہے اور وہاں سے موضع کساری بھی گئے۔

شمالی ہند اور پنجاب میں بیدلؔ کی منازلِ سفر میں یہ شہر نمایاں ہیں:

دہلی، اکبر آباد، متھرا، اکبر پور، کوہستانِ ہیراٹ، سرائے نکودر، لاہور، حسن ابدال۔اکبر آباد میں بیدلؔ کا قیام مسلسل تین سال رہا، ۱۰۸۱ھ کی ابتدا سے ۱۰۸۳ھ کے اختتام تک۔

متھرا میں بیدلؔ کی رہائش پانچ سال رہی۔پہلی بار اوائل ۱۰۷۸ھ سے اواخر ۱۰۸۰ھ تک، عرصۂ قیام تین سال۔اور دُوسری مدّتِ قیام دو سال ہے جمادی الثانیہ ۱۰۹۴ھ سے جمادی الثانیہ ۱۰۹۶ھ تک۔

بیدلؔ دو بار لاہور تشریف لے گئے۔پہلی بار ۱۰۸۵ھ میں عازمِ لاہور ہوئے۔۱۰۸۵ھ کا سال ۲۸ مارچ ۱۶۷۴ء سے شُروع ہو کر ۱۸ مارچ ۱۶۷۵ء کو ختم ہوا ☆۔بیدلؔ کا پہلا سفرِ لاہور اُن کے اشتیاقِ دیدِ لاہور کا نتیجہ تھا کہ اُنہوں نے اُس سفر کو 'عزیمتِ شوق' کہا ہے۔بیدلؔ نے پہلے سفرِ لاہور کا مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہا:

شوق را از عزیمتِ لاہور تازگی ہائے مژدۂ شادیست

یعنی از دامگاہِ اثر دن	چند گام نویدِ آزادیست
سالِ تاریخِ آں عزیمتِ شوق	بے تکلّف فھو "خدا ہادیست"

خدا ہادیست = ۱۰۸۵ھ

لیکن لاہور کا دُوسرا سفر ۱۱۳۱ھ میں جبیر حالات کے تحت ہُوا۔ بادشاہ گر سیّد برادران جب نو (۹) رجب ۱۱۳۱ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۷۱۹ء☆ کو قتلِ فرّخ سیر کے مرتکب ہُوئے تو اِس قتلِ ناحق پر بیدِلؔ کو بہت صدمہ ہُوا۔ اور اُنہوں نے اِحتجاجاً یہ تاریخ کہی:

"سادات بوَے نمک حرامی کردند" =۱۱۳۱ھ

یہ تاریخ کہنے پر سیّد برادران اُن کے خون کے پیاسے ہو گئے۔ بیدِلؔ اُن کے اِنتقام سے بچنے کے لیے نواب عبدُ الصمدؔ خاں کے پاس لاہور چلے گئے۔ "اور ۶ ذی الحجہ ۱۱۳۲ھ کو امیرُ الاُمراء "دکن" جاتے ہُوئے "تورہ" کے مقام پر مارے گئے اور ساداتِ بارہہ کا اِقتدار ختم ہُوا تو ۱۱۳۳ھ کے اِبتدائی ایام میں میرزا واپس شاہجہاں پہنچے" (رُوحِ بیدِلؔ صفحہ ۳۷۳)۔ بیدِلؔ کی زندگی میں آٹھ مغل بادشاہ تختِ طاؤس پر متمکّن ہُوئے۔ بادشاہوں کے نام حسبِ ذیل ہیں۔

☆ ہجری اور شمسی سال کا تطابق مولانا غلام رسول مہرؔ کے مضمون "میرزا عبدُ القادر بیدِل" سے ماخوذ ہے۔ مذکورہ مضمون شعبہ تصنیف تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی کے "جریدہ" شمارہ تمیں (۳۰) ۲۰۰۴ء میں شائع ہُوا ہے۔

۱	شاہجہانؔ	۵	فرّخ سیر
۲	عالمگیر	۶	رفیع الدرجات
۳	بہادُر شاہ	۷	رفیع الدولہ شاہجہان ثانی

۴	جہاندار شاہ	۸	محمد شاہ رنگیلا

بیدلؔ نے تاجِ شاہی کی ہوس میں لڑی جانے والی چار جنگوں کی تباہکاریاں دیکھیں۔

بیدلؔ کو ہمہ گیر وکثیر الجہت شخصیت عطا ہوئی تھی، جس کا ہر ایک رخ ''کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا این جاست'' کے مصداق تھا۔ بایں ہمہ اُن کی شخصیت کا نمایاں جوہر شاعری ہے۔ رعنائیِ زبان، شادابیِ بیان، غزارتِ معانی اور لطافتِ شاعرانہ کا وفور، بیدلؔ کی شاعری کا طرّۂ امتیاز ہے۔ غزلیات ومثنویاتِ بیدل بالخصوص، کیفیت وکمیّت ہر دو اعتبار سے بدیع و بےنظیر ہیں۔ ریاضتِ فن، بیان وزبان پر مجتہدانہ قدرت، وفورِ شعریّت اور فکرِ بیدلؔ غزلیات اور مثنویوں میں اس طرح جلوہ گر ہُوئی ہے کہ ''معجزۂ فن'' اور ''خونِ جگر کی نمود'' کے تمام امکانات ومعانی روشن ہو گئے ہیں۔ اُن میں شاعرانہ تخیّل اور حکیمانہ تفکّر اوجِ کمال پر نظر آتا ہے۔ کلامِ بیدل سبکِ ہندی کا نقطۂ عروج ہے۔

بیدلؔ کی چار طویل مثنویاں محیطِ اعظم، طلسمِ حیرت، طورِ معرفت اور عرفان، حیات وکائنات کی بوقلمونی کا آئینہ ہیں۔

(۱) مثنوی ''محیطِ اعظم'' کا سالِ تصنیف ۱۰۷۸ھ ہے۔ یہ مثنوی، فردوسیؔ کے شاہنامہ کی بحر میں لکھی گئی ہے۔

(۲) مثنوی ''طلسمِ حیرت'' ۱۰۸۰ھ میں وجود میں آئی۔ اس مثنوی میں بیدلؔ نے تکوینِ عالم کے حقائق ومعارف تمثیلی اُسلوب میں بیان کیے ہیں۔ مثنوی ''طلسمِ حیرت'' کے لیے اُنہوں نے جامیؔ کی ''یوسف زلیخا'' کی بحر اختیار کی ہے۔

(۳) مثنوی ''طورِ معرفت'' ۱۰۹۸ھ میں تصنیف ہُوئی۔ اس مثنوی میں حسنِ فطرت کا بیان اِسقدر بدیع اُسلوب میں کیا گیا ہے کہ اِس سے زیادہ کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔

(۴) مثنوی ''عرفان'' ۱۱۲۴ھ میں مکمل ہُوئی۔ ''عرفان'' بیدلؔ کی طویل ترین مثنوی

ہے ۔اِس کی تصنیف میں تقریباً تیس (۳۰) سال صرف ہُوئے، یہ ''حدیقہ سنائی'' کی بحر میں کہی گئی ہے ۔بیدِلؔ نے اِس مثنوی میں حقائقِ کائنات کی فلسفیانہ تشریح و تفہیم کی ہے ۔مثنوی ''عرفان'' کو بیدِلؔ اپنی شاعری کا تاجِ افتخار باور کرتے تھے ۔

عمدہ اور شاعرانہ نثر لکھنے کی صلاحیت بہت کم شاعروں میں ہوتی ہے ۔لیکن نثرِ بیدِلؔ ،نثری شاعری اور بدیع اُسلوبِ نگارش کی نادر مثال ہے ۔ چہار عُنصر، نِکاتِ بیدِلؔ، رُقعاتِ بیدِلؔ فارسی نثر کے اِلہامی صحیفے محسوس ہوتے ہیں ۔

''چہار عُنصر'' بیدِلؔ کی نثری تصنیف ہے ۔''چہار عُنصر'' کو کسی حد تک بیدِلؔ کی سوانح عمری کہا جا سکتا ہے ۔اِس کے چار حصّے ہیں اور ہر حصّے کو ''عُنصر'' کا نام دیا گیا ہے ۔''چہار عُنصر'' از ۱۱۰۵ھ تا ۱۱۱۶ھ گیارہ (۱۱) سال کی مدّت میں تصنیف ہُوئی ۔

''نِکاتِ بیدِلؔ'' اُن کی دُوسری نثری تصنیف ہے ۔بیدِلؔ نے ''چہار عُنصر'' کے اہم موضوعات کو مختصر اور دل نشیں اُسلوب میں ''نِکات'' کے عنوان سے مرتّب کیا ہے ۔''نِکات'' کی تعداد پچھتّر (۷۵) ہے ۔

''رُقعاتِ بیدِلؔ'' اُن کے خطوط کا مجموعہ ہے ۔خطوط کی تعداد ،دو سو پچاسی (۲۸۵) ہے ۔یہ خطوط بیدِلؔ نے اپنے اساتذہ، دوستوں، شاگردوں اور بعض رشتے داروں کو لکھے ہیں ۔''رُقعاتِ بیدِلؔ'' حقیقتاً ادبی دستاویز اور تاریخی ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں ۔اِن خطوط سے اپنے ہمعصروں میں بیدِلؔ کی علُوِ شان کا اندازہ ہوتا ہے اور بیدِلؔ کے سوانحی اِشارے ملتے ہیں ۔مکتوب الیہم میں عاقل خاں رازیؔ، شکراللہ خاں خاکسار، عبدالعزیز عزّتؔ، قاضی شاہ عبدالرحیم اور نظام الملک بالخصوص قابلِ ذکر ہیں ۔بیدِلؔ کی منظوم تخلیقات کی تفصیلات مسطورہ جدول میں ملاحظہ فرمائیں ۔

شمار	صنف سخن	تعداد	تعدادِ اشعار
۱	غزلیں	۲۸۶۰	۳۲۷۳۶ شعر
۲	مثنوی محیطِ اعظم		۶۰۳۲ شعر
۳	مثنوی طلسمِ حیرت		۳۳۶۶ شعر
۴	مثنوی طورِ معرفت		۱۲۲۹ شعر
۵	مثنوی عرفان		۱۰۹۵۰ شعر
۶	مثنوی فرسنامہ		۳۱۹ شعر
۷	مثنوی کیمیاء		۲۱۰ شعر
۸	مثنوی فیل		۱۰۰ شعر
۹	مثنوی در صفتِ شمشیر		۴۵ شعر
۱۰	مثنوی صفتِ دہان		۷ شعر
۱۱	رُباعیات	۳۹۹۱	۷۹۸۲ شعر
۱۲	طویل و مختصر قصائد	۲۰	۱۶۴۱ شعر
۱۳	قِطعات	۱۷۴	۱۰۷۰ شعر
۱۴	ترجیع بند (۳۴ بند)	۱	۷۱۴ شعر
۱۵	ترکیب بند (۳۰ بند)	۱	۶۳۰ شعر
۱۶	مخمسات (۳۶۶ بند)	۳۱	۹۱۵ شعر
۱۷	مستزاد	۳۴	۶۸ شعر
۱۸	اشعارِ معمہ		۳۱ شعر
۱۹	اشعار در صنعتِ ہشت دائرہ		۲ شعر

۲۰	اشعار در صنعتِ منقوط		۷ شعر
☆	مجموعی تعداد اشعار		۶۸۲۵۴

صفحاتِ ماسبق میں مذکورہ تخلیقات کے علاوہ بیدلؔ نے رَمل، جفر اور علمِ نجوم پر ایک رسالہ ''تالیفِ احکام'' لکھا تھا وہ ناپید ہے۔ اُنہوں نے جو دیباچہ ''تالیفِ احکام'' پر لکھا تھا وہ ''رُقعاتِ بیدلؔ'' مطبوعہ افغانستان میں شامل ہے۔

بیدلؔ کی نو دریافت مثنوی کا نام ''سادہ وپُرکار'' ہے۔ یہ مثنوی ۱۹۸۱ء میں دریافت ہُوئی، سالِ تصنیف نامعلوم، اشعار کی تعداد دو ہزار سات سو پچاس (۲۷۵۰) بیان کی گئی ہے۔

تصانیفِ بیدلؔ شناساں اور تذکرہ ہائے شُعرا میں ایک کبت اور اُردو کے تین شعر بیدلؔ سے منسوب کیے جاتے ہیں۔ جو مندرجہ ذیل ہیں۔

سر پر جب کوئی نہیں ، دشمن آپن کیس
پٹنہ نگری چھاڑ دیں، اب بیدلؔ چلے بدیس
شُہرۂ حسن سے از بسکہ وہ مجوب ہُوا
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہُوا
مت پوچھ دل کی باتیں، وُہ دل کہاں ہے ہم میں
اُس تخمِ بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں
جب دل کہ آستاں پر عشق آن کر پکارا
پردے سے یار بولا، بیدلؔ کہاں ہے ہم میں

ڈاکٹر عبدُ الغنی مرحوم ''رُوحِ بیدلؔ'' میں مندرجہ بالا اشعار لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اِن اشعار کے عِلاوہ مجھے اُردو میں بیدلؔ کا اور کوئی شعر نہیں مل سکا''۔ کبت کے متعلق اہلِ تحقیق میں اختلافِ رائے ہے۔ بعض کے نزدیک یہ کبت بیدلؔ کا نہیں ہے اور بعض اِس

کو بعید از قیاس نہیں سمجھتے کہ یہ کبت بیدلؔ کا ہو، ڈاکٹر عبد الغنی ثانی الذکر گروہ میں شامل ہیں ۔شعر ''محبوب ہُوا___ خوب ہُوا'' کے بارے میں سب متفق ہیں کہ یہ شعر بیدلؔ کا نہیں ہے اور بربنائے غلط فہمی بیدلؔ سے منسوب ہو گیا ہے ۔اس طرح جون ۱۹۸۲ء تک ''مت پوچھ دل کی باتیں'' اور ''جب دل کے آستاں'' یہی دو شعر بیدلؔ کا کل اُردو سرمایہ تصوّر کیے جاتے تھے۔

لیکن اپنی عظیم الشان و بے نظیر تالیف ''تاریخِ ادبِ اُردو'' میں عدالتِ تحقیق و تاریخ کے جج ☆محترم ڈاکٹر جمیل جالبی (☆ جالبی اپنے نام کو ج، ج سے مرموز کرتے ہیں؛ میں نے اس سے ''جج'' بنایا ہے ۔جالبی صاحب کے ادبی فیصلے اس قدر عادلانہ ہوتے ہیں اس لیے میں نے اُن کو جج کا خطاب دیا ہے) بیدلؔ کی اُس غزل کے مزید تین شعر دریافت ہونے کا مژدہ سنایا،۱۹۸۲ء تک جس کا مذکورہ بالا مطلع و مقطع ہی دستیاب تھا۔ڈاکٹر صاحب کی اِس تحقیق و دریافت کے بعد بیدلؔ کے یقینی اُردو اشعار کی تعداد پانچ ہو گئی ہے۔

''اُس عہد کے اکثر اُستاد ہوشمندی کے ساتھ اشعار ریختہ موزوں کرتے تھے، چنانچہ قدوۃ السالکین، زُبدۃ الواصلین میرزا عبد القادر بیدلؔ رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اِس زَبان میں ایک غزل کہی جس کا مطلع و مقطع یہ ہے'' قائمؔ چاند پوری کے تذکرے ''مخزنِ نکات'' سے یہ اقتباس درج کرنے کے بعد جمیل جالبی صاحب لکھتے ہیں:

''خوش قسمتی سے یہی غزل جو پانچ اشعار پر مشتمل ہے ہمیں مولانا غلام کبریا خاں افغانی کی بیاض سے دستیاب ہُوئی ۔بیدلؔ کی وہ پوری غزل یہ ہے:

مت پوچھ دل کی باتیں وہ دل کہاں ہے ہم میں
اُس تخمِ بے نشاں کا حاصل کہاں ہے ہم میں

موجوں کی زد پہ آئی جب کشتیِ تعیُّن	
بحرِ فنا پکارا ساحل کہاں ہے ہم میں	
خارج نیں ☆ کی ہے پیدا تمثال آئینے میں	☆ نے
جو ہم سیں ☆ ہے نمایاں داخل کہاں ہے ہم میں	☆ سے
سوزِ نہاں سیں ☆ کب کا وو ☆ خاک ہو چکا ہے	☆ سے ☆ وہ
اب دل کو ڈھونڈتے ہو؟ اب دل کہاں ہے ہم میں	
جب دل کے آستاں پر عشق آن کر پوکارا ☆	☆ پکارا
پردے سے یار بولا بیدلؔ کہاں ہے ہم میں	

بیدلؔ کے چوتھے شعر کے مضمون سے راقم الشکور کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہُوا کہ عجب نہیں بیدلؔ کی یہ غزل غالبؔ کے مطالعے میں آئی ہو۔ بدایں دلیل کہ:

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا	کریدتے ہو جواب راکھ جستجو کیا ہے

غالبؔ کا یہ شعر بیدلؔ کے شعر کا من و عن نقشِ ثانی ہے۔ واللہ اعلم!۔

اُردو زبان میں ایک غزل کہنا بیدلؔ کے لیے کوئی قابلِ فخر بات نہیں ہے۔ اُن کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اُنہوں نے ایک عہد کے ذوقِ شعروادب کی تہذیب کی۔ فارسی کے عظیم شاعر ہونے کے ساتھ بیدلؔ کو اُردو زبان کے محسنِ اعظم ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اُن کے مدرسۂ کمال سے تربیت پا کر ایسے عظیم الشان شاگرد اُٹھے جن کا شمار قصرِ شعر وادبِ اُردو کے اوّلیں معماروں میں ہوتا ہے۔ اُردو کے حوالے سے شاگردانِ بیدلؔ میں بالخصوص شاہ سعد اللہ گلشنؔ اور سراج الدین علی خان آرزوؔ ممتاز ہیں۔ اِن بزرگوں کے اثرات، اُردو زبان وشاعری پر نہایت گہرے، بارآور اور دُور رس ثابت ہُوئے۔

اُردو شاعری کی تاریخ میں شاہ گلشنؔ کا یہ مقام ہے کہ اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان

شاعر ولی دکنی، شاہ گلشن کی عطا کردہ غزل کو اپنے لیے باعثِ اعزاز و برکت سمجھتے ہوئے اپنے دیوان میں شامل کرتے ہیں۔ اور یہ غزل آج تک ولی دکنی کے متداول دیوان کا حصہ ہے۔ متذکرہ بالا غزل نو (۹) اشعار پر مشتمل ہے۔ اس غزل کا مطلع، ایک شعر اور مقطع درج ذیل ہے۔

خوبیِ اعجازِ حسنِ یار گر انشا کروں
بے تکلّف صفحۂ کاغذ ید بیضا کروں
رات کوں آؤں اگر تیری گلی میں اے صنم
زیورِ لب ذکرِ ''سبحان الذی اسریٰ'' کروں
آرزو دل میں یہی گلشن کے ہے مرنے کے وقت
سرو قد کوں دیکھ سیرِ عالمِ بالا کروں

ولی نے مقطع کو اس طرح اپنایا ہے'' آرزو دل میں یہی ہے وقت مرنے کے ولی''۔

آج سے تقریباً تین سو (۳۰۰) سال قبل کہی جانے والی اِس غزل میں شستگیِ زبان قابلِ لحاظ ہے۔ شاہ گلشن کا انتقال ۱۱۴۰ھ میں ہوا۔ شاہ سعدُ اللہ گلشن شاعری میں ولی دکنی کے اُستاد تھے اور شاہ گلشن کے اُستاد میرزا عبدُ القادِر بیدِل تھے۔ یعنی بہ اعتبارِ نسبِ تلمذ بیدِل، ولی دکنی کے دادا اُستاد ہیں۔ اِس طرح بیدِل اُردو شاعری کے جدِّ امجد قرار پاتے ہیں۔ ''اپنے رسالہ ''نورِ معرفت'' کے اختتام پر ولی لکھتے ہیں:

''مصنّف این عبارت کہ بہ یُمنِ ثناء پردازیِ بزرگاں بہ خطاب ولی سرفراز است واز شاگردی زبدۃ العارفین حضرت شاہ گلشن ممتاز'' (''کلیاتِ ولی'' مرتبہ نور الحسن ہاشمی۔ صفحہ ۳۰)

ڈاکٹر جمیل جالبی ''تاریخِ ادبِ اُردو'' میں لکھتے ہیں ''شاہ گلشن کی اہمیت یہ ہے کہ اُنہوں نے ولی دکنی کو یہ مشورہ دیا تھا کہ ''یہ تمام فارسی مضامین جن سے اب تک کسی نے کام

نہیں لیا، اپنے ریختہ میں کام میں لاؤ'' اِس مشورے میں ولی دکنی کو ایک دُنیائے معانی نظر آئی اور اِس کے زیرِ اثر اُنہوں نے نہ صرف فارسی شاعری کے تنوّع کو اپنی شاعری میں سمویا بلکہ صنائع بدائع، تراکیب وبندش، رنگینی وسرمستی اور تصوّف واخلاق کے مضامین بھی اپنی غزل میں باندھ کر، فارسی شُعرا کے انداز پر اُردو میں اپنا دیوان مرتّب کیا، جس نے شمالی ہند کے شُعرا کی پہلی نسل کو اِس طور پر متاثر کیا کہ اُردو شاعری کی باقاعدہ روایت کا آغاز ہو گیا''۔

''اِن (شاہ گلشن) کی اصل اہمیت یہ ہے کہ اُنہوں نے ولی دکنی میں وہ شعور پیدا کیا، جس نے ولی کی شاعری کا وہ رنگ، لہجہ اور طرز متعین کیا جس پر چل کر اُردو غزل نے اپنی روایت قائم کی''۔

بیدل کے دُوسرے شاگردِ رشید، سراج الدین علی خان آرزو کے اُردو پر احسانات کا اعتراف محمد حسین آزاد جیسی بیدل مخالف شخصیت نے بھی نہایت پُرجوش اُسلوب اور بُلند الفاظ میں کیا ہے۔ آزاد ''آبِ حیات'' میں لکھتے ہیں:

''خان آرزو کو اُردو زبان پر وہی دعویٰ پہنچتا ہے جو کہ ارسطو کو فلسفہ ومنطق پر ہے۔ جب تک کُل منطقی ارسطو کے عیال کہلائیں گے، تب تک اہلِ اُردو خان آرزو کے عیال کہلائیں گے۔ اُن کے باب میں اِسی قدر لکھنا کافی ہے کہ خان آرزو وہی شخص ہیں جن کے دامنِ تربیت سے ایسے شائستہ فرزند پرورش پا کر اُٹھے جو زبان اُردو کے اصلاح دینے والے کہلائے اور جس شاعری کی بُنیاد جگت اور ذُومعنی لفظوں پر تھی، اُسے کھینچ کر فارسی طرز اور ادائے مطالب پر لے آئے یعنی مرزا جان جاناں، مرزا رفیع، میر تقی میر خواجہ درد وغیرہ''۔

نُدرتِ بیان کا خدا، نادر و تازہ تراکیب واسالیبِ نو کا پروردگار، تخیّل کا بادشاہ، مجرّد کو مجسّم اور غیر محسوس کو محسوس بنا دینے والا، آفتاب جہل سوز وعلم تاب، سبکِ ہندی کا آخری اور سب سے بڑا شاعر! ابو المعانی میرزا عبدالقادر بیدل، بروز جمعرات چار صفر ۱۱۳۳ھ

مطابق ۲۴ نومبر ☆ ۱۷۲۰ء میلادی کو بعمر اُناسی (۷۹) سال دہلی میں راہیِ ملکِ بقا ہُوا۔

''بیدلؔ کی وفات دارالخلافہ دہلی کا ایک معمولی سانحہ نہ تھی۔ اُمراء، شُعراء اور عوام الناس میں ایک تہلکہ رُونما ہو گیا۔ سب لوگ اِس بلند شخصیت والے انسان کو ہاتھوں سے کھو کر سخت غم زدہ تھے، جو علم و فضل، حکمت و تصوّف، شعر و ادب، اخلاق و کردار کی اُن تمام روایات کا زندہ پیکر تھا، جو شجاعت و ہمت میں رُستمِ زماں تھا، جذب و شوق کے اعتبار سے بایزیدِ وقت، مسائلِ تصوّف کو زبانِ شعر میں بیان کرنے کے لحاظ سے اپنے عہد کا سنائیؔ، فارسی زبان کا ابن العربیؔ، زبان پر قدرت رکھنے کے اعتبار سے خاقانیؔ دوراں، حسنِ بیان میں سعدیؔ زماں، درد و سوز سے حافظؔ کی طرح لبریز، لطافتِ ذوق کے لحاظ سے بے مثل و بے نظیر، استغناء اور کردار کی بلندی کے خیال سے حُکمائے یونان کا مثیل، دِقتِ نظری میں فکرِ ہندی کا بروز اور رومیؔ کی طرح للہیّت کا زندہ نمونہ تھا۔ اور پھر اِن تمام صفاتِ عالیہ اور عظمت کے باوجود نہایت ہی منکسرُ المزاج، امیر و غریب کا غم گسار، محتاجوں اور مسکینوں کا ہمدرد، مسلم اور ہندو کا دوست''۔ (اقتباس از ''رُوحِ بیدلؔ'' صفحہ ۱۰۵)

بیدلؔ کے شاگرد بندرابن داس خوشگو نے وفاتِ بیدلؔ کی دو تاریخیں کہیں، ایک مادۂ تاریخ یہ ہے:

''یوم پنج شنبہ چہارم ماہ صفر'' = ۱۱۳۳ھ

اور ایک مندرجہ ذیل رُباعی:

افسوس کہ بیدلؔ از جہاں رُوئے نُہفت
واں جوہرِ پاک در تہِ خاک بخفت
خوشگو چو زعقل کرد تاریخ سوال
''از عالم رفت میرزا بیدلؔ'' گفت
۱۱۳۳ھ

غالباً اب تک کسی نے عیسوی تقویم کے مطابق بیدلؔ کی تاریخِ وفات نہیں کہی ہے، اس لیے راقمُ السطور رقیم حامد علی ۲۰۰۱ء میں یہ فرضِ کفایہ ادا کرتا ہے۔ مصرعِ تاریخ مندرجہ ذیل ہے۔

''بیدل والا گہر، آئینہ دل، رخصت ہوئے'' = ۱۷۲۰ء

اِس مضمون میں مزارِ بیدلؔ کے بارے میں لکھنا مَیں نے مناسب نہیں سمجھا اِس لیے کہ یہ مسئلہ متنازع ہے اور اس سلسلے میں مزید ایک سوال پیدا ہُوا ہے۔ڈاکٹر عبدالغنی ''رُوحِ بیدلؔ'' میں لکھتے ہیں۔''اِس موقع پر مزار پر جو کتبہ لگوایا گیا تھا اُس کی عبارت حسبِ ذیل ہے:

(مرقد عبدالقادر بیدلؔ تاریخ وفات ۳ صفر ۱۱۳۳ھ اِس کی ضروری تعمیر و ترمیم اعلیٰ حضرت پر نور آصف جاہ سابع دکن کی توجہات شاہانہ سے ۱۳۵۹ھ میں کرائی گئی)

''بہارِ ایجادیِ بیدلؔ'' میں شامل مرقدِ بیدلؔ کی تصاویر میں کتبہ نمایاں ہے اور اُس کا مضمون پہلے کتبے کے مضمون سے قطعی مختلف ہے۔نئے کتبے کا مضمون مندرجہ ذیل ہے۔

''آرامگاہ میرزا عبدالقادر بیدلؔ۔۱۰۵۴ھ ق۔۱۱۳۳ھ ق۔ایں بنا در سال ۱۳۷۴ھ ق با اِعانت دوستداران افغانی بیدلؔ بسر رسید۔''

سوال یہ ہے کہ صرف پندرہ (۱۵) سال میں اِسقدر بنیادی تبدیلی کے کیا اسباب ہیں؟۔مزارِ بیدلؔ کے محلِ وقوع کے بارے میں گو مختلف آراء پائی جاتی ہیں لیکن بیدلؔ کا دہلی میں مدفون ہونا ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے!۔

بیدلؔ کی سیرت کا تنوّع، حالاتِ زندگی کی وُسعت اور کثیرُ الجہت کارناموں کا اِحاطہ کرنا اِس مختصر مضمون میں ممکن نہیں، سفینہ چاہیے اِس بحرِ بے کراں کے لیے!۔

لیکن مَیں نے کوشش کی ہے کہ اِس مضمون کے ذریعے بیدلؔ کی شخصیت وسیرت کا ایسا نقش پیش کروں جو ہماری نسلِ نو کے ذہن ودل میں اِس منفرد اسلوب ومضامین کے شاعرو معلّمِ اخلاق کے مطالعے کا شوق پیدا کر دے۔اِس لیے کہ اپنے اسلاف کے خزانۂ علم وادب سے استفادہ کیے بغیر ہمارے قومی تشخص وادب کی تشکیل ممکن نہیں!۔

مَیں نے اِس مضمون کو جا بجا حوالوں سے بوجھل کرنا مناسب نہیں سمجھا، لیکن اِس کا مواد مستند و معتبر مراجع سے ماخوذ ہے۔ یہ عجب اتفاق ہے، آج کہ میں اِس مضمون کی آخری سُطور لکھ رہا ہوں، عیسوی تقویم کے مطابق بیدؔل کی دوسو چوراسویں (۲۸۴) برسی ہے۔

آسماں اُس کی لحد پر شبنم افشانی کرے

✿

مراجع: ۱- سفینۂ خوشگو (دفتر ثالث) تذکرۂ شُعراے فارسی تالیف: بندرابن داس خوشگو- تاریخ اشاعت: مارچ ۱۹۵۹ء- مرتبہ: سید شاہ محمد عطا الرحمٰن عطاؔ کاکوی ام، اے- بی، ال پروفیسر شعبۂ فارسی اِدارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ، بہار۔

۲- تاریخ ادبِ اُردُو (جلد دُوم) تالیف: ڈاکٹر جمیل جالبی- ناشر: مجلس ترقیِ ادب، لاہور۔

۳- رُوحِ بیدؔل- تالیف: ڈاکٹر عبدالغنی- طبع اوّل: جولائی ۱۹۶۸ء- ناشر: مجلس ترقیِ ادب، لاہور۔

۴- فیضِ بیدؔل- تالیف: ڈاکٹر عبدالغنی- طبع اوّل: جون ۱۹۸۲ء- ناشر: مجلس ترقیِ ادب، لاہور۔

۵- حیرت زار- تالیف: سید شاہ محمد عطا الرحمٰن عطاؔ کاکوی ام، اے- بی، ال پروفیسر شعبۂ فارسی اِدارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ، بہار- اشاعتِ ثانی: جنوری ۱۹۸۱ء۔

۶- کلیاتِ ولی- مرتبہ: نورالحسن ہاشمی پہلا اکادمی ایڈیشن: ۱۹۸۹ء۔

۷- آبِ حیات- تالیف: شمس العلماء مولانا محمد حسین آزادؔ- سالِ اشاعت: ۱۹۶۲ء، ناشر: رام نرائن لال بینی مادھو، پبلشر و بک سیلر، ۲- کٹرہ روڈ، الہ آباد۔

۸- مرزا عبدالقادر بیدؔل- (سیمینار میں پیش کیے گئے مقالات کا مجموعہ) مرتب: سید اطہر شیر- سنِ اشاعت: ۱۹۸۲ء- ۱۴۰۲ھ ناشر: اِدارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ، بہار۔

سرپرست واساتذہ بیدلؔ

بیدلؔ اپنے شیوخِ رُوحانی اور اساتذہ و محسنین کا ذکر کثرت واحترام اور جذبۂ امتنان سے کرتے ہیں۔اس لیے میں ضروری سمجھتا ہوں کہ اُن کے بارے میں کسی قدر تفصیل سے لکھ کر اُن مبارک نفوس کے کارناموں کو محفوظ و نمایاں کروں ، جن کے معجزانہ طریقۂ تعلیم وتربیت نے بیدلؔ جیسے الماسِ نادر کو اس طرح تراشا کہ دیکھنے والوں کے ذہن وچشم ودل منور ہو گئے۔

(۱) میرزا قلندر

اساتذہ بیدلؔ میں اُن کے چچا میرزا قلندرؔ سرِ فہرست ہیں۔انہوں نے بیدلؔ کے والدین کی وفات کے بعد بھتیجے کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا حق بطرزِ احسن ادا کیا۔میرزا قلندرؔ اوصافِ حمیدہ و سیرتِ پسندیدہ رکھتے تھے۔باوجود اُمّیِ محض ہونے کے، اُن کے دل میں حصولِ علم کا شوق اور اہلِ علم کی عزّت تھی۔وہ اہلِ شریعت اور طریقت کے اوضاع واحوال کے والہ و شیفتہ تھے۔سلیم الطبع، شائستہ فطرت میرزا قلندرؔ مجالسِ اہل اللہ میں عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔بیدلؔ ''چہار عنصر'' میں اُن کا ذکر نظم ونثر میں بہت والہانہ انداز سے کرتے ہیں۔ایک جگہ فرماتے ہیں۔''نشاءِ مروّت، جوہرِ فتوّت، شجاعِ صفدر، مرزا قلندر:

محیطِ استقامت را نہنگے		بیابانِ شجاعت را پلنگے

بیدلؔ ایک مقام پر سیرتِ میرزا قلندر، اشعارِ نغز میں یوں بیان کرتے ہیں۔

وفا! قفسہ غیرتِ ساغرش		حیا! موجِ کیفیّتِ گوہرش
جواں مردی! آئینہ ذاتِ او		مروّت! صفا خیزِ مرآتِ او
معانی اسیرِ فلاطو نیش		سخن محوِ نیرنگِ موزونیش

ولے اُمّی از کسبِ فضلِ عوام		بفیضِ ازل، محرمِ ہر کلام
زہے اُمّتِ خاتمُ المرسلین		فضائل، زادارکِ اُو خوشہ چین

میرزا قلندرؔ کے احسانات اور اپنے جذبۂ احسان مندی کو بیدلؔ پُر جوش اُسلوب اور بلند الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ یہ بیان جہاں میرزا قلندرؔ کے مقامِ رفیع کا اعتراف ہے، وہاں بیدلؔ کی عالی ظرفی کو بھی نمایاں کر رہا ہے۔ وہ ''چہار عنصر'' میں لکھتے ہیں۔

''تربیتِ فقیر بیدلؔ بعد از رحلتِ والد مرحوم تا ادراک نشاءِ بلوغ، بعُہدہ التفاتِ خود داشت وبا شفاق رُبوبیت در تعلیم مراتبِ آداب وتدریس معانیِ اخلاق، توجۂ کمال ی گماشت۔ قطع نظر از عرض دیگر فوائد، لمعہ نظمے کہ اِمرُوز رونق فزاے کانونِ تخیّل است، از پرتوِ آفتابہاے طبع خداداد اُوست''۔

میرزا قلندرؔ شعر گوئی کی صلاحیت رکھتے تھے۔ ایک دن آشوبِ چشم کی وجہ سے آنکھوں پر زرد رنگ کی پٹی بندھی دیکھ کر اُن کے ایک دوست نے سبب پوچھا تو فی البدیہہ فرمایا:

چشم چہ گند ہو چشمِ تو اش از نظر انداخت		محرومیِ دیدارِ تو، خون در جگر انداخت

میرزا قلندرؔ کی وفات پر بیدلؔ نے دل دوز قطعہ تاریخ وفات کہا۔ قطعہ مندرجہ ذیل ہے:

محیطِ لطف و کانِ مہربانی		سپہسالارِ دیں مرزا قلندر
سخاوت را ز دستش دُرفشانی		شجاعت را بہ نیزِ ویش مباہات
نُجودِ اعتراف ناتوانی		بجبِ صولتِ اُو، سام و رُستم
بعشرت کرد عمرے زندگانی		درین حرمان سراے کلفت انجام
بطبعِ رنگ و بو، دارد خزانی		بحکمِ آن کہ در ہر جا بہاریست
فنا شد بحث پیری و جوانی		ورق گرداند آخر نسخہ عمر
چو موگان منقطع شد پرفشانی		زعبرت گاہِ امکان چشم پوشید
نفس زد غوطہ در بحرِ معانی		پےِ تحقیق تاریخ وصالش

بگوشِ ہوشم آخر ہاتفے گفت:		''قلندر یافت وصلِ جاودانی''
		۱۰۷۶ھ

(۲) مولانا شیخ کمالؔ

مولانا شیخ کمالؔ میدانِ شریعت وتصوّف کے شہسوار تھے۔آپ کی مبارک شخصیت سے ''بہار'' میں سلسلہ قادریہ کو فروغ حاصل ہُوا۔شیخ کمالؔ دُنیا سے بے نیاز اور مِحفلِ فقر کے مسند نشین تھے۔بیدلؔ کے والد اور چچا، شیخ کمالؔ کے مرید وتربیت یافتہ تھے۔خوشگو لکھتے ہیں کہ شیخ کمالؔ شعر گوئی میں بیدلؔ کے اُستاد تھے۔بیدلؔ بصد فخر خود کو شیخ کمالؔ کا شاگرد کہتے تھے۔''چہار عنصر'' میں شیخ کمالؔ کا ذکر بیدلؔ والہانہ جوش سے کرتے ہیں۔

صافیِ گوہرِ دریائے یقیں		رونقِ انجمنِ شرعِ مبیں
ہادیِ عالمِ فیضِ توفیق		خضرِ سر چشمہ رمزِ تحقیق

''آئینہ حقائق تمثال شیخ کمالؔ، آوازۂ سلسلہ قادریہ از رسائی قُدرتش مشتہر، گردون کمندی و پایۂ مدارج سُلوک باستقامتِ ہمتش مفتخر۔سربلندیِ حقیقتِ اخلاق از آئینہ سیمابش چون نور از آفتاب روشن و معنیِ عظمت از نسخہ سراپایش چون رفعتِ افلاک مبرہن، ہم در آدابِ قواعدِ شریعت نسقِ زمانہ وہم در علوِ ارشادِ طریقت اُستادِ یگانہ''

بورگیہا خیالِ فضلِ نامش		کمال اندیشۂ تعظیم نامش
شرائع را ز اعمالش کرامات		حقائق را با اقوالش مباہات
تنزّہ جوہر اعراضِ نمودت		تقدّس نقشِ مرآتِ شہودش

پٹنہ (عظیم آباد) سے ساٹھ (۶۰) میل مغرب میں واقع ''رانی ساگر'' میں شیخ کمالؔ کا قیام تھا۔شیخ کی نسبت سے بیدلؔ ''رانی ساگر'' کو مدینۃ الاولیاء کہتے تھے۔

(۳) شاہ مُلوکؔ

تاج اربابِ فقر شاہ مُلوک		بے نیازِ جہانِ رسمِ سُلوک

بیدلؔ کے اساتذۂ معنوی میں شاہ مُلوکؔ مقامِ رفیع کے حامل ہیں۔شاہ مُلوکؔ مجذوب برہنہ تن تھے۔اُن کا قیام ''رانی ساگر'' کے قریب ''سرائے بنارس'' میں تھا۔میرزا قلندرؔ جب بھی ''رانی ساگر'' تشریف لاتے، شاہ مُلوکؔ اُن سے ملاقات کے لیے آتے اور ہفتوں ساتھ قیام کرتے۔

شاہ مُلوکؔ، بیدلؔ پر بطورِ خاص توجّہ فرماتے تھے۔شاہ صاحب تنہائی میں محوِ خودکلامی رہتے اور لوگوں کے سامنے خاموشی اختیار کرتے۔بیدلؔ اُن کی خودکلامی بہت غور سے سُنتے تھے۔

بیدلؔ کی یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن فرمایا کہ جو کچھ میری زبان سے نکلے اُسے تحریر کرتے جاؤ۔بیدلؔ تین شب و روز اُن کے فرمودات تحریر کرتے رہے۔زبان حقیقت ترجمان سے، کلام مصرعوں میں ڈھل رہا تھا۔اِس طرح تقریباً چالیس (۴۰) شعر فراہم ہُوئے، شاہ مُلوکؔ اشعار کی تشریح بھی فرمارہے تھے۔بیدلؔ ''چہار عُنصر'' میں لکھتے ہیں:

''ہر مصرعہ آنقدر معارف از طبعیش مسلسل می تراوید کہ مُدرِکہ در فہم مراتب آں سراسیمہ می گردید...... چوں اکثرش مصطلحات ہندو، اقسام لُغات رنگِ ریختہ بُود، درین صفحات کہ ذیل مراتبِ فارسی است، مصلحت در تحریر نکشود۔

با ہمہ شوخی، مقیم نیمۂ ہائے راز ماند		اے بسا معنی کہ از نامحرمی ہائے زباں
ہر قدر بے پردہ شد، در پردہ ہائے ساز ماند		نغمہ ہا بسیار بود امّا ز جہلِ مستمع

بیدلؔ اعتراف کرتے ہیں کہ اُن کا شعلۂ بیان، شاہ مُلوکؔ کے نفسِ تپاں کا زیر بار احسان ہے۔

(۴) شاہ یکہ آزادؔ

بیدلؔ کے شیوخِ رُوحانی میں شاہ یکہ آزادؔ تجرید بر شت و مردِ میدانِ عرفان تھے۔ شاہ آزادؔ کا ذکر بیدلؔ بہت عقیدت و جوش سے کرتے ہیں:

"سرخوشِ صہبائے خمستانِ فطرت، رنگینیِ گلہائے بہارستانِ معرفت، آگاہ بے نسخۂ کون و فساد، سروِ ریاضِ معنوی شاہ یکہ آزاد:

ادا فہمِ رموزِ بے نیازی		حقیقت بینِ نیرنگِ مجازی

شاہ آزادؔ سے بیدلؔ کی ملاقات "آرہ" میں ہوئی۔ بیدلؔ، میرزا قلندرؔ کے ساتھ شاہ آزادؔ کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے تھے۔ شاہ آزادؔ کے احوال حیرت انگیز ہیں، وہ بیدلؔ پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ شاہ آزادؔ کی تربیت نے بیدلؔ کو اعلیٰ رُوحانی مدارج طے کرائے۔

ایک دن شاہ آزادؔ بہت گرم دوپہر میں بیدلؔ کی اقامت گاہ پر تشریف لائے۔ بیدلؔ نے پُر تپاک و نیاز مندانہ استقبال کیا اور دیر تک شاہ آزادؔ کو پنکھا جھلتے رہے۔ اِس خدمت سے شاہ آزاد مسرور ہوئے اور بیدلؔ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

"اے تشنۂ مینائے اخلاص، عنقریب از ریشۂ فطرتت نہالے قامت آراید و از ہیولائے استعدادت، پیکرے بظہور آید کہ ہمتِ عالی نگاہان از فہمِ کیفیتش استمداد نماید" مزید فرمایا: میری زندگی کے دن کم رہ گئے ہیں، میری وصیت ہے کہ اِن اشعار پر تامُّل کرتے رہنا۔ اور "مثنوی معنوی" کے مندرجہ ذیل اشعار سنائے:

این توئی ظاہر کہ پنداری توئی		ہست اندر توئی تو، از بے توئی
اُو بتو ہست اما نہ این تو کہ تن است		آن توئی کان برتر از ما و من است
توی تو در دیگری آمد دفین		من غلام مردِ خود بین چنین

(۵) شاہ فاضلؔ

بیدؔل کے شیوخ و اساتذہ میں شاہ فاضلؔ بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔شاہ فاضل علمِ بیان میں بے مثال، علمِ تفسیر میں باکمال اور علمِ حدیث میں صاحبِ اختصاص تھے۔اُن کو ما بعد الطبیعیات میں بھی امتیاز حاصل تھا۔شاہ فاضلؔ کا اُسلوبِ گفتگو نہایت شائستہ اور شرح معانی عرفان کا اندازِ بیان قدرت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔

شاہ فاضلؔ سے اکتسابِ علم کرکے، بیدؔل کو تکمیل وتربیتِ انسان کے لیے اُستاد و مرشد کی ناگزیریت کا اِدراک ویقین حاصل ہوا۔بیدؔل کے چچا میرزا قلندرؔ اور شاہ فاضلؔ میں خاص نوعیت کا اتحادِ ذہنی و رُوحانی تھا۔دونوں بزرگ اپنا زیادہ وقت ساتھ گزارتے تھے۔شاہ فاضلؔ کی خدمت میں بیدؔل کو میرزا قلندرؔ نے پیش کیا تھا۔شاہ فاضلؔ کے بارے میں بیدؔل لکھتے ہیں:

"نہنگِ طوفان آشام محیطِ اسرار، پلنگِ معانی صید وادیِ افکار، کوہِ ساحلِ نقاب، دریا دل، نشاء فضلِ معنوی شاہ فاضل۔بناے سلسلۂ سُلوکش بر دوش جذباتِ آلہی و غلغلۂ دوامِ فقرش، سرکوبِ پنج نوبت اقتدار شاہنشاہی۔الحاصل امواجِ محیطِ کرامتش را تلاطُم بے کران بود، حباب فطرتے بیدؔل بقطرہ وار قناعت نمود"۔

تماشائیِ بزمِ نیرنگِ دل		طرب ساغرِ گردشِ رنگِ دل
چو کوہرز امواجِ معنی کمند		بفتراکِ دل بستہ پست و بلند
جہان گوشۂ طرفِ دامانِ او		فلک تکمۂ از گریبانِ او

(٦) شاہ قاسمؔ ھو اللّٰہی

قُطبُ الاقطاب شاہ قاسمؔ ھو اللّٰہی، بیدؔل کے رُوحانی مرشد اور اُستادِ سخن تھے۔بیدؔل اپنا کلامِ نظم ونثر شاہ قاسمؔ کی خدمت میں اصلاح کے لیے پیش کرتے تھے۔شاہ قاسمؔ سے بیدؔل کی پہلی ملاقات "کٹک" میں اُن کے ماموں میرزا ظریفؔ کی معیّت میں ہوئی۔حقیقتاً کشفِ باطنی سے بیدؔل

کی کیفیاتِ قلب وموزونیِ طبع سے آگاہ ہوکر، شاہ قاسمؔ از خود بیدلؔ کی طرف متوجہ ہُوئے تھے۔

شاہ قاسمؔ عُلومِ ظاہری وباطنی کے مرتبہ کمال پر فائز تھے اور اُن کو تفسیرِ قرآن کی الہامی صلاحیت عطا ہوئی تھی۔شاہ قاسمؔ کی خواہش پر بیدلؔ نے فرید الدین عطارؔ کے ''تذکرۃ الاولیاء'' سے اکابر صوفیاء کے ملفوظات پر مشتمل ایک رسالہ مرتب کیا اور اُس پر منظوم دیباچہ لکھا۔دیباچہ کے اشعار کی تعداد باسٹھ (۶۲) تھی۔شاہ قاسمؔ کو یہ دیباچہ اِسقدر پسند آیا کہ اُنہوں نے شاہ نعمت اللہ فیروز پوری کو بقلمِ خود لکھ کر بھیجا۔شاہ قاسمؔ کی وفات پر بیدلؔ نے مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ لکھا:

شہِ سریرِ یقیں قاسمِ ہو اللّٰہی		کہ داشت ذاتِ حقش ملک انتظام صفت
دماغ ہمتِ عنقا کشش رسائی کرد		پرے فشاند ز آشوب گاہ دام صفت
حضورِ ذات، مئے شوق وحدتش پیمود		تغافلے زد و برہم شکست جام صفت
بعافیت کدۂ غیب بُرد شمع شہود		رساند تا احدیّت پئے خرام صفت
زسالِ واقعہ اش، بے خودی بگوشم گفت		ز ''بے تعینیِ ذات'' رفت نام ''صفت''

(''بے تعینیِ ذات''=۱۶۵۳ ''صفت''=۵۷۰ ۱۶۵۳-۵۷۰=۱۰۸۳ھ)

(۷) نواب عاقل خاں رازیؔ

بیدلؔ کے اساتذہ اور سرپرستوں میں ایک اہم ونمایاں شخصیت نواب عاقل خاں رازیؔ کی ہے۔عاقل خاں رازیؔ کا نام میر محمد عسکریؔ ہے،وہ ''خواف'' (واقع خُراسان) کے ممتاز و نامور سادات میں سے تھے۔عاقل خاں رازیؔ، شاہ بُرہان الدین راز الٰہی کے ارادت مند تھے اِس لیے تیمّناً رازیؔ تخلّص اختیار کیا۔

عاقل خاں رازیؔ شریعت وطریقت کے جامع، بُلند مقام صوفی اور رُموز و معارفِ ''مثنوی

معنوی" کے صاحبِ اختصاص تسلیم کیے جاتے تھے۔اُن سے مندرجہ ذیل تصانیف یادگار ہیں۔

۱	نغماتِ عشق	۳	مرقع
۲	شمع و پروانہ	۴	ثمرات الحیات

اورنگ زیب عالمگیر کے دربار میں نواب عاقل خاں رازؔی اعتماد واقتدار سے بہرہ مند اور، اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ شہزادگی سے اُن کے قابلِ اعتماد اُمراء میں شمار ہوتے تھے۔عالمگیر مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے دکن روانہ ہُوئے تو عاقل خاں رازؔی کو دہلی کا حاکم مقرر کیا۔اُنھوں نے اپنے حسنِ انتظام سے دہلی میں بے مثال امن قائم کیا۔

بیدؔل اور عاقل خاں رازؔی کی پہلی ملاقات ۱۰۷۶ھ میں ہُوئی۔عاقل خان رازؔی بلا کے مردُم شناس تھے، پھر بیدؔل کی جگمگاتی شخصیت!۔پہلی ہی ملاقات میں طرفین نے ایک دُوسرے کے لیے خاص قسم کی کشش محسوس کی۔نتیجتاً اُن کے درمیان ایسے تعلقات کی بنیاد پڑی کہ تین صدیاں گزرنے کے بعد بھی اُن کی مثال دی جاتی ہے۔

چوبیس (۲۴) سال کی عمر میں بیدؔل نے اپنی مثنوی "محیطِ اعظم"، مکمل کی ،مثنوی اور اپنی منتخب غزلیں عاقل خاں رازؔی کی خدمت میں بھیجیں۔اِس نذرِ خلوص نے اُن کے مابین تعلقات مزید مستحکم کیے۔۱۰۸۰ھ میں بیدؔل نے اپنی دُوسری مثنوی "طلسمِ حیرت" تصنیف کی تو اُس کا انتساب ہی عاقل خاں رازؔی کے نام کیا۔

خوشگو کا بیان ہے کہ بیدؔل تصوّف اور شاعری میں عاقل خاں رازؔی سے فیضیاب ہُوئے تھے۔عاقل خاں رازؔی اُن کے کلام کی تحسین فرماتے تو بیدؔل کھڑے ہو کر آداب بجا لاتے۔بیدؔل اُن کا بے حد احترام کرتے تھے اور یہ احترام نواب عاقل خاں رازؔی کی دُنیوی وجاہت کا نہیں، بزرگی علم و فضل کا اعتراف تھا۔

عاقلؔ خاں رازؔی اور بیدؔل کے تعلّقات کی گہرائی سمجھنے کے لیے ''رُقعاتِ بیدؔل'' سے بہت مدد ملتی ہے۔ ''رُقعاتِ بیدؔل'' مطبوعہ مطبع نول کشور میں اُن کے نام گیارہ (۱۱) خطوط ہیں، طرزِ تخاطب سے ظاہر ہوتا ہے کہ سعادت مند شاگرد اپنے اُستاد سے مخاطب ہے۔ بیدؔل کے تعلّقات عاقلؔ خاں رازؔی ہی سے نہیں، اُن کے تمام خانوادے سے تا حیات قائم رہے۔

نواب عاقل خان رازی کے فرزند قیُّوم خاں فدائؔی، داماد نواب شکراللہ خاں خاکسارؔ، نواسے (ابنائے شکراللہ خاں) میر لطف اللہ خاں شکراللہ خاں ثانی، شاکر خاں اور کرم اللہ خاں، دُودمانِ عاقلؔ خاں رازؔی کے یہ افراد اپنے عہد کے میدانِ شعروادب وسیاست میں نمایاں واہم مقام رکھتے تھے۔ لیکن یہ تمام شخصیات بیدؔل سے تعلّق کو باعثِ اعزاز اور اُن کی خدمت کرنا اپنے لیے وجہِ افتخار تصوّر کرتی تھیں۔

عاقلؔ خاں رازؔی کا انتقال ۱۱۰۸ھ میں ہُوا۔ بیدؔل نے پُرسوز قطعہ تاریخ لکھا جس کے ہر مصرع سے تاریخِ وفات نکلتی ہے۔ قطعہ مندرجہ ذیل ہے:

وائے پیوندِ سخن سنجاں نماند = ۱۱۰۸ھ
تکیہ گاہِ صاحبِ عرفاں نماند = ۱۱۰۸ھ
رفت از آفاق لطفِ عدل وداد = ۱۱۰۸ھ
برکتِ دیں، قُدوۂ انساں نماند = ۱۱۰۸ھ
قُطبِ اقطابِ حقایق بار بست = ۱۱۰۸ھ
سالکے در کشورِ امکاں نماند = ۱۱۰۸ھ
مجمعِ اسناد بے شیرازہ شد = ۱۱۰۸ھ
رابطِ اِقلیمِ ہندستاں نماند = ۱۱۰۸ھ

ہادیِ انوارِ لطف از دیدہ رفت = ۱۱۰۸ھ
مہدیِ جم جاہ عاقل خاں نماند = ۱۱۰۸ھ

نواب عاقل خان رازیؔ کی غزل کا ایک شعر اور مثنوی ''شمع و پروانہ'' کے چار شعر کشن چند اخلاص کے تذکرے ''ہمیشہ بہار'' سے دستیاب ہوئے ہیں جو تبرّ کا پیش کیے جاتے ہیں:

تنہا نشستہ ایم و طلبگار چوں خودیم
مکتوبِ اشتیاق بعنقا نوشتہ ایم

''شمع و پروانہ'' کے بارے میں صاحبِ تذکرہ ''ہمیشہ بہار'' لکھتے ہیں۔ ''شمع و پروانہ'' کہ داستانِ عشق رتنؔ و پدماوتؔ است می سراید:

رازیا! در جہاں بروئے زمیں		نہ رتنؔ ماند و نے علاؤ الدیںؔ
نہ پدمؔ ماند و نے جمالِ پدمؔ		برد باہم رتنؔ خیالِ پدمؔ
لیک از عشق داستانے ماند		زاں جفا پیشگاں نشانے ماند
اے بسا چوں رتنؔ بہندوستاں		آمد و رفت نیست نام و نشاں''

(۸) مولانا عبدُ العزیز عزّتؔ

شاہجہان آباد میں بیدلؔ کے اساتذہ میں نواب عاقل خاں رازیؔ کے بعد مولانا عبدُ العزیز عزّتؔ ہی کا نام آتا ہے۔ مولانا عزّتؔ، ملا عبد الرشید اکبر آبادی کے فرزند تھے۔ مولانا عزّتؔ عُلوم منقول و معقول میں منتہی، بے مثال انشاء پرداز، نغز گو شاعر اور اُمورِ سیاست و فُنونِ حرب میں صاحبِ اختصاص تھے۔

مولانا عزّتؔ ۱۰۸۰ھ میں عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہوئے اور ابتدا ہی میں پانصدی

منصب سے نوازے گئے۔ نہایت قلیل عرصے میں اُن کی بلند و معتبر شخصیت نے مغل شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کو اِس درجہ متأثر کیا کہ اُس نے مولانا عزّت کو عظیم مغل سلطنت کا وزیر اعظم بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن مولانا عزّت کی زندگی نے وفا نہ کی اور صرف اڑتالیس (۴۸) سال کی عمر میں بادِ اجل نے اُن کی زندگی کا چراغ گُل کر دیا۔

بیدلؔ اپنے اساتذہ سخن میں مولانا عزّت سے بالخصوص والہانہ عقیدت و شیفتگی رکھتے تھے۔ ''رُقعاتِ بیدلؔ'' میں مولانا عزّت کے نام بیدلؔ کے چار خط ہیں۔ مولانا عبدُ العزیز عزّت کی خدمت میں بیدلؔ اپنے کربِ جُدائی کو شعر میں یوں ظاہر کرتے ہیں:

زہے غفلت کز آں حضرت جُدا ایم
سزائش ایں کہ با خود مبتلا ایم

مولانا عزّت کی خوشنودیِ خاطر کے لیے بیدلؔ نے ایک خط اور ایک غزل، صنعتِ غیر منقوط میں لکھی۔ یہ غزل مضامین و لفظیات اور قدرتِ کلام کا موثر و دلکش نمونہ ہے۔ جب کہ کسی صنعت کو برتنے کے لیے کہا جانے والا کلام عموماً بے کیف ہوتا ہے۔ غزل مندرجہ ذیل ہے:

دل اگر محوِ مدّعا گردد		درد، در کامِ ما دوا گردد
طعمہ دردِ اگر رسد در کام		ہر مگس ہمسرِ ہما گردد
محوِ اسرارِ طرّہ اُو را		رگِ گُل، دامِ مدّعا گردد
گر رسد گالدِ وداعِ سلکِ ہوس		کوہ و صحرا ہمہ ہوا گردد
محو گردد سوادِ مصرعِ سرو		مدِّ آہم اگر رسا گردد
دلِ آسودہ کو مگر وسواس		گرہ آرد کہ دامِ ما گردد
در طلوعِ کمالِ بیدلؔ ما		ماہ در ہالہ سُہا گردد

مولانا عبدُ العزیز عزّت کی وفات پر بیدلؔ نے دو قطعاتِ تاریخ کہے۔ ایک

بارہ (۱۲) شعر کا اور ایک پانچ (۵) شعر کا۔ دونوں قطعے رثائی شاعری اور فنِ تاریخ گوئی کا شاہکار ہیں۔ ایک تاریخ میں بیدلؔ نے مولانا عزتؔ کی وفات کو چراغِ عالم کے بے نور ہو جانے سے تعبیر کیا ہے۔ دونوں قطعے مندرجہ ذیل ہیں:

آں شیخ فی الحقیقت آں ہادیِ طریقت
آں نورِ قُربِ مولا آں شمعِ دینِ خاتم
کز حق خطاب اُو بُود عبد العزیز عزتؔ
یعنی کمالِ عزت بر طینت مسلّم
در گلشنے کہ می رفت ذکرِ بہارِ خُلقش
بُوئے گل از خجالت می بست نقشِ شبنم
بیتاب ذرّهٔ اُو انوارِ مہرِ عظمت
مواج قطرهٔ اُو جوشِ محیطِ اعظم
در دیدهٔ تمنا ، لطفش فروغِ بینش
بر زخمِ بینوائی جُودش محیطِ اعظم
دستِ نوالِ اُورا ، در پلّهٔ کرامت
امواجِ صفحهٔ بحر، نقشے بروے در ہم
روشن سوادِ علمش، چوں نقطهٔ چشمِ اعمٰی
معنی بیانِ درسش ، چوں خط زبانِ ابکم
چون آفتابِ وحدت گردید جاذبِ اُو
پرواز کرد ازیں باغ بے بال و پر چوں شبنم

بخشی تغافلے بُود در ، درسگاہِ ہستی
آخر ز دفتر عمر چشمے نہاد بر ہم
لب بست و درسِ تحقیق از صفحۂ فنا خواند
کاین معنیِ مگو را ، خاموشی است محرم
چشمِ وفا پرستاں شد داغ رفتنِ اُو
آئینہ است و حیرت تمثال چون گندرم
بیدلؔ ز دل طلب کرد تاریخ رحلتِ اُو
آمد ندا کہ بر دند ''نور'' از ''چراغ عالم''
۱۳۴۵-۲۵۶=۱۰۸۹ھ

دُوسرا قطعۂ تاریخ مندرجہ ذیل ہے:

شیخِ زمانہ، عُمدۂ دیں، عزّتِ جہاں		کز باغِ دہر رفتنِ اُو، رنگِ عیش بُرد
عمرے دلیلِ فطرتِ اربابِ فضل بُود		یعنی طریق معنیِ اخلاق می سپُرد
آخر درین زیانکدۂ نیستی متاع		نقدِ نفس بہ کیسہ آسُودگی شمرد
شد خاک پیکر و بہ فلک رفت جانِ پاک		صافش عُروج کرد و بہ پستی نشست دُرد
عمرے عزیز اُو چہل و ہشت سال بُود		شد سالِ رحلتش ''چہل و ہشت سالہ مُرد''

''چہل و ہشت سالہ مُرد'' = ۱۰۸۹ھ

عزّتؔ کے سنہ ولادت کا بھی تعیّن ہو جاتا ہے۔ ۱۰۹۲ھ میں مولانا عبدُ العزیز عزّتؔ کی یاد میں ایک مدرسہ ''زاویہ عزیز'' کے نام سے قائم کیا گیا تو بیدلؔ نے ''مقامِ فضلاء'' = ۱۰۹۲ھ سے مدرسہ کی تاریخ تاسیس نکالی۔ رسالہ ''نقوش'' کے لاہور نمبر اور کشن چند

اخلاصؔ کے تذکرے ''ہمیشہ بہار'' سے مولانا عزتؔ کے چند شعر دستیاب ہوئے ہیں جو ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں۔

زدردِ دل چہ نگارم کہ جوش بیتابست		زشوق جاں چہ نویسم کہ نامہ سیمابست
شب فراق چناں ریخت چشم، خونِ دلم		کہ باز اشک گلابی و دیدہ عنّابست
نماند صولتِ رازِ دلم نہاں عزتؔ		کہ دیدہ صفحہ تصویر رنگ بے خوابست

(ماخوذ از نقوش، لاہور نمبر جلد اول شمارہ: ۹۲ فروری ۱۹۶۲ء صفحہ ۵۲۵)

شعار کارکشایاں ملال خاطر نیست		گرہ چگونہ کند جا بر ابروئے ناخن
سرگذشتِ خویش اے مجنوں زما پنہاں مدار		از کسے ما نیز وقتے داستانے داشتیم
بعد ما معنیٔ رسے خواہد گریست		گر نگرید کس، کسے خواہد گریست

(ماخوذ از تذکرہ ''ہمیشہ بہار'' صفحہ ۱۱۶۹ اشاعتِ اوّل ناشر انجمن ترقی اُردو کراچی)

(۹) نواب شکر اللہ خاں خاکسارؔ

نواب شکر اللہ خاں خاکسارؔ فرائض شرعی کے پابند، سُنن و مستحبات کی سعی کرنے والے، صُوفی صافی، فاتح سپہ سالار، علم پرور ادیب اور بدیع الفکر شاعر تھے۔ اُن کے یہ اشعار عجب تیور رکھتے ہیں:

تلافیٔ ہمہ بے رحمی و جفائے شما
بیک نگاہ ادا شد، زہے ادائے شما
در وادیٔ محبت ہر خارِ غم کہ آمد
در پائے طالع من، آزا بدیدہ سفتم

نوابؔ صاحب ''مثنوی معنوی'' کے نکات و غوامض کے شارح و مفسّر کی حیثیت سے اہل علم و تصوّف کے حلقے میں رتبہ بلند پر فائز اور قدر و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے

تھے۔ اتنی خوبیوں اور ایسی خصوصیات کا حامل انسان نواب شکر اللہ خاں خاکسار کہ مخدومِ جہاں تھا، بیدؔل کے علمی و ادبی کمالات کا اِسقدر گرویدہ ہُوا کہ تا حیات اپنے اموال و عیال کو بیدؔل کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔

شوق و کشش کا یہ عمل یک طرفہ نہ تھا۔ خود بیدؔل نے شکر اللہ خاں کے ادب و شعر کے ذوقِ رفیع اور علمی کارناموں سے متاثر ہو کر اُن کی خدمت میں اپنی مثنوی ''طلسمِ حیرت'' بھیجی اور خط میں یہ مطلع لکھا جو بیدؔل کے خُلوص و خوشی کا ترجُمان ہے:

شاد باد اے دل کہ آخر عُقدہ ات وا می شود
قطرۂ ما می رسد جاے کہ دریا می شود

نواب شکر اللہ خاں نے مثنوی ''طلسمِ حیرت'' کی تبویب و تلخیص کی۔ اور غزلیاتِ بیدؔل کا ایک انتخاب نہایت دقّتِ نظر سے مرتّب کیا۔ بیدؔل نے انتخاب پر پسندیدگی کا اظہار کرتے ہُوئے شکر اللہ خاں کو لکھا: ''لطفِ کریم بہانہ جوست، ہر کہ پسندید، پسندید و ہر چہ را بد گوید، بد گوید!''۔ مثنوی ''محیطِ اعظم'' اور مثنوی ''گُلِ زرد'' بھی اُن کی خدمت میں پیش کی گئیں۔

بیدؔل کی اکثر تصانیف شکر اللہ خاں کی تحریک و توجّہ سے منصۂ شہود پر آئیں۔ طُورِ معرفت، گدڑی نامہ اور چشم و دل کے بارے میں جو قطعہ بیدؔل نے لکھا اُس کے محرّک بھی شکر اللہ خاں تھے۔

بیدؔل نے مثنوی ''عرفان'' اور چہار عنصر'' لکھنا شروع کی تو اُن کو بطورِ خاص اطلاع دی۔ اگر یہ اہم کتابیں شکر اللہ خاں کی زندگی میں مکمل ہو جاتیں تو عجب نہیں کہ بیدؔل اُن کا انتساب نواب شکر اللہ خاں کے نام کرتے۔

تصوّف سے شغف، شعر و ادب میں دستگاہ اور مزاج کی ہم آہنگی نے بیدؔل اور

شکر اللہ خاں کے درمیان ایسے محکم تعلقات اُستوار کیے، جن کی مثال دُنیاے ادب میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہے۔نواب شکر اللہ خاں خاکسار، بیدل کے اِس درجہ والہ وشیفتہ ہُوئے کہ اُنھیں تاحیات، ضروریاتِ زندگی کی تشویش سے بے نیاز کر دیا۔

کسی تخلیق کار کے لیے معاشی سکون کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔شکر اللہ خاں کی سرپرستانہ توجّہ اور اُن کے فراہم کردہ امنِ اقتصادی نے بیدل کی ادبی فتوحات کی وسعت میں اضافہ کیا۔

''رُقعاتِ بیدل'' میں اکثر خط شکر اللہ خاں کے نام ہیں۔اُن کے نام بیدل کے مکاتیب اخلاص و مودّت کے آئینہ دار اور فنِ مکتوب نگاری کے شاہکار ہیں۔شکر اللہ خاں عسکری مہمات پر دہلی سے باہر رہتے ہُوئے، بیدل کو باقاعدگی سے خطوط لکھتے اور قسم قسم کے تحائف بھیجتے تھے۔شکر اللہ خاں ذاتی و عائلی اُمور میں بیدل سے مشورہ کرتے اور اُن کی رائے کو بہت اہمیت دیتے تھے۔شکر اللہ خاں کے دل میں بیدل کا مقام کسی اہم رُکنِ خاندان سے کم نہ تھا۔

شاہزادہ اعظم شاہ کا قصیدہ لکھنے پر بیدل نے اُن کی ملازمت سے مستعفی ہونے کو ترجیح دی اور مغل شہنشاہوں کی مداحی سے بھی مجتنب رہے۔جب یہی بیدل، نواب شکر اللہ خاں کی صفاتِ حسنہ اور مکارمِ اخلاق کے اظہار میں پُرجوش و اثر انگیز اشعار کہتے ہیں تو یہ پیشہ ورانہ مدّاحی نہیں (کہ پیشہ ور مدّاحوں کی کسی دور میں کمی نہیں رہی!) بلکہ اُس معیارِ اخلاق و کردار کی ترویج و تبلیغ کی شعوری کوشش ہے، جس کے بیدل ہمیشہ داعی اور انسانوں میں دیکھنے کے خواہش مند رہے۔

بیدل کا معیارِ اخلاق و کردار نہایت سخت و بلند تھا، ہر انسان کا اُس پر پُورا اُترنا آسان نہ تھا۔لیکن نواب شکر اللہ خاں خاکسار دلِ دردمند و فکرِ ارجمند کی ایسی رفعتوں پر متمکن تھے کہ

مثنوی "طُورِ معرِفت" کے اختتامیہ اشعار میں اُن کی ستائش بیدِؔل کا قلم بُلند آہنگ و پُر جوش اُسلوب میں کرتا ہے ملاحظہ فرمائیے:

حیا تحریرِ کلکِ عجز فرسُود		عرق ریز است در انشاے مقصُود
کہ من ہر چند دریاے کمالم		بشوخی ہا ، جبینِ انفعالم
نمی بالم کہ سازم عجز کوشیست		نمی نالم کہ آہنگم خموشیست
عصاے من درین گلگشتِ مقصُود		نسیمِ فیض شکرؔ اللہ خاں بُود
درین گلشن خراے داشت کلکش		کہ پیچیدم منِ بیدِؔل بسِلکش
زہے سر چشمہ فیض الٰہی		کہ سیرابم ازو ، چنداں کہ خواہی
سعادت! گوہرِ گنجینہ اُو		سیادت! صورتِ آئینہ اُو
مُرّوت ! رنگِ گلزارِ صفاتش		فُتوت! جوہرِ شمشیرِ ذاتش
کفش! عرض سخارا دستگاہے		نگاہش! فرقِ ہمّت را کلاہے
ادب! وضعے کہ بحوِ پیکرِ اُوست		حیا! آبے کہ وقفِ گوہرِ اُوست
کمالاتش چسان یک یک شمارم		زبانِ موجِ دریا ہم ندارم
تصنُّع را چہ دخل و کو تصرُّف		حقیقت می سرایم بے تکلُّف
بمضمونِ کمالِ اُو نظر کن		چو فہمیدی! عبارت مختصر کن
سخن بے خواست درو صفش روانست		چہ سازد دل؟ محبت پر فشانست
بہارِ لفظ، وقفِ مدحتش باد		گلِ معنی نثارِ فطرتش باد

۱۱۰۸ھ میں ربیع الاوّل کی آٹھ (۸) تاریخ کو نواب شکر اللہ خاں خاکسار کا انتقال ہُوا۔ اُن کی وفات پر بیدِؔل کا دل دُنیا سے اُٹھ گیا، جان دینے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ اُنہوں نے دس (۱۰) اشعار پر مشتمل نہایت دلدوز مرثیہ لکھا اِس التزام کے ساتھ کہ ہر مصرع سے

تاریخ نکلتی ہے۔مرثیہ مندرجہ ذیل ہے:

فریاد کاں جمالِ کرم در جہاں نماند = ۱۱۰۸ھ
طاؤسِ جلوہ ریز دریں آشیاں نماند = ۱۱۰۸ھ
با آں ہمہ صفاتِ زکا، صد ہزار حیف = ۱۱۰۸ھ
کاں نورِ آفتاب وفا جاوداں نماند = ۱۱۰۸ھ
آہ آں چہ فتنہ بود کہ در عالمِ نگوں = ۱۱۰۸ھ
جز نام زاں محیطِ مصوّرنشاں نماند = ۱۱۰۸ھ
سیلِ فنا متاعِ جہاں جملہ پاک برد = ۱۱۰۸ھ
جنسِ زدستگاہ زیاں در دوکاں نماند = ۱۱۰۸ھ
طوفانِ گریہ بسکہ بہر جمع جوش زد = ۱۱۰۸ھ
جز دجلہ در ممالکِ ہندوستاں نماند = ۱۱۰۸ھ
بلبل جہاد نالہ بس است آبیار درد = ۱۱۰۸ھ
از گلبنِ و فا نمو جز خزاں نماند = ۱۱۰۸ھ
اے بے کسی بخاک فگن جعد و نوحہ کن = ۱۱۰۸ھ
امروز بر مزار، زمیں آسماں نماند = ۱۱۰۸ھ
از شرمِ خون و آب بایماے احتیاج = ۱۱۰۸ھ
اے انفعال! مشفقِ ما ایں زماں نماند = ۱۱۰۸ھ
ہر مصرعم بسال وزماں نصب میکند = ۱۱۰۸ھ
(آہ) کہ گہ؟ مسیح سپہر آستاں نماند = ۱۱۰۸ھ

بیدلؔ جفاکشاں، قدحِ پاس میکشند = ۱۱۰۸ھ
چاکے بجیب می بزن اکنوں کہ خاں نماند = ۱۱۰۸ھ

(۱۰) نوابؔ عبدُ الصمدؔ خاں

بیدلؔ کے سرپرستوں میں ایک نہایت اہم نام نواب عبدُ الصمدؔ خان ناظمِ لاہور کا ہے۔ گو آثارِ بیدلؔ اور کتبِ بیدلؔ شناساں میں نوابؔ صاحب کے بارے میں تفصیل نہیں ملتی۔ صرف ڈاکٹر عبدالغنی (میرے مطالعے کی حد تک) اپنے مضمون ''تذکرۂ بیدلؔ'' میں، شہنشاہ فرخ سیرؔ کے قتل پر بیدلؔ کی تاریخی رُباعی کے حوالے سے ''رُوحِ بیدلؔ'' کے صفحہ ۲۷۳ لکھتے ہیں:

''بیدلؔ کی زبان سے نکلی ہُوئی تاریخ تھی اور پھر اِس قدر موزوں، جلد مشہور ہوگئی۔ سادات نے انتقام لینا چاہا۔ اِس لیے میرزا متوحش ہو کر لاہور، نواب عبدُ الصمد خان کے پاس چلے گئے۔ اور ۶ ذی الحجہ ۱۱۳۲ھ کو امیرُ الامرا، دکن جاتے ہُوئے رستے میں تورہؔ کے مقام پر مارے گئے اور سادات بارہہ کا اقتدار ختم ہُوا تو ۱۱۳۳ھ کے ابتدائی ایّام میں میرزا واپس شاہجہان آباد پہنچے۔''

نواب عبدُ الصمدؔ خان کی اہمیت واقتدار کا اندازہ کرنے کے لیے یہ بات کافی ہے کہ شہنشاہ فرخ سیرؔ کو معزول وقتل کرنے والے مطلق العنان ساداتِ بارہہ کے انتقام سے محفوظ رہنے کے لیے بیدلؔ، نواب عبدُ الصمدؔ خان کی پناہ میں جانے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ظاہر ہے اگر بیدلؔ اور نواب عبدُ الصمدؔ خان کے درمیان پہلے ہی سے اخلاص واعتماد کے رشتے اُستوار نہ ہوتے تو ایسے نازک وقت میں بیدلؔ اُن کے پاس لاہور جانے کا ارادہ ہرگز نہ کرتے۔

راقم السّطور کی شدید خواہش تھی کہ نواب عبد الصمدؔ خان کے کوائف حاصل ہو جائیں۔ مختلف مراجع میں اُن کے بارے میں اشارے تو پائے گئے مگر ایسی تفصیل جو اُن کی

سیرت واحوال کے نقوش نمایاں کر سکے، محترم پروفیسر محمد اسلم کے مضمون ''بیگم پورہ لاہور کے آثارِ قدیمہ'' سے دستیاب ہوئے۔ راقم السطور، پروفیسر محمد اسلم کے شکریے کے ساتھ اُس مضمون کے متعلقہ اقتباسات من وعن پیش کر رہا ہے۔

''عبدُالصمد خان کا اصل نام عبدالرحیم تھا۔ اُس کے والدبزرگوار خواجہ عبدُالکریم احراری، وسط ایشیاء کے مشہور رُوحانی پیشوا حضرت ناصرالدین عبیدُاللہ احرار کے اخلاف میں سے تھے۔ عبدالصمدُ خاں کی والدہ کا تعلّق بھی ماوراء النہر کے ایک رُوحانی خانوادے سے تھا۔ وُہ عفّت وعصمت، ورع وتقویٰ اور اپنے حسن وجمال کے لیے اپنی ہم عصر خواتین میں ممتاز تھیں۔''''عبدُالصمد خان کے چچا خواجہ زکریا کی دو بیٹیاں تھیں۔ ایک بیٹی کا عقد عبدُالصمد خان کے ساتھ ہُوا اور دُوسری کا نکاح محمد شاہ کے وزیر اعتماد الدولہ محمد امین خان (م ۱۷۳۹ء) کے ساتھ ہُوا۔'''' عبدُالرحیم کا شمار نوجوانی میں ہی ماوراء النہر کے علماء و فضلاء میں ہونے لگا تھا۔ وُہ پانچوں وقت کی نمازیں جماعت کے ساتھ ادا کرتا تھا اور اُس کی تہجّد کی نماز بھی قضا نہیں ہُوئی تھی۔ اُس کے علم وفضل اور ورع وتقویٰ کا شہرہ سُن کر ماوراء النہر کے حکمران سُبحان قلی خان (م ۱۷۰۲ء--۱۶۸۰ء) نے اُسے اپنے دربار میں طلب کر کے شیخ الاسلام کا منصب عطا کیا۔ اِس کے باوجود اُس کا دل ماوراء النہر میں نہ لگا اور وُہ منصب ترک کر کے اورنگ زیب عالمگیر کے آخری زمانے میں برِّصغیر چلا آیا۔ اُس کا نسبی تعلّق اورنگ زیب کے اجدادِ امجد عمر شیخ مرزا (م ۱۴۹۴ء) اور سُلطان ابوسعید (م ۱۴۹۰ء) کے پیرِ طریقت حضرت ناصرالدین عبیداللہ احرار کے ساتھ تھا۔ اِس لیے اورنگ زیب کے دربار میں باریاب ہونے میں اُسے کوئی دِقّت پیش نہ آئی۔ اورنگ زیب مردُم شناس اور علم دوست حکمران تھا اُس نے اِس لیے عبدُالرحیم کو چار صدی منصب پر فائز کیا۔ اورنگ زیب کے جانشین شاہ عالم بہادُر شاہ کے عہد میں وُہ ترقّی پا کر ہفت صدی منصب پر فائز ہُوا۔ ۱۷۱۲ء میں شاہ عالم کی وفات

کے بعد وہ جہاندار شاہ کے وزیرِ اعظم ذوالفقار خان کے ساتھ منسلک ہو گیا اور بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کے زینے طے کرنے لگا۔ جب جہاندار شاہ اور فرخ سیر کے درمیان جنگ چھڑی تو اُس نے ذوالفقار خان کی توقع کے خلاف فرخ سیر کا ساتھ دیا۔ جہاندار شاہ اور ذوالفقار خان کی شکست اور قتل کے بعد فرخ سیر نے ۱۷۱۲ء میں عبدالرحیم کی خدمات کے اعتراف میں پنج ہزاری ذات اور پنج ہزار سوار کا منصب اور عبدالصمد خان دلیر جنگ کا خطاب دے کر اُسے لاہور کا ناظم مقرر کیا۔

عبدالصمد خان نے فرخ سیر کے حکم پر بندہ بیراگی کے خلاف فوج کشی کی اور اُسے گرفتار کر لیا۔ اُس کی اِس خدمت سے خوش ہو کر فرخ سیر نے اُسے ہفت ہزاری ذات اور ہفت ہزار سوار کا منصب اور سیف الدولہ کا خطاب عطا کیا۔ نواب عبدالصمد خان نے لاہور کے قلعے میں رہنے کی بجائے خواجہ خاوند محمود المعروف بہ ایشان (م ۱۶۴۲ء) کی درگاہ کے قرب و جوار میں رہنے کو ترجیح دی۔ ایشاں نقشبندیہ سلسلے کے بانی حضرت بہاءالدین نقشبند (م ۱۳۸۹ء) کی بیٹی کی اولاد سے تھے اور عبدالصمد خان کے جدِّ امجد خواجہ ناصر الدین عبیداللہ احرار (م ۱۴۹۰ء) کے مرشد حضرت یعقوب چرخی (م ۱۴۴۷ء) خواجہ بہاءالدین نقشبند کے خلیفہ تھے۔ اِس رُوحانی تعلّق کی بناء پر عبدالصمد خان نے حضرت ایشان کے روضۂ مبارک کے قریب رہائش اختیار کر لی۔ بعد ازاں یہ آبادی، جسے اُس زمانے کی سول لائنز کہنا چاہیے، عبدالصمد خان کی اہلیہ محترمہ بیگم جان کے نام پر بیگم پورہ مشہور ہو گئی۔" "عبدالصمد خان تیرہ سال تک صوبہ لاہور کی نظامت پر فائز رہا۔ اُس نے اِس عرصے میں صوبے میں امن و امان قائم کیا اور بڑی خوش اُسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کیے۔"

"۱۷۲۶ء میں صوبہ ملتان کے حالات نازک صورت اختیار کر گئے۔ ملتان اور اُس کے گرد و نواح میں افغان اور بلوچ سرداروں نے سرکشی اختیار کر لی۔ اِس پر مغل شہنشاہ محمد شاہ

(۱۷۴۸ء-۱۷۱۹ء) نے عبدُالصمد خان کو ملتان کا صوبیدار مقرر کیا اور لاہور کی صوبیداری اُس کے فرزند زکریا خان کو سونپی۔ عبدُالصمد خان کے ملتان پہنچتے ہی تمام سرکش سرداروں نے مغل حکمران کی اطاعت قبول کر لی۔ عبدالصمد خان گیارہ سال تک ملتان میں مقیم رہا۔ اِس دوران میں اُس نے وہاں ایک عید گاہ تعمیر کروائی جس پر ملتانی طرز کی کاشی کاری کے نمونے قابلِ دید ہیں۔''

''۲۶ جولائی ۱۷۳۷ء کو عبدُالصمد خان کا ملتان میں انتقال ہو گیا۔ اُس کی میّت اُس کی وصیّت کے مطابق لاہور لائی گئی اور اُسے بیگم پورہ میں دفن کیا گیا۔ عبدُالصمد خان بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ وہ بیک وقت صاحبِ سیف وقلم تھا۔ اُس کی شمشیرِ خارا شگاف نے بندہ بیراگی کی قوّت کو پاش پاش کر دیا۔ حسین خاں خویشگی اور دھرپ دیو اُس کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ اِسی طرح کتوچ کے راجا نے بھی اُس کی اطاعت کا جُوا اپنی گردن میں ڈال لیا۔ اُس کی سخاوت کا یہ عالم تھا کہ اُس کے دسترخوان پر دونوں وقت سو افراد ہوتے تھے۔ وہ ہر سال تین ہزار خلعت تقسیم کیا کرتا تھا۔''

''لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم'' بیدِل کے اساتذہ اور سرپرستوں کا ذکرِ خیر اس لیے بھی ضروری تھا کہ یہ بات ہماری نسلِ نو کے ذہن نشین ہو جائے کہ ہیرا، ہیرا ہوتے ہُوئے بھی ایسے ماہر جوہر تراشوں اور صیقل گروں کا محتاج ہوتا ہے جیسے کہ بیدِل کو میسّر آئے۔ ہمارے اِس عہدِ نامسعود میں جو رشتہ سب سے زیادہ ناگفتنی کا شکار ہُوا ہے وہ یہی اُستاد و شاگرد کا رشتہ ہے۔

مخطوطہ ''دیوانِ بیدل'' نسخۂ جامعہ نظامیہ حیدر آباد، دکن۔

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''دیوانِ بیدلؔ''، نسخۂ جامعہ نظامیہ حیدرآباد، دکن۔ پہلا صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''دیوانِ بیدلؔ''، نسخۂ جامعہ نظامیہ حیدرآباد، دکن۔ آخری صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''رُباعیاتِ بیدلؔ'' نسخۂ جامعہ نظامیہ حیدرآباد، دکن۔

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''رُباعیاتِ بیدلؔ'' نسخۂ جامعہ نظامیہ حیدر آباد، دکن، آخری صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد

مخطوط ''دیوانِ بیدلؔ'' (ب) نسخۂ جامعہ نظامیہ، حیدر آباد، دکن۔

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''انشاے بیدل''، نسخہ جامعہ نظامیہ حیدر آباد، دکن۔ پہلا صفحہ
دریافت: ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد

رب یسّر بسم اللہ الرحمن الرحیم و تمّم بالخیر

مخطوطہ ''انشاء بیدلؔ''نسخہ جامعہ نظامیہ حیدر آباد، دکن۔

دریافت: نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ "انشاءِ بیدلؔ" نسخۂ جامعہ نظامیہ حیدرآباد، دکن۔ پہلا صفحہ

دریافت: نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''انشائے بیدلؔ'' نسخہ جامعہ نظامیہ حیدرآباد، دکن۔ آخری صفحہ

دریافت: نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''نکاتِ بیدلؔ'' نسخۂ جامعہ نظامیہ، حیدر آباد، دکن۔

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''نکاتِ بیدلؔ'' نسخہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد، دکن۔ آخری صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''رقعاتِ بیدلؔ''، نسخۂ جامعہ نظامیہ حیدر آباد، دکن۔ پہلا صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

یا علی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مخطوطہ "رقعاتِ بیدلؔ" نسخۂ جامعہ نظامیہ حیدر آباد، دکن۔ آخری صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''چہار عنصر'' نسخۂ جامعۂ نظامیہ حیدر آباد، دکن۔ عنصر اوّل و دوّم۔

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''چہار عنصر'' نسخہ جامعہ نظامیہ حیدر آباد، دکن۔ عنصر سوم و چہارم۔
دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

بی پر و بالی چون پرواز عنقا همی رفت ای کریم ابن مسیح
مسیح مسیح را عذر ورد از قطعه تاریخ مجملا شد ز ختم چار
عنصر فرح پیش آمد و غم بر قفا رفت * بسیر آهنگی قانون
انسر از ز ساز جمل سامان نوا رفت * بیاری دسته بند
رنگ و بو شد که اندوه خزان از باغ ما رفت * دمی کاندیشه
تحقیق پرواز بفکر سال این تحریر ما رفت * خرد تاریخ از حساب
اوله بیرون کرد و فعل شبه چون گشت و خطا رفت * نخست
افسونی از اعجاز برداشت * صدا از اوله عنصر فنا رفت *

دوئیم در اجتماع چار عنصر
نخست بود چون رنگ از عنقا رفت

تمت الکتاب بعون الملک الوهاب بتاریخ بیست و چهارم
شهر جمادی الثانی فی سنه ۱۲۴۰ هجری باختتام رسید

مخطوطہ ''رقعاتِ بیدلؔ'' نسخہ جامعہ نظامیہ حیدر آباد، دکن۔

دریافت: ڈاکٹر سیّد نعیم حامد علی الحامد

مخطوطہ ''رقعاتِ بیدلؔ'' نسخۂ جامعہ نظامیہ حیدرآباد، دکن۔ آخری صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد
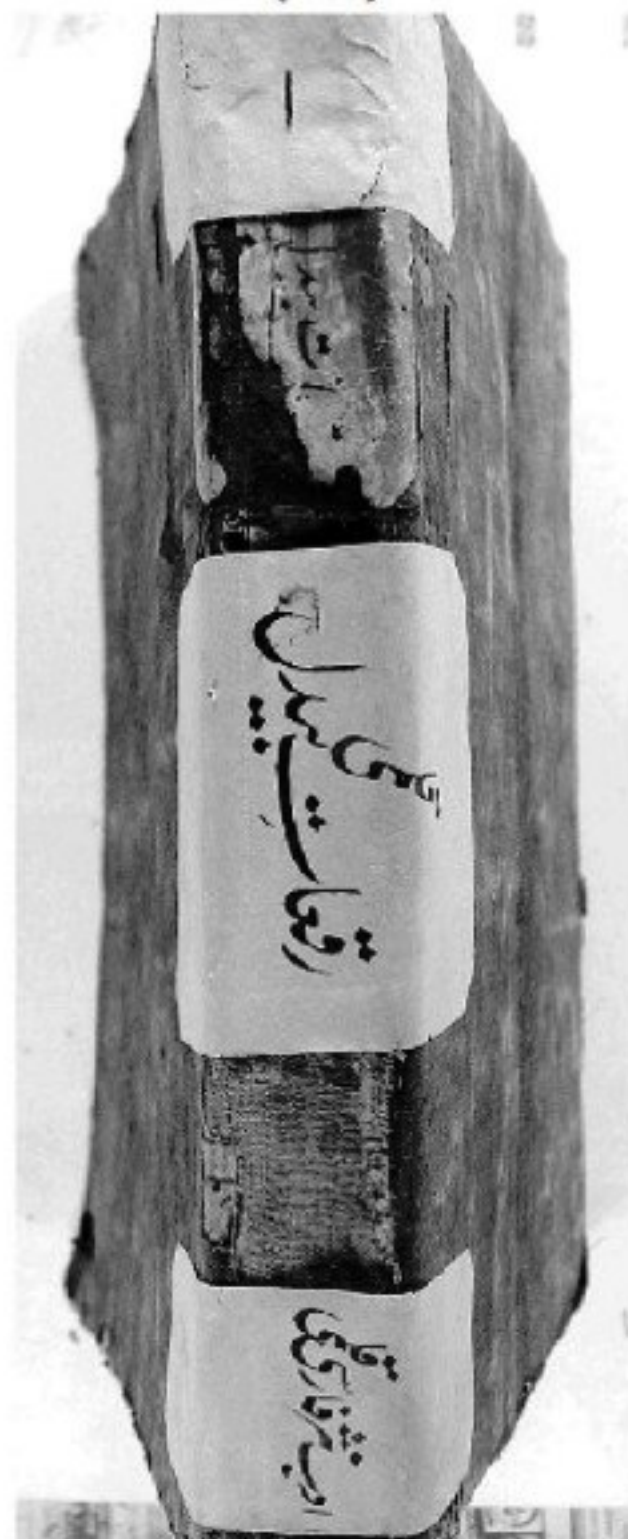
مخطوطہ ''دیوانِ بیدلؔ'' (ب) نسخۂ جامعہ نظامیہ حیدر آباد، دکن۔ پہلا صفحہ

دریافت: ڈاکٹر سید نعیم حامد علی الحامد

بیدِلؔ کے ممتاز و نامور شاگرد

(۱) نظامؔ الملک آصف جاہ اوّل

نظامؔ المُلک آصف جاہ اوّل "بانیٔ سلطنتِ آصفیہ" (حیدرآباد دکن) بیدِلؔ کے صاحبِ سیف وقلم اور ممتاز ترین شاگرد تھے۔ اُن کے والد ماجد غازی الدین خان بہادُر فیروز جنگ عُرف شہاب الدین، مغل شہنشاہ شاہجہاںؔ اور عالمگیرؔ کے دربار میں رُتبۂ بُلند پر فائز تھے۔

''نظامؔ المُلک آصف جاہ اوّل کا سلسلۂ نسب سترہ (۱۷) واسطوں سے شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سُہروردی سے ہوتا ہُوا اٹھتیسویں پشت میں خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر الصدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ نظامؔ المُلک کے جدِّ امجد خواجہ عابدؔ قاضی بخارا تھے جو ۱۶۵۵ء میں بغرض حج و زیارت سمرقند سے ہندوستان آئے تھے تاکہ بندرگاہ سورت سے جہاز کے ذریعہ جدّہ روانہ ہوں۔ اِن کے علم وفضل کی شہرت شاہجہاںؔ کو جب ملی تو اُس نے شرفِ باریابی بخشا اور خلعتِ فاخرہ کے ساتھ ملازمت کی پیش کش کی جس کو اُنہوں نے فریضۂ حج کی ادائی کے بعد قبول کرنے کا یقین دلایا اور جدّہ روانہ ہوگئے۔

دو (۲) سال بعد جب خواجہ عابدؔ ہندوستان واپس آئے تو یہاں کا سیاسی نقشہ ہی بدلا ہُوا تھا۔ سورت سے وُہ آگرہ نہ جاسکے بلکہ بیجاپور کی طرف روانہ ہوگئے۔ جہاں شہزادہ اورنگ زیب نے محاصرہ کر رکھا تھا........خواجہ عابدؔ نے شہزادہ اورنگ زیبؔ کے لشکر میں داخل ہوکر باریابی کا شرف پایا۔ چونکہ خواجہ عابدؔ تورانی تھے اِس لیے اُن کے حسب ونسب اور علم وفضل کے پیشِ نظر تورانیوں نے اُن کے اثر کو قبول کرلیا۔ اِس طرح اورنگ زیبؔ کو اُن کی آمد سے بڑی تقویت پہنچی۔ ۱۶۵۸ء میں دارہ شکوہ اور اورنگ زیب میں سموگڑھ کے مقام پر فیصلہ کُن لڑائی ہُوئی تو اورنگ زیبؔ نے بھائیوں کا اِستیصال کر کے اپنی بادشاہی کا اعلان کردیا اور خواجہ عابدؔ کو صدرِ کُل

کے عُہدہ پر مامور کیا۔ چھ (٦) سال بعد اُنھیں اجمیر اور پھر ملتان کا صوبیدار مقرر کیا۔ ۱۶۷٦ء میں اورنگ زیب نے اُنھیں مدینہ منورہ جانے والے حاجیوں کا امیرِ حج بنا کر بھیجا۔ حج سے فراغت پا کر خواجہ عابدؔ سورت کی بندرگاہ پر پہنچے ہی تھے کہ اورنگ زیب نے اُنھیں نہ صرف تحائف بھیجے بلکہ قلیچ خان (بہ معنی شمشیر خان) کے خطاب سے سرفراز کیا۔

شہنشاہ کے کہنے سے قلیچ خان (خواجہ عابدؔ) نے اپنے بڑے بیٹے شہاب الدین (غازی الدین خان بہادر فیروز جنگ عُرف شہاب الدین) کو ۱۶۶۹ء میں سمرقند سے ہندوستان طلب کیا تھا۔ اورنگ زیب نے اُنھیں منصب سہ صدی ذات سے سرفراز کیا اور ۲۰ سالہ نوجوان کا عقد شاہجہاںؔ کے وزیر سیّد سعد اللہ خاں کی صاحبزادی سے کر دیا جن کے بطن سے ۱۱ راگست ۱۶۷۱ء کو ایک لڑکا پیدا ہُوا۔ بادشاہ نے اُس کا نام میر قمر الدین رکھا جو بعد میں چل کر نظام المُلک آصف جاہ اوّل کے نام سے مشہور ہُوا۔ میر کا اِضافہ شہنشاہ کی طرف سے کیا گیا تھا جو اُن کی ماں کے سیدانی ہونے کی وجہ سے تھا۔''

''ہجری تاریخ پیدائش ''نیک بخت'' سے (۱۰۸۲ھ) ہے۔ ٦ سال کی عمر میں بادشاہ نے منصب چار صدی ذات عطا کیا۔ ہوش سنبھالتے ہی شاہی محلات میں داخل کر لیے گئے۔ بیس سال کی عمر میں ۱۶۹۰ء میں بادشاہ نے چین قلیچ خان (بمعنی چھوٹی شمشیر) کا خطاب اور چار ہزاری منصب سے سرفراز کیا۔

(''مختصر تاریخ مملکتِ آصفیہ۔ حیدر آباد، دکن'' از محمد عظیم الدین محبت ایم۔ اے (عثمانیہ) مشمولہ ''مملکتِ آصفیہ'' مرتبہ ڈاکٹر محمد عبدالحئی۔ صفحہ ۸۳تا۸۵۔ اشاعتِ دوم ۳۰ جون ۱۹۸٦ء)

عالمگیر کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اوّل نے چین قلیچ خاں میر قمر الدین کو ''خانِ دوراں بہادر خاں'' کے خطاب سے ممتاز کیا۔ جب فرخ سیر شہنشاہ ہُوئے تو انہوں نے ''نظام المُلک فتح

جنگ'' کے خطاب، ہفت ہزاری منصب اور دکن کی صوبیداری عطا کی۔ محمد شاہ نے '' آصف جاہ '' کا خطاب اور نہ (۹) ہزاری منصب عطا کیا۔

(بحوالہ '' مختصر تاریخ مملکتِ آصفیہ۔ حیدرآباد، دکن '' از محمد عظیم الدین محبت ایم۔اے)

بندرابن داس خوشگو '' سفینۂ خوشگو '' میں لکھتے ہیں:

'' خیلے بزہد وتقویٰ آراستگی داشت ہرگز روا دار مال کسے وایذاے احدے نبود وقدر روانیِ اربابِ ہنر خصوص فرقہ سپاہے جزو کمالاتِ او بودہ نثر بسیا رشستہ وصاف می نوشت۔ واکثر اوقات باوجود کثرت مشاغلِ دُنیوی متوجہ نظم اشعاری بود۔ بیشتر دیوان بہ نظر استادی میرزا بیدلؔ رسانیدہ بہ تخلص شاکراست۔''

('' سفینۂ خوشگو '' صفحہ ۲۵۴/۲۵۵ مرتبہ محمد عطا الرحمٰن عطاؔ کاکوی۔ تاریخِ اشاعت مارچ ۱۹۵۹ء)

ایسا بلند مقام امیرُ الاُمرا، ہمہ صفت موصوف میر قمرُ الدین شاکرؔ جب اپنے اُستاد میرزا عبدالقادر بیدلؔ کے حضور بصد فروتنی دست بستہ نظر آتا ہے تو یہ بیدلؔ کے علم واخلاق کی گیرائی واثر پذیری کی روشن دلیل ہے۔

نظام الملک، بیدلؔ کا بہت احترام کرتے تھے۔ اُن کی خدمت میں پابندی سے حاضر ہوتے اور بیدلؔ کی زبان حقیقت ترجمان سے تراوش کرنے والے گہر ہائے علم وادب وحکمت اپنے کشکولِ ذہن وقلب میں حریصانہ ذخیرہ کرتے۔ بیدلؔ اُن کے گھر تشریف لاتے تو نظام الملک تمام مراسمِ استقبال نہایت اہتمام سے ادا کرتے اور اپنی نشست پر بٹھاتے۔

وہ شعر گوئی میں ممکنہ حد تک طرزِ اُستاد کی پیروی کرتے اور بیدلؔ کی زمینوں میں غزل کہنا وجہِ افتخار سمجھتے تھے۔ خود بیدلؔ کے دل میں اپنے اِس شاگرد کی بڑی قدر تھی۔ اُنہوں نے نظام الملک کے بارے میں کئی قطعے لکھے۔

''رُقعاتِ بیدلؔ'' میں یوں تو نظامؔ الملک کے نام چار مکتوب ہیں۔ لیکن حقیقتاً اُن کے نام بیدلؔ کے مکاتیب کی تعداد سات (۷) ہے۔ اِس لیے کہ اکثر ماہرینِ بیدلؔ کے نزدیک چینؔ قلیچ خاں، خانِ دوراں اور نظامؔ الملک جدا جدا شخصیتیں ہیں، جب کہ یہ ایک ہی شخصیت کے تین (۳) خطاب ہیں۔ ''رُقعاتِ بیدلؔ'' مشمولہ کُلیاتِ بیدل جلد چہارُم مطبوعہ افغانستان میں نظامُ الملک کے نام چار، چینؔ قلیچ خاں کے نام ایک اور خانِ دوراں کے نام دو (۲) مکتوب ہیں۔

اِس تعلّقِ خاطر کے باوُجود جو بیدلؔ و نظامؔ الملک کے درمیان پایا جاتا تھا جب نظامؔ الملک نے دکن میں ''مملکتِ آصفیہ'' کی بُنیاد رکھنے اور امن و امان قائم کرنے کے بعد اپنے موقّر اُستاد بیدلؔ کو دکن تشریف لانے کی دعوت بھیجی تو اُس درویشِ خدا مست نے جواب میں صرف یہ شعر لکھا:

دُنیا اگر دہند نہ جُنبم زجائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بپائے خویش

یہ مفرد شعر ہے اِس زمین میں بیدلؔ کی کوئی غزل نہیں پائی جاتی۔

نظامؔ الملک نے اپنا دیوان بھی بیدلؔ کے مشوروں کے مطابق مرتّب کیا تھا۔ بندرابن داس خوشگو ''سفینۂ خوشگو'' میں لکھتے ہیں:

''بہ مشورت حضرت میرزا بیدلؔ دیوانِ غزل بقدر دو ہزار بیت مرتّب فرمودہ۔''

(''سفینۂ خوشگو'' صفحہ ۲۵۲ مرتبہ محمد عطا الرحمٰن عطاؔ کاکوی۔ تاریخ اشاعت مارچ ۱۹۵۹ء)

خوشگو نے نظامؔ الملک کے دیوانِ غزل میں اشعار کی تعداد دو ہزار بتائی ہے اور ''سفینۂ خوشگو'' میں اُن کے صرف تین شعر لکھے ہیں۔

کل ہند مجلس اتحاد المسلمین، حیدر آباد، دکن کی دعوت پر راقم السطور کو ۲۰۰۵ء

میں ۲۰ سے ۲۷ راپریل تک حیدر آباد میں رہنے کا موقع ملا۔ یہ دعوت بالخصوص بارہ ربیع الاوّل کی مناسبت سے منعقد ہونے والے نعتیہ مشاعرے میں شرکت کے لیے موصول ہُوئی تھی۔

میرے لیے یہ دعوت اِس لیے بھی پُر کشش تھی کہ بانیِ سلطنتِ آصفیہ نظام المُلک میر قمر الدین شاکرو آصف، بیدؔل کے شاگرد تھے اِس لیے مجھے یقین تھا کہ حیدر آباد کے کتب خانوں اور شخصی علمی ذخیروں میں آثارِ بیدل کے مخطوط و مطبوعہ نسخے ضرور ہوں گے؛ اور کم از کم اُن کی زیارت اور ممکن ہُوا تو اُن کی فوٹو کاپی کے حصول کا یہ سفر، اک نادر وسیلہ ثابت ہوگا۔ اور ساتھ ہی دل میں یہ اُمیدِ پُر یقین بھی تھی کہ نظام المُلک جن کے دو چار شعر ہی تذکروں میں ملتے ہَیں اُن کے مطبوعہ دیوان بھی دستیاب ہوں گے۔

الحمدللہ! کہ میرا سفرِ حیدر آباد، دکن اِس اعتبار سے بھی نہایت کامیاب رہا۔ حیدر آباد سے حاصل ہونے والے آثارِ بیدؔل کی ڈیجیٹل فوٹو کاپیوں کا تفصیلاً ذکر تو مناسب مقام پر بعد میں کروں گا۔ یہاں تو ذکر مقصود ہے نظام المُلک آصفجاہ اوّل کے مطبوعہ دیوانِ اوّل و دُوم کا جن کا اک اک نسخہ مجھے ایک دوست نے حیدر آباد کے ایک نوادرات فروش سے خرید کر دیا اور مَیں نے اپنی خوبیِ قسمت پر ناز کیا۔

یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نظام المُلک آصف جاہ کے جس دیوان کو ''دارالطبع سرکار عالی حیدر آباد، دکن'' ''دیوانِ اوّل'' قرار دیتا ہے وہ درحقیقت ''دیوانِ دُوم'' اور ''دیوانِ دُوم'' حقیقتاً دیوانِ اوّل ہے۔ اس لیے کہ خوشگو لکھتے ہَیں: بیشتر دیوان بہ نظرِ استادی میرزا بیدؔل رسانیدہ بہ تخلّص شاکر است۔'' (''سفینۂ خوشگو'' صفحہ ۲۵۴/۲۵۵ مرتبہ محمد عطا الرحمٰن عطا کاکوی۔ تاریخ اشاعت مارچ ۱۹۵۹ء) مگر مَیں اُن کے دواوین کا ذکر اُس ترتیب ہی سے کروں گا جس ترتیب سے وہ طبع ہُوئے ہَیں۔ دیوانِ اوّل کی لوح کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لِحِکْمَۃً وَاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحْراً

دیوانِ اوّل

نواب مغفرت مآب نظامُ المُلک آصف جاہ

میر قمرُ الدّین خان

طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کہ در آن آصف تخلّص

فرمودہ اند

مطبوعۂ دار الطبع سرکار عالی حیدر آباد،
دکن ۱۳۵۴ھ

اَز پناہِ دیگراں باشد پناہِ ما قوی	۱	ہر کس ایں جا گر کسے دارد، خدا داریم ما
اَز یکے دہ می شود نقدے کہ کس را میدہیم	۲	دَر میانِ کیسۂ خود کیمیا داریم ما
	✿	
گریہ و نالۂ شبینۂ ما	۳	ہست مفتاحِ گنجِ سینۂ ما
دَر تواضع نشانِ رِفعت ہاست	۴	پستیِ ما شدہ است زینۂ ما
ہر قدر نقدِ داغ دل جوئی	۵	ہست موجود دَر خزینۂ ما
نیست محتاج نا خدا دَر بحر	۶	بجز اَز لطفِ اُو سفینۂ ما
	✿	
تا حرف می شود ز حریمِ دہن جُدا	۷	مانند آنکس ست کہ شُد از وطن جُدا
دَر آتشے کہ رشک بر افروخت سوختند	۸	عنبر جُدا ز گیسو و مُشکِ ختن جُدا
ہر نازنیں برنگِ دِگر جلوہ می کند	۹	نرگس جُدا و لالہ جُدا، یاسمن جُدا
	✿	
زمیدانِ وفا ننگ ست سر بر داشتن رفتن	۱۰	ازیں شیرانِ پُردل کس نہ فہمید ایں قباحت را
	✿	
بود از موج ہا، چینِ جبینِ محفلِ دریا	۱۱	ہَوائے گر نباشد، حل شود ایں مشکلِ دریا
خراج اَز بحر می گیرد، ببیں تدبیر انساں را	۱۲	حباب و گوہر ست و قطرہ آصف حاصلِ دریا
	✿	
پرتوِ مہر چو رُخسارِ تو نیست	۱۳	دیدہ را، طاقتِ دیدارِ تو نیست
دَر جہاں بسکہ توئی یوسفِ حُسن	۱۴	نیست یک کس کہ خریدارِ تو نیست
	✿	

مصرع اول	شمارہ	مصرع دوم
خاموشیت اے شوخ نباشد ز عتابے	۱۶	لب ہاے ترا وقتِ سخن شہد و شکر بست
اَز گلِ نازت خبر دارست دل	۱۷	ہر چمن را باغبانِ دیگر ست
بسوے کعبہ یکے می روَد، بدیر یکے	۱۸	بمیلِ خاطرِ خود ہر کہ ہست راہ روَد
بدل صبر و قرارے بے تو اے دلبر نمی ماند	۱۹	اگر ماند دمے ماند، دمِ دیگر نمی ماند
بگراں قدری نماید مرد را آوارۂ عالم	۲۰	صدف دَر بحر می ماند ولے گوہر نمی ماند
می شوَد سر سبز عالم چوں گلستاں دَر بہار	۲۱	دَر عدالت گر توجہ صاحبِ افسر کند
بوے گل اَز نسیم شوَد دَر ہوا بلند	۲۲	اَز دوستی ست مرتبۂ آشنا بلند
یارانِ آشنا بخموشی سخن کنند	۲۳	حرفے نگفتہ است زما و شما بلند
غافلاں را خبر اَز جلوۂ فیضش نبود	۲۴	چشمِ خوابیدہ چہ داند بچہ رنگست سحر
نیست پاے جستجو را مانعے دَر راہِ شوق	۲۵	گرچہ اَز خارِ مغیلاں دامنِ صحرا پُر است
کارِ عاشق را جلا با میدہد سر بازیش	۲۶	شمع روشن می شوَد گیرند چوں ہر بار سر
دوستانت ہمیشہ خرم و شاد	۲۷	دشمنانِ تو دایما مقہور

رہ نیابد خزاں بگلشنِ تو	۲۸	چشمِ بد از بہارِ روے تو دور
یک گلو داشتم کمندش بست	۲۹	کاش بودے مرا گلوے دِگر
درمیانِ ہجومِ ایں مستاں	۳۰	مستقیم داشت ہاے وہوے دِگر
فیض ہر کس را بقدرِ قابلیت می رسد	۳۱	می کند باراں زمیں ہا را ہماں مقدار سبز
ہر کرا توفیق باشد احتیاجِ پند نیست	۳۲	تازیانہ نیست حاجت چُست باشد گر فرس
بقدرِ طاقتِ خود از بداں گریزاں باش	۳۳	زکردہ ہاے خودت آند کے پشیماں باش
بیدل مشو کہ ہیچ جوابے نمی دہد	۳۴	اے لب بہ پرسشِ یار تو گرمِ سوال باش
کامل آنست کہ نقصاں نپذیرد گاہے	۳۵	ماہ ہم نیست دریں دایرہ از اہلِ کمال
بباغ آمدی و کس بہ گُل نکرد نگاہ	۳۶	کہ اعتبار بہ پیشت نداشت چنداں گُل
ہنوز جلوہ نہ کردی و رنگ باخت چمن	۳۷	کہ چاک کردہ زروے خوشت گریباں گُل
کنیم فرشِ رہش چشم چوں بباغ آمد	۳۸	تو اے بہار بیاے نگار افشاں گُل
خندہ گُل، لب گُل، دہن گُل، خوبیِ گفتار گُل	۳۹	در جہاں جز باغِ حُسنت نیست یکجا چار گُل
گُل بُو دو درچار سُوے ایں گلستاں درنظر	۴۰	رُوے یار گُل، جبیں گُل، چہرہ گُل، رُخسار گُل

ایں قدر گلہا کہ می ریزد لبِ اُو در سخن	۴۱	در گلستانے نباشد این ہمہ بسیار گُل
	❁	
ز بعدِ کُشتنم افسوس ت آید	۴۲	دمِ آخر پشیمانی چہ حاصل؟
	❁	
جمالِ یار بہ پیشِ نظر اگر نبود	۴۳	ضیا بچشم و جلا در نظر نمی یابم
	❁	
شب فروغِ جبینِ اُو کافی ست	۴۴	یار را بے چراغ می بینم
من نہ تنہا ز دوریت تنگم	۴۵	ہمہ را بے دماغ می بینم
	❁	
بے خشونت ، ملایمت نبود	۴۶	صلح را بعدِ جنگ می بینم
	❁	
رساں نسیم بگلزارِ یار سوگندم	۴۷	کہ روز و شب بتماشایت آرزومندم
	❁	
شمار ہر دلِ پُر درد با گہر سازیم	۴۸	حساب ہر سرِ بے مغز با حباب کنیم
بہ منتہاے جمالت نگاہِ ما نرسد	۴۹	اگر چہ پیروی ماہ و آفتاب کنیم
	❁	
طالبِ وصلِ یار مُفت نیم	۵۰	عُمرِ صد انتظار می خواہم
	❁	
در خانہ خود لمحۂ بے یار نباشم	۵۱	در پہلوے اُو گرچہ کہ بسیار نباشم
	❁	

در گلستاں ہا تماشاے ہمیں گل می کنیم	۵۲	ہر کسے بیند گلے را، من بہ چشم روے یار
	✿	
باں گل رُخ بگو زیں داغ ہجرانے کی من دارم	۵۳	تو اے بادِ صبا، در لالہ زارِ دل تماشا کن
بجز ایں مرہم ندارد داغ عصیانے کہ من دارم	۵۴	ندامت پیشہ کن اے دل اگر داری شفا مقصد
تماشا کردنی باشد چراغانے کہ من دارم	۵۵	بیا در دل کہ از سوزِ محبت روشن ست اینجا
	✿	
بوالا دستگاہے می نویسم	۵۶	چہ پُرسی از عُروج نامۂ من
شکایت گاہ گاہے می نویسم	۵۷	مدام از نامۂ من شکر پیداست
	✿	
منّتِ آئینہ بُرد اِسکندر و از جام، جم	۵۸	خاطرِ آزاد در دُنیاے دوں محتاج نیست
	✿	
در جہاں بسیار مستند و بُود ہشیار کم	۵۹	خاکساری کو کہ عالم پُر شد از اہلِ غُرور
	✿	
گر بُود امروز یک سلطانِ عادل بر زمیں	۶۰	میکند اِحیاے عالم ہم چو عیسیٰ در جہاں
	✿	
براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو	۶۱	رمش چنداں شد و ایں نغمہ را خواند
	✿	
ہر رنگِ گلِ رُوے تو یک رنگ نہ دیدہ	۶۲	خورشید کہ ہر روز باطراف دویدہ
	✿	
✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿		✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿✿

مندرجہ بالا اِنتخاب ''دیوانِ اوّل'' سے کیا گیا ہے۔ جس میں نظام الملک نے مقطوں میں تخلُّص ''آصفؔ'' نظم کیا ہے۔ ''برات عاشقاں بر شاخ آہو'' یہ ضرب المثل مصرع نظام الملک کا ہے یہ دریافت بھی نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ ''دیوانِ دُوم''
کی لوح اور انتخاب آئندہ صفحوں پر ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لحکمَۃً وَاِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحْراً

دیوانِ دُوَّم

نواب مغفرت مآب نظامُ المُلک آصف جاہ

میر قمرُ الدّین خان

طاب ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ کہ در آن

شاکر تخلُّص فرمودہ اند

مطبوعۂ دار الطبع سرکار عالی حیدر آباد، دکن ۱۳۵۷ھ

نیست ممنونِ صبا ، پیغام دل	۱	قاصدِ ما ، نالہ ہائے زارِ ما
بہرِ ہر دردے، دوائے دیگر است	۲	پُرسشِ اُو ، دارُوئے بیمارِ ما
ہر کجا آسودہ دل، خلد است و بس	۳	خوابِ راحت سایۂ دیوارِ ما
	✿	
اَز دو عالم دولتِ دیداری خواہیم ما	۴	یک نگاہِ اِلتفات اَز یاری خواہیم ما
پیشِ نامحرم ز دردِ ہجر نالیدن چہ سود	۵	اَز خُدا یک محرمِ اَسراری خواہیم ما
غیر دَرد اَز حاصلِ گیتی چہ باید خواستن	۶	آہِ گرم و دیدۂ خونباری خواہیم ما
دَر بیابانِ طلب راہِ حرم گُم کردہ ایم	۷	یک مدد اَز خواجۂ احراری خواہیم ما
بے جمالِ یار شاکر سینہ دشتِ آتش است	۸	دَر جدائی چشمِ دریا باری خواہیم ما
	✿	
بسلاحِ دیگراں تیغست و ناوک	۹	بوَد تیرِ دُعا دَر ترکشِ ما
	✿	
آہِ دَرد آلود می باید مَرا	۱۰	نغمۂ داؤد می باید مَرا
شُکر للہ فارغم اَز نیک و بد	۱۱	نے زیاں نے سود می باید مَرا
	✿	
نیست با اَسبابِ دیگر حاجتم	۱۲	لُطفے اَز محبوب می باید مَرا
دَر غمِ دُوری و آلامِ فِراق	۱۳	طاقتِ ایوبؑ می باید مَرا
خوش ندارم اِختلاطِ عاقلاں	۱۴	صُحبتِ مجذوب می باید مَرا
	✿	
بہ تبسُّم نشود ہمتِ عاشق قانع	۱۵	نیم ساغر نکند سیرِ دلِ مستاں را

	✿	
لالۂ نیست دریں باغ کہ بے رنگ بود	۱۶	ہر طرف می نگرم جلوۂ یار است اینجا
ما دریں دامگہِ وہم نہ تنہا صیدیم	۱۷	عالمے دَر خمِ اندیشہ شکار است اینجا
ہر کہ پیوست بأو زینتِ دُنیا چکند	۱۸	دل بحق بند، بکونین چکار است اینجا
یاس دَر پیری و عشرت بجوانی باشد	۱۹	رنج و راحت ہمہ دَر لیل و نہار است اینجا
	✿	
ہرگز نگشائیم بروے دگرے چشم	۲۰	بے یار بفردوس چہ دارد نظرِ ما
تا ہیچکس اَسرارِ محبت نشناسد	۲۱	گر پُختہ شود، خام نماید ثمرِ ما
راہے کہ برونست ز سر منزلِ تحقیق	۲۲	پیچیدہ تر اَز مار بود دَر نظرِ ما
دَر ذائقۂ دوست بود تلخی ما شہد	۲۳	دَر کامِ عدو، تلخی حنظل شکرِ ما
	✿	
سحر ز ہاتفِ غیب ایں ندا بگوش آمد	۲۴	کہ اَز خودت بدر بند و یار را دریاب
	✿	
ز سرد و گرمِ جہاں، فارغند آزاداں	۲۵	گذشتن اَز سرِ اَوہام کارِ مردانست
ز جاں گذشتہ، بجاناں رسیدہ اَم شاکر	۲۶	متاعِ وصل، بایں نقد سخت اَرزانست
	✿	
محتسب را بہ درِ میخانہ ہرگز بار نیست	۲۷	منکراں را با تماشا گاہِ جنت کار نیست
غیر جاناں دَر حریمِ دل کسے را راہ نیست	۲۸	وقفِ آغوشِ صدف جز گوہرِ شہوار نیست
روشنست اَز حالتِ پروانہ و شمع، ایں سخن	۲۹	جاں سپُردن پیشِ جاناں آنقدر دُشوار نیست
ناصحا! گفتیم اَز من بشنو و خاموش باش	۳۰	ہیچ کفرے دَر طریقت بدتر اَز پندار نیست

از ریا بگذر کہ در چشمِ صفا کیشانِ عشق	۳۱	رشتۂ تسبیح زاہد، کمتر از زُنّار نیست
نقش و نگار بر رُخِ نیکو چہ حاجتست	۳۲	در چشم سُرمہ، وسمہ بر ابرو چہ حاجتست
باید کہ دل بذکرِ خُدا آشنا شود	۳۳	در پیشِ خلق نعرۂ یا ہو چہ حاجتست
در گلشنے کہ گُل نبود عندلیب کو	۳۴	جوشِ نیاز نیست بجزے کہ ناز نیست
فیضِ جنوں رسیدہ بدیوانگانِ عشق	۳۵	در شیخ و محتسب اثرِ سوز و ساز نیست
ہر نالۂ کہ خوں نکند دل، چہ نالہ است؟	۳۶	آں درد، درد نیست کہ طاقت گداز نیست
گر چہ خوبانِ جہاں دعویِ خوبی دارند	۳۷	چشم بد دُور بتُرا حُسن و جمالے دگر است
بہ بندِ سود و زیاں، کَے بود دلِ عاشق	۳۸	اسیرِ مہرِ تو از ہر دو عالم آزاد ست
با صفائے جلوہ ات آبِ رُخِ مہتاب نیست	۳۹	پیشِ رُخسارِ تو خورشیدِ جہاں را تاب نیست
بسکہ طوفانِ بہار امروز در گلزار ریخت	۴۰	رنگ چنداں موجِ شوخی زد کہ از دیوار ریخت
زہدانِ خشک محروم اند از فیضِ سرِ شک	۴۱	بے بصیرت قدرِ گوہر را چہ میداند کہ چیست
بر حقیقت وا رسیدن قدرتِ اوباش نیست	۴۲	دیدنِ خورشید، کارِ دیدۂ خفاش نیست
آب و رنگِ اصل از تقلید پردازاں مخواہ	۴۳	صورتِ معنی کشیدن، طاقتِ نقاش نیست

عاقل و فرزانہ محروم اند از ادراکِ عشق	۴۴	غیر مجنوں ہر کہ آمد زیں چمن غافل گذشت
بیا کہ بے تو دریں بزم شیشہ ہا خالیست	۴۵	بچشمِ منتظراں ،جلوہ کن کہ جا خالیست
بسوزِ نالۂ پنہاں چراغِ دل افروز	۴۶	اثر بود عملے را کہ از ریا خالیست
مستِ اُلفت را شرابِ دیگرے درکار نیست	۴۷	گردشِ چشمِ تو دیدم، ساغرے درکار نیست
حُسنِ ذاتی را نمی باشد بزیور احتیاج	۴۸	تیغۂ خورشید را روشنگرے درکار نیست
از کلاہ و خرقہ درویشی مخواہ	۴۹	فقر را آئین و شانے دیگر است
یادت ہمہ دم انیسِ جانست	۵۰	چوں بو کہ ببرگِ گُل نہانست
از دردِ دلم مپرس شاکر	۵۱	رنگِ رُخِ زرد ترجمانست
عارفاں را رغبتِ شوقِ تماشا تُہمتست	۵۲	دیدۂ عبرت بروے ایں جہاں وا کردہ اند
جان و دل و جگر ہمہ صیدِ نگاہِ اُوست	۵۳	ہر جا رسید ناوکِ شوخش بجا رسید
بوے از وصلِ یار می آید	۵۴	مُژدۂ نوبہار می آید
دوست دارم ازیں سبب جاں را	۵۵	کہ بکارِ نثار می آید

مصرعِ اول	شمار	مصرعِ دوم
جُز خیالِ تو بدل نیست ، بحشمت سوگند	۵۶	یعنی از غیر رمیدیم ، بوحشت سوگند
صفحۂ خاطرِ ما جلوہ گہ دلدار است	۵۷	نیست نقشے دگر ایں جا، بمحبت سوگند
وضعِ مایکجہت و یکدل و یکرو باشد	۵۸	عہدِ اُلفت بتو بستیم ، بوحدت سوگند
	✿	
خیالِ سیم و زر، در خاطرِ ما رہ کجا دارد	۵۹	قناعت پیشہ در جیبِ دلِ خود کیمیا دارد
اگر شمعِ کساں خواہی، زفکرِ خویش فارغ شو	۶۰	بکارِ کس نیاید آنکہ با خود کار ہا دارد
گہے بر صلح ، و گاہے بر سرِ جنگ است حیرانم	۶۱	نگارِ شوخِ بے پروائے مستم رنگہا دارد
	✿	
شاکر نمی شود بمعانی دلِ آشنا	۶۲	تا سر بآستانہ زانو نمی شود
	✿	
تا سرِ شک، از بنِ ہر موئے تو جاری نشود	۶۳	جامۂ ہستیِ تو ہیچ نمازی نشود
ہم چو تخلیست کہ از بار سبک افتادہ است	۶۴	لفظ اگر آئینۂ حسنِ معانی نشود
	✿	
مشتاقِ اُو بنامہ تسلی نمی شود	۶۵	لب تشنہ از سراب تشفی نمی شود
	✿	
حیرت زدہ آتش زباں ندارد	۶۶	آئینہ لبِ فغاں ندارد
با آنکہ جہاں نشانۂ اُوست	۶۷	آں جانِ جہاں نشاں ندارد
	✿	
مطلبے نیست بکونین دلِ مستاں را	۶۸	گوشۂ خانۂ خمار سلامت باشد
	✿	

قتلِ ناحق اگر چہ نیست روا	۶۹	یار اگر می کُشد روا باشد
اَز تیغِ حوادث چہ خطر داشتہ باشد؟	۷۰	آنکس کہ ز تسلیم سپر داشتہ باشد
بے برگ ز آفاتِ جہاں باک ندارد	۷۱	رنجست بنخلے کہ ثمر داشتہ باشد
یاراں دلِ بے عشق مرا دل نتواں گفت	۷۲	آن نخل بود نخل کہ بر داشتہ باشد
زنگِ بے نیازی ہاے سازِ اُو چہ پردازم	۷۳	بصد تقصیری بخشد، بیک تقصیری گیرد
تمیزِ کامل و ناقص نماند در عالم	۷۴	دریں زمانہ رواجِ گہر، صدف دارد
بردار سوے کعبہ بہمّت قدمے چند	۷۵	ہر چند دراں رہ نبود جز املے چند
خوابیدگاں کجا ز شبِ قدر آگہند	۷۶	دولت نصیبِ دیدۂ بیدار می شود
سخت رُویاں را بہر صورت نمی باشد حیا	۷۷	مشکل است از چشمۂ آئینہ آب آید بروں
جلوہ اش راسخت دُشوارست دیدن بے نقاب	۷۸	بررُخِ خورشید آساں کے تواں کردن نگاہ
بمکتوبے دلِ ما شاد کردی	۷۹	محبت خانہ آباد کردی
تغافل پرورا! وحشت طرازا!	۸۰	بحمد اللہ! کہ از ما یاد کردی
نمی آید ز شاکر غیر شکرت	۸۱	گر انعام و اگر بیداد کردی

اِس نوعیت کے مضمون میں اسقدر وسیع اِنتخابِ اشعار مَیں نے اِس لیے دیا ہے کہ اِس طرح اہلِ ذوق کی ضیافتِ طبع ہو جائے گی بلکہ اُن کے سامنے میر قمرُ الدّین شاگردِ آصف کا اسقدر کلام آجائے گا کہ نہ صرف اُن کے شاعرانہ مقام کا تعیُّن ہو سکے گا بلکہ بیدِلؔ کا کمالِ تربیت بھی نمایاں ہو جائے گا۔ تذکرہ ہائے شُعرا میں نظامُ المُلک آصفؔ جاہ اوّل کے چار پانچ سے زیادہ شعر نہیں ملتے۔ اور میری خوش قسمتی سے جو دو (۲) دیوان مجھے حاصل ہُوئے ہَیں وہ بھی نایاب نہیں تو کمیاب کے زُمرے میں ضرور ہَیں۔

(۲) شیخ سعدُ اللہ گلشنؔ

(شیخ سعدُ اللہ گُلشنؔ تاریخِ پیدائش ۱۰۷۵ھ اور تاریخِ وفات ۱۱۴۰ھ بہ حوالہ ''تاریخِ ادبِ اُردُو'' از ڈاکٹر جمیل جالبی صفحہ ۱۲۸ جلد دُوم طبع چہارم جنوری ۲۰۰۵ء)

شیخ سعدُ اللہ گلشنؔ کا شمار بیدِلؔ کے ارشد تلامذہ میں ہوتا ہے۔ شاہ گلشن نقشبندی سلسلے کے مرشد خواجہ عبدُ الاحدؔ کے مسترشد و تربیت یافتہ تھے۔ خواجہ عبدُ الاحدؔ، حضرت مجدّدِ الفِ ثانی کے پوتے تھے۔ خواجہ عبدُ الاحدؔ فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ فارسی میں وحدت اور ریختہ میں گُل تخلّص کرتے تھے۔

۱	اَسرار الفقر	۳	تصنیف شریف
۲	نوارقص الروافض	۴	گلشنِ وحدت

اُن کی تصانیف ہَیں۔ خوشگو نے ''سفینۂ خوشگو'' میں خواجہ عبدُ الاحد، وحدتؔ و گُلؔ کے مختصر حالات تحریر کیے ہَیں اور اُن کے دس (۱۰) شعر تیمناً و تبرُّکاً نقل کیے ہَیں۔ لیکن حضرت شاہ وحدتؔ و گُلؔ کی تاریخ وفات لکھنے میں یا تو خود خوشگو کو سہو ہُوا ہے یا کاتب نے نقل کرنے میں غلطی کی

ہے۔ ''سفینۂ خوشگو'' کی عبارت یہ ہے:

''دَرعہد بادشاہ شہید محمد فرّخ سیر بہ سال ہزار و بست و شش (۱۰۲۶ھ) وصال کرد رحمۃ اللہ علیہ''۔ یہاں یہ اِشکال پیدا ہوتا ہے کہ خود شیخ سعدُاللہ گلشن کی تاریخِ پیدائش ۱۰۷۵ھ ہے۔ اِس صورت میں شیخ سعدُاللہ گلشن کا اُن سے فیضیاب ہونا ممکن نہیں ہے۔ حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدِّ دالف ثانی کی تاریخ وفات ''دائرۂ معارف اِسلامیہ'' جلد دُوم، صفحہ ۱۲۸ پر ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء تحریر ہے۔ حضرت احمد فاروقی سرہندی مجدِّ دالف ثانی کی تاریخ وفات ''شیخ عبدُالاحد المعروف بہ میاں گُل، حضرت احمد فاروقی سرہندی مجدِّ دالف ثانی کے فرزند شیخ محمد سعید کے بیٹے تھے۔ (بہ حوالہ ''رُودِ کوثر'' از شیخ محمد اکرام، صفحہ ۳۳۷) اور شیخ محمد سعید کا سالِ وفات ۱۰۷۰ھ مطابق ۱۶۵۹ء ہے۔ (بہ حوالہ ''رُودِ کوثر'' از شیخ محمد اکرام، صفحہ ۳۳۶) اور شہنشاہ محمد فرّخ سیر کی تاریخ وفات ۱۱۳۱ھ ہے۔ مندرجہ بالا دلائل کے مطابق راقم السطور رفیع حامد کی رائے میں شیخ عبدُالاحد وحدت گُل کی تاریخِ وفات ۱۱۲۶ھ قرار پاتی ہے۔

خوشگو لکھتے ہیں ''دیوان مختصرے از آنجناب (شیخ عبدُالاحد وحدت گُل) یادگار است چند شعر تیمناً و تبرکاً بقیدِ قلم می آید'' اُن میں سے تین (۳) شعر مندرجہ ذیل ہیں:

(حضرت وحدت گُل)

دلِ وحدت منش از خلق مکدّر نہ شود
گر کتابِ تو بُود یک ورق ابتر نہ شود
جلوہ گاہِ شمعِ رُویش، دوش ایں کاشانہ بود
پردہ ہائے دیدہ، فانوس و نگہ پروانہ بود
باگرمیِ بازارِ تو اے آفتِ جاں
خورشید قیامت، سپر انداختہ است

شیخ عبدُ الاحد وحدتؔ کے دیوان کے بارے میں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ''رُودِ کوثر'' کے صفحہ ۳۳۷ کے حاشیے میں شیخ محمد اکرام اطلاع فراہم کرتے ہیں کہ'' آپ کا ضخیم (دیوانِ وحدتؔ) ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں ہے''۔

سعدُ اللہ گلشنؔ ابتدائے شاعری میں صاحبِ ''کلماتُ الشعرا'' محمد افضل سرخوشؔ سے مشورہ کرتے تھے۔ لیکن بیدلؔ سے متعارف ہونے کے بعد اُن کے تبحرِ علمی اور اُسلوبِ سخن سے متاثر ہوکر اُنؔ کی شاگردی اختیار کی اور تا حیات بیدلؔ اُن کے خوشہ چیں رہے۔ شاہ گُلؔ کی مناسبت سے اُن کا تخلص ''گلشنؔ'' بیدلؔ کا تجویز کردہ ہے۔

بیدلؔ نے شاہ گلشنؔ کی شعری و ادبی تربیت اس اہتمام سے کی کہ اُن کا شمار اَساتذۂ وقت میں ہونے لگا۔ چنانچہ شاہ سعدُ اللہ گُلشنؔ شاعری میں اُردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ولیؔ دکنی کے اُستاد تھے اور شاہ گُلشنؔ کے اُستاد میرزا عبد القادر بیدلؔ یعنی بہ اعتبارِ نسبِ تلمذ ولیؔ دکنی، بیدلؔ کے پوتے شاگرد ہیں۔ اِس طرح بیدلؔ اُردو شاعری کے جدِ امجد قرار پاتے ہیں'' اپنے رسالہ ''نورِ معرفت'' کے اختتام پر ولیؔ لکھتے ہیں:

''مصنف ایں عبارت کہ بہ یُمنِ ثناء پردازیِ بزرگاں بہ خطاب ولیؔ سرفراز است و از شاگردیِ زُبدۃُ الواصلین حضرت شاہ گلشنؔ ممتاز'' (''کلیاتِ ولیؔ'' مرتبہ نورالحسن ہاشمی۔ صفحہ ۴۰)۔ صاحبِ ''سفینۂ خوشگو'' بندرا بن داس خوشگو اپنے سفینہ میں ''احوال شاہ گُلشنؔ'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

گُلشنِ معنی ، جنابِ شیخ سعدُ اللہِ ما
قبلۂ ما ، پیرِ ما ، اُستادِ ما و شاہِ ما

دَرویش شاہ منش و شاہ دَرویش وَش، اعلیٰ مقام فرخندہ انجام بود از شیخ زادگانِ صحیح النسب بُرہان پور بحقایق و معارف معروف بہ فضائل و کمالات مشہور بود...... آنقدر رمیدگی داشت

کہ اگر دَر وقتِ مشغولیِ سخن کے باوصفِ آشنائیِ قدیم بخدمتش می آمد بار نشستن نمی یافت وہماں رجع القہقری می ورزید ۔فقیر راقم کہ دَر جناب وے بندگی خاص وشاگردی داشت، تا یک پاس بلکہ زیادہ اِنتظار کشید وباریاب نہ شُدہ“ ۔

مندرجہ بالا اِقتباس سے ثابت ہوتا ہے کہ بندرا بن داس خوشگو نے بیدلؔ کی وفات کے بعد شیخ سعدُ اللہ گلشن کی شاگردی اِختیار کرلی تھی ۔خوشگو لکھتے ہیں کہ شاہ گُلشن کا کلیات سات (۷) دیوان پر مشتمل ہے اور اشعار کی تعداد، ایک لاکھ بیس ہزار ہے ۔شیخ سعدُ اللہ گلشن کی نثر رنگین، مسجع اور شاعرانہ ہوتی تھی ۔شاہ سعدُ اللہ گُلشن کو فنِ موسیقی میں بھی ایسا کمال حاصل تھا کہ کاملانِ فن کہتے تھے کہ شاہ گُلشن ہمارے زمانے کے امیر خسرؔو ہیں ۔شاہ گُلشن کا اِنتقال بہ عُمر پینسٹھ (۶۵) سال ،محمد ناصر کی حویلی میں ہُوا جو صدر بازار میں واقع تھی ۔

خوشگو لکھتے ہیں کہ اکیس (۲۱) روز مرضِ اِسہال میں صاحب فراش رہ کر اتوار کے دن اکیس جمادی الاولیٰ ۱۱۴۰ھ......کو اِنتقال ہُوا......فقیر خوشگو نے اُن کی رحلت کی تاریخ اِس مصرع سے نکالی:

جائے گلشن بہ بہشتِ ابدی= ۱۱۴۰ھ“ ۔

”سفینۂ خوشگو“ دفتر ثالث مُرتبہ عطاؔ کاکوی میں بھی مصرع کا اِملا مندرجہ بالا ہی ہے ۔اور ”تاریخ ادبِ اُردُو“ جلد دُوم کے صفحہ ۱۲۸ کے حاشیے میں مصرع تاریخ کو مندرجہ بالا صورت ہی میں نقل کیا گیا ہے ۔نعیم حامد مؤدبانہ عرض کرتا ہے کہ اِس مصرع کے عدد ۱۱۳۵ ہوتے ہیں ۔

ج	ا	ی	گ	ل	ش	ن	ب	ہ	ب	ہ	ش	ت	ا	ب	د	ی	☆
۳	۱	۱۰	۲۰	۳۰	۳۰۰	۵۰	۲	۵	۲	۵	۳۰۰	۴۰۰	۱	۲	۴	۱۰	=۱۱۳۵

بصد وِقّت تواں فہمید معمیاے نازِ او	✿	کہ شرحِ حکمت العین است مژگانِ درازِ او
بیادت گر کنم در جانبِ صحرا نگاہے را	✿	شناسم سبزۂ خط تو ہر برگِ گیاہے را

اگر جس طرح مندرجہ بالا اشعار میں ''بصد'' اور ''بیادت'' لکھا گیا ہے ''بہ بہشت'' کو بھی ''بہشت'' لکھا جائے تو ۱۱۴۰ھ تاریخ نکلے گی۔ شیخ سعد اللہ گلشن کے مندرجہ بالا اشعار ''سفینۂ خوشگو'' سے نقل کیے گئے ہیں۔ اور شیخ سعد اللہ گلشن کے مندرجہ ذیل اشعار ''رودِ کوثر'' کے صفحہ ۶۲۴ سے نقل کیے جاتے ہیں:

بدرش رفتہ ، سجدہ ہا کردم	منّتِ پائے ماست بر سرِ ما
سخت جاناں نیستند از چارہ سازاں کامیاب	مومیائی نفع کے بخشد شکستِ سنگ را
بکلکِ من صورت کشِ صد معنیِ رنگیں رواست	گر کند گلشن تخلّص بلبلِ طبعم رواست
بر دیوانگی سلامت باد	رازِ مارا چہ پردہ پوشی کرد
حیرت بہارِ گلشنِ نظارۂ خودیم	آئینہ خانۂ دلِ صد پارۂ خودیم
زشوقِ مہر رخسارے کہ چشمم گریہ پیرا شد	چو گوہر در گرہ ہر اشکِ من دارد سحر گاہے
مکن باور بجز نے قطعِ الفت کرد شوخِ من	کہ چوں مقراض ایں ظالم زباں زیرِ زباں دارد
ماہ و سالم بے تو در روزِ سیاہ مستور بود	چوں نگاہِ کور، عمرِ من شبِ دیجور بود
بہ چشمِ خویش نگر، سحرِ سامری این است	نظر بہ آئینہ کن، شیشہ و پری این است
گشتم شہید تیغِ تغافل کشیدنت	جانم ز دست برد غزالا نہ دیدنت

(۳) بندرابن داس خوشگو

بندرابن داس خوشگو نے گرچہ ''سفینۂ خوشگو'' میں خود کو بیدل کا شاگرد نہیں لکھا ہے۔ لیکن اکثر تذکرہ نگاروں نے انہیں بیدل کا شاگرد لکھا ہے۔ میرے پیشِ نظر ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث مرتبہ سیّد شاہ محمد عطاء الرحمٰن عطا کاکوی ہے۔ ''عرضِ مرتب'' میں عطا صاحب لکھتے ہیں: خوشگو

خود شاعر بود و از شُعَرائے نادرۂ آں زمان فیض حاصل کردہ۔ در اِبتداء بہ سن چہاردہ سالگی از سر

خوش اِستفادہ کردہ و تخلُّصِ خویش از و یافت، از بیدلؔ و گلشنؔ ہم بسیار مربوط بود و از او شاں نیز

کسبِ سعادت کرد و لے آخر حال از سراج الدّین علی خاں آرزوؔ منسلک شُد و مدّت مدید بست و

پنج سال در خدمتِ او بسر کرد“ (صفحہ الف)۔

”مجمع النفائس آرزوؔ“ مصنفہ: سراج الدّین علی خاں آرزوؔ میں آرزوؔ تحریر فرماتے ہیں:

اِستفادہ بسیار از خدمتِ بزرگانِ فن مثل میرزا عبدُ القادر بیدلؔ و مرزا افضل سرخوشؔ و حضرت شیخ

سعدُ اللہ گلشنؔ قُدِّس سرّہٗ نمودہ از مدّتِ بست و پنج سال تخمیناً با ایں ہیچمداں ربطِ کلّی بہم رسانیدہ و

ایں عاجز ہم در تربیتِ او بہ تقصیر از خود راضی نشدہ و نیست“۔

(بہ حوالہ ”سفینۂ خوشگوؔ“ دفتر ثالث مرتبہ عطاؔ کاکوی، صفحہ ج)

تذکرہ ”گُلِ رعنا“ کے مصنف لچھمی نرائن شفیقؔ اورنگ آبادی لکھتے ہیں:

خوشگوؔ اسمیست با مسمّی و عندلیبے است رنگین نوا۔ فیضہا از برکاتِ صحبتِ بُزرگان و سخن

سنجان برداشتہ مثل مرزا عبدُ القادر بیدلؔ و محمد افضل سرخوشؔ و شیخ سعدُ اللہ گُلشنؔ و مشقِ شعر از نظر

سراج الدّین علی خاں آرزوؔ گذرانیدہ“۔

(بہ حوالہ ”سفینۂ خوشگوؔ“ دفتر ثالث مرتبہ عطاؔ کاکوی، صفحہ: د)

ڈاکٹر عبدُ الغنی ”روحِ بیدلؔ“ کے صفحہ نمبر ۳۶۰ پر لکھتے ہیں: بیدلؔ سے اِستفاضے کے

متعلق خوشگوؔ کہتے ہیں: ”از عنفوانِ شعور بہ خدمتش بندگی داشتہ، و رسائل عروض و قافیہ و معما اکثر

دواوینِ تازہ گویاں پیشِ اوگزرانیدہ.........سفینۂ خوشگو کی جلد دُوم صرف بانکی پور لائبریری میں موجود ہے اور قاضی عبدُالودود صاحب بار ایٹ لا بانکی پور نے بڑی محنت سے اِن تمام حالات کو وہاں سے اکٹھا کر کے معارف اعظم گڑھ کے مئی اور جولائی کے پرچوں میں شائع کرا دیا ہے۔"

راقم السّطور کو اِس امر میں کوئی شک نہیں ہے کہ خوشگو؛ بیدؔل کے شاگرد تھے لیکن اِس بات کا اعتراف خوشگو کے قلم سے "سفینۂ خوشگو" دفتر ثالث مُرتّبہ عطا کاکوی میں نہیں ملا۔اور نہ ڈاکٹر صاحب کی اِقتباس کردہ یہ عبارت "از عنفوانِ شعور بہ خدمتش بندگی داشتہ، ورسائل عَروض وقافیہ ومعما واکثر دواوینِ تازہ گویاں پیشِ اوگزرانیدہ" ڈاکٹر صاحب نے حوالہ سفینۂ خوشگو کی جلد دُوم کا دیا ہے۔یقیناً یہ عبارت جلد دُوم میں ہوگی۔

بندرابن داس خوشگو کے حالات کماحقہ معلوم نہیں ہیں لیکن بعض تذکروں اور خود" سفینۂ خوشگو" سے ضمناً جو حالات معلوم ہوتے ہیں وہ اِسقدر ہیں کہ اُن کا وطن متھرا تھا۔وہ اپنی عملی زندگی کی اِبتدا میں نوکر پیشہ تھے۔بعد میں مسلکِ فقر اختیار اور لباسِ فقرا میں آزادانہ زندگی بسر کی۔اور کبھی بنارس میں، کبھی الٰہ آباد میں اور کبھی عظیم آباد میں رہے۔بالآخر گیارہ سَو ہجری کے بعد ساتویں عشرے میں عظیم آباد میں اپنی جان، جاں آفریں کے سپُرد کی۔امیر خاں انجاؔم اُن کی ضرورتوں کے لیے دو روپیہ یومیہ دیا کرتے تھے۔تعجب اِس بات پر ہے کہ اُنہوں نے امیر خاں انجاؔم کے حالات اپنے سفینہ میں تحریر نہیں کیے ہیں۔"سفینۂ خوشگو" کے سوا اُن کی کوئی تصنیف دستیاب نہیں ہے۔حتیٰ کہ اُن کا دیوان بھی نہیں ملتا۔بہ قولِ خود اُنہوں نے بیدؔل

کے ملفوظات بھی لکھے تھے لیکن مقامِ حسرت ہے کہ اُن کی یہ تالیف بھی بہ قرینۂ غالب تلف ہو گئی ہے۔ خوشگو نے ایک ''مُرقّع'' بھی مُرتّب کیا تھا جس میں اُنہوں نے معاصر شُعَرا کے قلم سے لکھا ہُوا اُن کا کلام جمع کیا تھا۔ یہ بھی ناپید ہے۔

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث مرتّبہ عطا کاکوی، صفحہ: ج)

خوشگو لکھتے ہیں: فقیر خوشگو درعُمرِ خود زیادہ از ہزار مرتبہ بخدمتش مستفید شدہ ...... بہر حال فقیر از مُعتقدات آنچہ دیدہ ام سطرے چند بے ادبانہ نگاشتہ ام، اگر کسے را بمذاق خوش نیاید مختار است باید کہ ایں اَوراق را از مطالعہ موقوف نماید قسم بجانِ سُخن کہ جانِ من است وخاکپاے اربابِ سُخن کہ ایمانِ من است کہ فقیر درین مدّتِ عمر کہ پنجاہ وشش مرحلہ طے کردہ، با ہزاران مردُم ثِقہ برخوردہ می باشم لیکن، بہ جامعیّتِ کمالات وحسنِ اخلاق وبزرگی وہمواری وشگفتگی ورسائی وتیزفہمی وژُودرسی واندازِ سُخن گفتن وآدابِ معاشرت وحسنِ سلوک ودیگر فضائل انسانی ہمچو وے ندیدہ ام واز کسے کہ اورا بسیار وکم دیدہ است اِنصاف می خواہم اما بشرطے کہ منصف باشد نہ متعصّب۔ بالجملہ آں جناب از الٰہیات وریاضیات وطبعیات کم وبیش چاشنی بلند کردہ بود وطبابت ونُجوم ورمل وجفر وتاریخ ودانی وموسیقی بسیار آشنا بود تمام قصۂ مہابھارت کہ در ہندیاں ازاں معتبر کتابے نیست بیاد داشت ودرفنِ اِنشا منشیِ بےنظیر چنانچہ چہار عُنصر، رُقعاتِ او بریں دعویٰ دلیل ساطع است ودر نثر چیزے کہ عیاں است، چہ محتاجِ بیان است''

(سفینۂ خوشگو صفحہ ۱۲۰ ر ۱۱۷، دفتر ثالث)۔

''سفینۂ خوشگو'' احوالِ بیدؔل کا اہم ماخذ ہے۔ اِس تذکرے میں بیدؔل کے حالات دیگر تذکروں کے مقابل زیادہ تفصیل سے تحریر کیے گئے ہیں۔ خوشگو اِسقدر والہانہ انداز میں بیدؔل کا

ذکر کرتے ہیں محسوس ہوتا ہے کہ اُستادِ سخن نہیں، دینی رہنما کے بیان میں رطب اللسان ہیں۔
خوشگو نے مختلف مواقع پر بیدلؔ کی مدح میں اشعار و رباعیاں کہی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔ خوشگو لکھتے ہیں کہ بیدلؔ کے ایک غلام کا نام مضمونؔ تھا، اِس مناسبت سے مَیں نے شعر کہا:

بیدلؔ کہ تختِ گاہِ فصاحت مقامِ او
معنی کنیزِ او شد و مضموں غلامِ او

بیدلؔ کی شہ زوری کے بارے میں اُنہوں نے مندرجہ ذیل رُباعیاں کہیں:

فقیر ایں دو رُباعی در وصفِ زورِ ایشاں گفتہ:

اے زورِ تو دندان شکنِ اہلِ سخن		خوش گوے ضعیف را چہ یارائے دہن
گر زور کند بیک دو حرفِ تعریف		حقا کہ شود زبانِ رُستم الکن
	✿	
زورِ تو دلِ فلک گدازد چوں برف		ویں بادہ زبس زور نگنجد در ظرف
گر خامہ بوصفِ او نویسد ورقے		گر دد صد ریزہ اُستخواں بندِ حرف

✿

مرزا بیدلؔ کہ رہ نمائے سخن است		پیغمبر و غوث وپیشوائے سخن است
یکتاست در آفریدنِ طرزِ کلام		باللہ کہ پئے سخن، خدائے سخن است

خوشگو نے بیدلؔ کی تاریخِ وفات مندرجہ رُباعی میں نظم کی:

افسوس کہ بیدلؔ ز جہاں رُوے نہُفت		واں جوہرِ پاک درتہِ خاک بخُفت
خوشگو چو ز عقل کرد تاریخ سوال		''از عالم رفت میرزا بیدل'' گفت
	✿	۱۱۳۳ھ

اور ایک فقرۂ تاریخ کہا، اِس فقرے کو تاریخ گوئی کا اعجاز کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا:

"یوم پنج شنبہ چہارُم ماہ صفر" اِس میں دن، تاریخ، مہینہ اور سال خوبی سے سمویا گیا ہے کہ تکلّف کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔

(۴) شیخ سراج الدین علی خان آرزوؔ

کسی صاحب علم و مربّی و تخلیق کار کی اہمیت کا اندازہ اِس امر سے بھی کیا جاتا ہے کہ اُس کے عہد پر اُس کے اثرات کس قدر دیرپا اور دُور رَس تھے، اور اُس نے زندگی کے کتنے شعبوں کے صاحبانِ اختصاص و مشاہیر کو متاثر کیا۔ بیدلؔ اِس اعتبار سے بھی سرفراز و ممتاز ہیں۔ اُن کا ایک ایک شاگرد ایسے سلسلۂ بذل و عطائے فن کا بانی نظر آتا ہے جس کا ہر حلقہ زرِ خالص سے عبارت ہے۔

بیدلؔ کے ایسے شاگردوں میں خان آرزوؔ اُس مقامِ عبقریّت پر فائز ہیں کہ اگر اُن کے یہی ایک شاگرد ہوتے تو بھی بیدلؔ کے لیے باعثِ افتخار ہوتے۔

خان آرزوؔ کا نام شیخ سراج الدّین علی، تخلّص آرزوؔ اور خطاب "استعداد خاں" تھا۔ اُن کا سالِ پیدائش ۱۰۹۹ھ مطابق ۸۸-۱۶۸۷ء اور سالِ وفات ۱۱۶۹ھ مطابق ۱۷۵۶ء ہے۔ خان آرزوؔ طویل عرصہ بیدلؔ کے زیرِ تربیت نہیں رہے لیکن بیدلؔ نے اپنی سیرت و افکار سے شمالی ہند اور بالخصوص دہلی میں جو اعلا علمی و ادبی ماحول و مزاج تخلیق کیا تھا، خان آرزوؔ آخر دم تک اُس کے زیرِ اثر رہے۔ خود خان آرزوؔ کے تلامذہ اور فیض یافتہ افراد میں دُنیائے شعر و ادب کی ایسی شخصیات نظر آتی ہیں جو اپنے اپنے دائرۂ کار میں قُطبِ وقت کا درجہ رکھتی ہیں۔ اُن میں نمایاں ترین کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

میرؔ، سوداؔ، دردؔ، آبروؔ، مضمونؔ، یکرنگؔ، حاتمؔ لاہوری، خواجہ محمد یحیٰؔ، آنند رام مخلصؔ، ٹیک چند بہارؔ۔ بندرابن داس خوشگوؔ نے بھی اپنا تذکرہ "سفینۂ خوشگو" اصلاح کے لیے

خان آرزوؔ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔

خان آرزوؔ نغز گو شاعر، ماہرِ لغت و لسانیات، محقق اور نقاد تھے۔ وہ فارسی، سنسکرت اور اُردو کے ساتھ علاقائی زبانیں برج بھاشا، پنجابی، اودھی اور ہریانی بھی جانتے تھے۔ علمِ عروض، فنِ تاریخ گوئی اور موسیقی میں اُنھیں ماہرِ فن کا مقام حاصل تھا۔

خان آرزوؔ سے چھبیس (۲۶) تصانیف یادگار ہیں اور ہر تصنیف اپنے موضوع پر دائرۂ معارف کا درجہ رکھتی ہے۔ تفصیل اُن کی حسب ذیل ہے۔

۱	دیوانِ آرزوؔ	جس میں غزلیات، قصائد اور مختصر مثنویاں شامل ہیں۔
۲	دیوانِ آرزو	شفیعائیؔ شیرازی کے جواب میں۔
۳	دیوانِ آرزوؔ	دیوانِ سلیم کے جواب میں۔
۴	دیوانِ آرزوؔ	دیوانِ فغانیؔ کے جواب میں۔
۵	دیوانِ آرزوؔ	آخری عُمر کا کلام
۶	دیوانِ آرزوؔ	دیوانِ کمالؔ خجندی کے جواب میں یہ صرف ردیف (د) تک ہے
۷	مثنوی شورِ عشق معروف بہ سوز و ساز	زلالیؔ کی مثنوی ''محمود و ایازؔ'' کے جواب میں
۸	مثنوی جوش وخروش	نوعیؔ کی مثنوی ''سوز و گداز'' کے جواب میں
۹	مثنوی مہر و ماہ	شاعر سلیمؔ مثنوی ''قضا و قدر'' کے جواب میں
۱۰	مثنوی عالمِ آب	ساقی نامہ ظہوریؔ کے جواب میں

لغت و لسانیات، فنِ بلاغت، نقد و نظر، شروح، تذکرہ نگاری اور فنِ انشاء میں خان آرزوؔ کے علمی تبحر کی شاہدِ عادل یہ کتابیں ہیں۔

۱	سراج اللغات	۷	تنبیہ الغافلین
۲	چراغِ ہدایت	۸	سراج منیر
۳	نوادر الالفاظ	۹	دادِ سخن
۴	مثمر	۱۰	خیابان (شرح گلستانِ سعدی)
۵	عطیۂ کبریٰ	۱۱	شگوفہ زار (شرح سکندر نامہ)
۶	موہبتِ عظمیٰ	۱۲	شرح قصائد عرفی
۱۳	پیامِ شوق (مجموعۂ مکاتیب)	۱۵	آبروئے سخن (در صفتِ حوض وفوارہ)
۱۴	گلزارِ خیال (موسمِ بہار اور ہولی)	۱۶	تذکرہ مجمع النفائس۔شعرا کے حالات اور انتخابِ کلام

(مندرجہ بالا معلومات ''تاریخِ ادبِ اُردو'' جلد دُوم از ڈاکٹر جمیل جالبی سے ماخوذ ہیں)

صاحب ''مرقعِ دہلی'' درگاہ قلی خاں لکھتے ہیں:

''روزِ عرسِ میرزا بیدِلؔ مرحوم بہ نسبتِ شاگردیش بزم آرا می گردد و عالمے را از صافی خانہ افکار، زلّہ چینِ منّت می گرداند'' ''میرزا بیدِلؔ مرحوم سے آپ کو شاگردی کی نسبت ہے۔اِس لیے اُن کے عُرس کی تقریبات میں شرکت کرتے ہیں اور حاضرین کو اپنے پاکیزہ افکار سے ممنون فرماتے ہیں''۔راقم السطور کے پیشِ نظر ''مرقعِ دہلی'' کا وہ نسخہ ہے جو بہ ترجمہ وتصحیح ڈاکٹر نورالحسن انصاری صدر شعبۂ فارسی، دانشگاہ دہلی ،اکتوبر ۱۹۸۲ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ڈاکٹر عبدالغنی ''رُوحِ بیدلؔ'' کے صفحہ نمبر ۳۷۶ /۳۷۵ پر لکھتے ہیں: ''خود اپنے تذکرہ مجمع النفائس میں لکھتے ہیں کہ اُنھیں دو بار عہدِ فرّخ سیرؔ میں بیدلؔ کی خدمت میں حاضر ہونے اور مستفید ہونے کا موقع ملا۔۔۔۔۔۔خان آرزو نے بیدلؔ کی وفات پر ایک مرثیہ لکھا جو کابل میں پایا جاتا

ہے اور جس کا ایک مصرع مندرجہ ذیل ہے: ابن العربی بود بہ فرس''۔

راقم السطور نعیم حامد علی نے خان آرزو کو زمرۂ شاگردانِ بیدل میں شمار ''مرقعِ دہلی'' اور ''روحِ بیدل'' کے مندرجات پر اعتماد کرتے ہوئے کیا ہے۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث، جس میں آرزو کے خود نوشتہ حالات تحریر ہیں۔ اُن میں نہ تو آرزو نے اور نہ خوشگو نے اِشارتاً بھی یہ نہیں لکھا کہ آرزو، بیدل کے شاگرد تھے۔

جب کہ آرزو شاعری میں میر عبدُ الصمد سخن شاگردِ بیدل سے اِستفادے کا ذکر اِن الفاظ میں کرتے ہیں: ''...... دو سہ ماہ بخدمت میر عبدُ الصمد سخن کہ بہ علاقۂ مُشرفے جزیہ در آنجا تشریف داشتند، اشعارِ خود گذرانیدم، حسب تقدیرِ آسمانی میر مرحوم اَز ''گوالیار'' بہ ''اکبر آباد'' تشریف بردند، فقیر مدّتے با بیکسی و تنہائی دمساز بود''۔

(''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث صفحہ ۳۱۳)

مصحفی ''عِقدِ ثُریا'' (تذکرہ فارسی گویاں) میں آرزو کے حالات میں لکھتے ہیں:

''...... از آغازِ بہارِ ریعانِ جوانی در گلستان ہمیشہ بہارِ کلامِ موزوں چوں بلبلِ خوش الحان لب بہ ترانہ سنجی کشودہ از خدمتِ میر عبدُ الصمد سخن اِستفادہا نمودہ''۔

(صفحہ ۲۸، طبع دُوم ۱۹۷۸ء، انجمن ترقّیِ اُردُو، کراچی)

تذکرہ ''گُلِ عجائب'' از اسدُ اللہ خاں تمنّا اورنگ آبادی، نے بھی خان آرزو کے اوّلیں اُستادِ شعر کا نام میر عبدُ الصمد سخن تحریر کیا ہے۔ باب الالف صفحہ ۹، پہلا اکادمی ایڈیشن ۱۹۸۵ء، اُترپردیش اُردُو اکادمی، لکھنؤ۔

''دائرہ معارفِ اسلامیہ'' کے مقالہ نگار جناب (ڈاکٹر) وحید قریشی نے بھی آرزو کے اُستاد میر عبدُ الصمد سخن اور اُن کے بعد میر غلام علی احسنی گوالیاری سے اِستفادے کا ذکر کیا ہے۔

(اور خود آرزو نے بھی ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث میں میر عبدالصمد سخن کے بعد فنِ شاعری میں میر غلام علی احسنؔ گوالیاری سے مستفید ہونے کا اعتراف کیا ہے۔ نعیم) مندرجہ بالا تذکروں کے سوا میرے کتب خانے میں جو تذکرے محفوظ ہیں اور دیگر مراجع میں خان آرزو کے کسی تذکرہ نگار نے اُن کے کسی اُستاد کا ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ تذکرے مندرجہ ذیل ہیں:

۱	گلشنِ ہند از میرزا لطف علی، پہلا اکادمی ایڈیشن ۱۹۸۶ء، اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ۔
۲	آبِ حیات از محمد حُسین آزاد، رام نرائن لال بینی مادھو پبلشر و بک سیلر، الہ آباد ۱۹۶۴ء
۳	شعرائے اُردو از میر حسن، پہلا اکادمی ایڈیشن، ۱۹۸۵ء، اتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ
۴	مسرّت افزا از ابوالحسن امیر الدّین امر اللہ الہ آبادی ۱۹۶۸ء علم مجلسی کتب خانہ، دہلی۔
۵	گلشنِ سخن از مردان علی خاں مبتلا لکھنوی، ۱۹۶۵ء، انجمن ترقیِ اُردو ہند، علی گڑھ۔
۶	نکات الشعرا از میر تقی میر، ۱۹۷۹ء، انجمن ترقیِ اُردو پاکستان، کراچی۔
۷	ہمیشہ بہار از کشن چند اخلاص، ۱۹۷۳ء، انجمن ترقیِ اُردو پاکستان، کراچی۔
۸	گلشنِ ہمیشہ بہار از نصر اللہ خاں خویشگی، ۱۹۶۷ء، انجمن ترقیِ اُردو پاکستان، کراچی۔
۹	گلشنِ بے خار از نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، اکتوبر ۱۹۷۳ء مجلس ترقیِ ادب لاہور۔
۱۰	طبقات الشعرا از قدرت اللہ شوق، جنوری ۱۹۶۸ء مجلس ترقیِ ادب لاہور۔
۱۱	تاریخِ ادبِ اُردو از ڈاکٹر جمیل جالبی، جنوری ۲۰۰۵ مجلس ترقیِ ادب لاہور۔

خان آرزو کا تذکرہ ''مجمع النفائس'' میری دسترس میں نہیں ہے کہ اُس سے یہ بات یقین کے درجہ تک پہنچ جاتی کہ وہ بیدلؔ کے شاگرد ہیں یا نہیں ہیں! مگر یہ بات بھی کم اہم نہیں ہے کہ خان آرزو، بیدلؔ کے شاگرد میر عبدالصمد سخن کے شاگرد ہیں اس طرح بیدلؔ اُن کے دادا اُستاد تو ہوتے ہی ہیں!۔

(۵) آنند رام مخلص

مخلص فارسی کے خوش بیان و معنی آفریں شاعر اور صاحب اُسلوب اِنشاء پر داز تھے۔ مخلص شاعری میں بیدل کے شاگرد تھے۔ بیدل کی وفات کے بعد خان آرزو کے دامنِ تربیت سے تاحیات وابستہ رہے۔

مخلص کا خاندان تین پشتوں سے، فارسی زبان و انشاء پردازی میں ممتاز اور دربار شاہی میں رسائی و رُسوخ سے بہرہ مند تھا۔ مخلص کے والد راجہ ہر دے رام، محمد شاہ کے وزیرِ اعظم اعتماد الدولہ محمد امین خاں بہادر نصرت جنگ کے وکیل تھے۔

خود مخلص، اعتماد الدولہ کے وکیل کے منصب پر ۱۱۳۲ھ میں متمکن ہوئے اور ۱۱۵۳ھ میں "رائے رایاں" کے خطاب سے سرفراز کیے گئے۔ مخلص کی صفاتِ حمیدہ کے اِثبات میں خان آرزو اپنی گواہی نہایت پُر جوش اُسلوب میں رقم کرتے ہیں "اُس کے حُسنِ اخلاق، انسانیت اور وفا کوشی کے بارے میں کہاں تک لکھا جائے۔ شاہجہاں آباد میں فقیر آرزو کا قیام اُسی کے اخلاص کے باعث ہے۔ گذشتہ ۳۳ سال سے آج تک اُس نے محبت و مودّت سے پہلو تہی نہیں کی ہے"۔ مخلص کے فارسی دیوان کے اشعار کی تعداد دس ہزار بتائی جاتی ہے۔ مخلص کی تصانیف کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

۱	کارنامۂ عشق۔ (مثنوی) ۱۱۴۴ھ/۳۲-۱۷۳۱ء۔ اِس میں شاہزادہ کوہر اور ملکہ مملوکات کے عشق کی داستان بیان کی گئی ہے۔
۲	پری خانہ۔ ۱۱۴۴ھ/۳۲-۱۷۳۱ء۔ مخلص کو خطاطی و مصوری کا بھی شوق تھا۔ "پری خانہ" خطاطی و مصوری کا مرقعہ ہے جس کا دیباچہ مخلص نے لکھا ہے۔
۳	رُقعات۔ ۱۱۴۹ھ/۳۷-۱۷۳۶ء۔ اِس مجموعے میں ۳۵ خطوط ہیں جن ۸ آرزو کے نام، ۳ وزیرِ اعظم قمر الدین کے نام، ۲ شرف الدین علی پیام کے نام اور ایک ایک فقیر اللہ آفریں لاہوری، محمد یار، قزلباش خاں امید وغیرہ کے نام ہیں۔

۴	گلدستۂ اسرار۔ (مجموعہ مکاتیب) اِس میں وہ خطوط شامل ہیں جو نادر شاہ نے صوبیدار کابل کو بھیجے اور صوبیدار کابل نے تعمیل حکم کے لیے مخلص کو بھیج دیے تھے۔
۵	ہنگامۂ عشق۔ (مثنوی) ۱۱۵۲ھ/ ۴۰-۱۷۳۹ء۔ اِس میں مخلص نے ملک محمد جائسی کی پدماوت کے اُس قصہ کو، جو کنور سندر سین اور رانی چندر پربھا کی داستانِ عشق پر مشتمل ہے، مخلص نے اپنی مثنوی کا موضوع بنایا ہے۔
۶	دیوانِ فارسی مع رُباعیات، اِس کی تاریخ کتابت ۱۱۵۷ھ/ ۱۷۴۴ء ہے، اور اِس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہے۔
۷	وقائع بدائع۔ اِس میں ایسے اہم تاریخی و معاشرتی حالات درج ہیں جو اور کہیں نہیں ملتے۔ اِس میں جو کچھ لکھا گیا ہے مخلص اُن کا عینی شاہد ہے۔
۸	مرآۃ الاصلاح۔ ۱۱۵۸ھ/ ۱۷۴۵ء۔ مرآۃ الاصلاح میں مخلص نے اُن تازہ فارسی اصطلاحات و محاورات کی تشریح کی ہے جو قدیم فارسی لغات میں نہیں ملتے۔ اِس میں معاشرتی و تاریخی واقعات، سوانحی اشارے، ادبی نکتے، رُسوم و رواج اور مفید معلومات بھی جابجا ملتی ہیں۔
۹	سفرنامہ۔ صفر ۱۱۵۸ھ/ ۲۷ فروری ۱۷۴۵ء کو محمد شاہ نے نواب سیّد علی محمد خان بہادر کے خلاف اعلانِ جنگ کر کے بن گڑھ پر حملہ کیا۔ مخلص نے اِس سفر و جنگ کا روزنامچہ لکھا ہے۔
۱۰	چمنستان۔ ۱۱۵۹ھ/ ۱۷۴۶ء۔ اِس میں زیادہ تر وہ حکایات و اقوال درج ہیں جو "مرآۃ الاصلاح" اور "وقائع بدائع" میں آچکے ہیں۔

("ماخوذ از تاریخِ ادبِ اُردو" از ڈاکٹر جمیل جالبی طبعِ چہارم، جنوری ۲۰۰۵ء)

ڈاکٹر عبدالغنی "رُوحِ بیدلؔ" صفحہ ۴۷۳ پر لکھتے ہیں کہ: اُن (مخلص) کے پاس میرزا کا ایک دستخطی دیوان تھا اور دیوان میں میرزا کی شبیہ بھی موجود تھی۔ آنند رام، میرزا کو عارفِ کامل لکھتے ہیں، اور کہتے ہیں: میرزا تصوّف کو تمام علوم سے بہتر سمجھتے تھے"۔ "سفینۂ خوشگو" دفتر ثالث سے مخلص کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں:

مغرور مشو فصلِ بہار اے چمن آرا		فرداست کہ آشوبِ خزانست دریں باغ
عبث زحمت مکش اے ابر در سیرابیِ صحرا		کہ ایں خدمت بود در عہدہ چشمِ ترِ عاشق
از من آدابِ عشق آموزید		تربیت کردۂ جنابِ دلم
اے نسیمِ صبح گر سوے گلستاں بگذری		از اسیرانِ قفس ، ہم سجدۂ در پاے گُل
شب کہ شُد در محفلش مذکورِ مظلومانِ چرخ		گفت مخلص نام من ہم دادخواہے داشتم
حقوقِ صحبتِ گُل بر تو بسیار است اے بلبل		مبادا از چمن غافل در ایامِ خزاں باشی

(٦) نواب عُمدۃُ المُلک امیر خاں انجامؔ

ڈاکٹر عبدالغنی صاحب نے ''رُوحِ بیدلؔ'' کے صفحہ نمبر ۳۶۹ پر عُمدۃُ المُلک نواب امیر خاں انجامؔ کے بارے میں صِرف ایک سطر لکھ کر اُنہیں بیدلؔ کا شاگرد قرار دیا ہے۔ ''عُمدۃُ المُلک نواب امیر خاں انجامؔ ، وفات ۱۱۵۹ھ۔ بیدلؔ کے شاگرد تھے''۔ اور حاشیے میں تین (۳) حوالے دیے ہیں ۔ ۱۔ بزمِ سخن: صفحہ ۹۸۔ ۲۔ عِقدِ ثُریا: صفحہ ۹۔ ۳۔ تذکرہ ریختہ گو یاں: صفحہ ۲۔

''بزمِ سخن'' اور اس کے مؤلف کے بارے میں ''اُردُو شُعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری'' میں ڈاکٹر فرمانؔ فتح پوری حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: ''بزمِ سخن'' کے مؤلف سیّد علی حسن خاں سلیمؔ ، نواب صدّیق حسن خاں کے چھوٹے بیٹے تھے۔ علی حسن خاں سلیمؔ نے اپنا حال ''بزمِ سخن'' لکھا ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ ۱۲۹۷ھ یعنی ''بزمِ سخن'' کی تالیف سے پہلے فارسی کا ایک تذکرہ موسوم بہ ''صبحِ گُلشن'' لکھ چکے تھے۔ ''صبحِ گُلشن'' مؤلفہ ۱۲۹۴ھ میں علی حسن خاں نے اپنا سالِ پیدائش ۱۲۸۳ھ بتایا ہے۔ اِس لحاظ سے اُن کی عمر فارسی تذکرے کی تالیف کے وقت صِرف گیارہ (۱۱) سال اور زیرِ نظر تذکرہ ''بزمِ سخن'' مؤلفہ ۱۲۹۷ھ کے تکملہ کے وقت پندرہ سال کے قریب رہی

ہو گی۔ اِتنی کم عمری میں فارسی اور اُردو کے تذکروں کا مرتّب کر لینا حیرت انگیز ہے۔ گمان غالب ہے کہ اِن تذکروں کی تالیف میں علی حسن خاں کے اساتذہ، خاص طور پر محمد یوسف علی کا ہاتھ ہے‘‘۔

(طبع اوّل نومبر ۱۹۷۲ء، صفحہ ۲۰۱/۲۰۲ مجلس ترقّیِ ادب، لاہور)

راقم السطور نعیم حامد کے خیال میں جو تذکرے اِس عمر میں لکھے یا اِس طرح لکھوائے جائیں اُنہیں قابلِ استناد تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ میرے پیشِ نظر مصحفی کا تذکرہ ’’عقدِ ثریا‘‘ (تذکرہ فارسی گویاں) ہے اِس میں صفحہ ۲۸ پر عُمدۃُ المُلک نواب امیر خاں انجام کے حالات درج ہیں۔ لیکن اُن کے کسی اُستاذ کا ذکر نہیں ہے۔ ’’عقدِ ثریا‘‘ کا یہ نسخہ بابائے اُردو ڈاکٹر مولوی عبدُالحق کا مرتّب کردہ ہے اور اِسے انجمن ترقّیِ اُردو پاکستان، کراچی نے شائع کیا ہے طبع دُوم ۱۹۷۸ء۔

تذکرہ ’’ریختہ گویاں‘‘ کے مؤلف سیّد فتح علی حسینی گردیزی ہیں۔ اِس کے متعلق محترم ڈاکٹر فرمان فتح پوری ’’اُردو شُعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری‘‘ میں لکھتے ہیں:...... کہ تذکرۂ ’’ریختہ گویاں‘‘ حقیقتہً ’’نکات الشُعرا‘‘ کی ناکام تقلید کا دُوسرا نام ہے۔...... بلکہ زبان و بیان، تحقیق و تنقید اور سوانح و تاریخ اور تراجم ہر اعتبار سے اُن کا تذکرہ میر کے تذکرے مقابلے میں بہت معمولی درجے کا ہے‘‘۔ (صفحہ ۱۱۹) یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ ’’نکات الشُعرا‘‘ میں عُمدۃُ المُلک نواب امیر خاں انجام کے حالات درج نہیں ہیں۔

بایں ہمہ مجھے عبدُالغفور نسّاخ کے تذکرۂ ’’سخنِ شُعرا‘‘ میں یہ عبارت ملی ہے، جس سے اِثبات ہوتا ہے کہ عُمدۃُ المُلک نواب امیر خاں انجام، بیدلؔ کے شاگرد تھے:

’’انجام تخلّص عُمدۃُ المُلک نواب امیر خاں دہلوی شاگردِ مرزا بیدلؔ، حال اونکے خاندان کا کُتب تواریخ سے مانند شمس نصف النہار کے روشن ہے حاجتِ بیان نہیں۔ ۱۱۵۹ھ گیارہ سو اونسٹھ ہجری میں دہلی کے دیوانِ عام میں کٹاری کے زخم سے وفات پائی‘‘

(صفحہ ۴۹، پہلا فوٹو آفسیٹ ایڈیشن ۱۹۸۲ء، اُتر پردیش اُردو اکادمی، لکھنؤ)

مزید یہ کہ تذکرہ ''مسرّت افزا'' مؤلفہ ابوالحسن امیر الدّین احمد امراللہ اِلہٰ آبادی سے بھی ثبوت ملتا ہے کہ انجامؔ، بیدلؔ کے شاگرد تھے۔ ابوالحسن لکھتے ہیں:

...... فارسی و ریختہ کے شعر، دوہرے اور کبت اِس انداز سے کہتے تھے کہ اِن کے ماہر حیرت کرتے تھے۔ مشقِ سخن، میرزا بیدلؔ کی خدمت میں کی تھی''

(صفحہ ۲۹ سنہ طباعت: ۱۹۶۸ء مترجم ڈاکٹر مجیب قریشی، طابع: علم مجلسی کُتب خانہ، دہلی)

اِس سلسلے میں سب سے اہم شہادت محترم ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب کی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب ''تاریخ ادبِ اُردو'' جلد دُوم کے صفحہ نمبر ۳۹ پر تحریر فرماتے ہیں:

فارسی شاعری میں وہ (انجامؔ) بیدلؔ کے شاگرد تھے اور ریختہ میں آرزوؔ سے مشورہ کرتے تھے''۔

کوئی میری طرف سے اِس بدگمانی میں مبتلا نہ ہو کہ میں ڈاکٹر عبدُ الغنی صاحب کے بیانات کو اہمیت نہیں دیتا۔ لیکن اُنہوں نے انجامؔ کا ذکر جس سرسری انداز میں کیا اور کسی حد تک غیر معیاری حوالے دیے اِس بات نے مجھے مجبور کیا کہ میں اِس سلسلے میں مزید کاوش کروں۔ انجامؔ کے مختصر حالات مندرجہ ذیل ہیں۔

نواب عمدۃ المُلک امیر خاں انجامؔ۔ تاریخ وفات ۲۳ ذی الحجہ ۱۱۵۹ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۴۶ء۔ امیر خاں انجامؔ کا نام محمد اسحاق ہے۔ انجامؔ، محمد شاہی طبقۂ اُمراء میں موقّر و معتبر اور شاگردی بیدِلؔ سے مفتخر تھے۔ انجامؔ کے والد نواب امیر خان کابُل کے صوبیدار اور عالمگیری سردار تھے۔ اُن کا سلسلۂ نسب حضرت شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی تک پہنچتا ہے۔

انجامؔ بہت وسیع حلقۂ احباب اور دربارِ محمد شاہ میں رُسوخ رکھتے تھے۔ اُس عہد کے اکثر اصحابِ علم، ادیب اور شاعر مثلاً والہ داغستانی، احسانؔ، آرزوؔ، حاتمؔ، زکیؔ، انسانؔ، ناجیؔ اور خوشگو

اُن کے ایوانِ ادب سے وابستہ تھے۔ شیخ علی حزیںؔ کے میزبان بھی دہلی میں امیر خاں انجامؔ تھے، اور اُن ہی کے توسّط سے حزیںؔ نے محمد شاہ کے دربار میں رسائی حاصل کی۔

انجامؔ فارسی شاعری میں بیدلؔ سے اصلاح لیتے تھے اور ریختہ میں اپنے اُستاد بھائی خان آرزوؔ سے۔ انجامؔ کو موسیقی میں ایسی مہارت حاصل تھی کہ اُستادانِ موسیقی اُن کے حُضور زانوے ادب تہہ کرنا باعثِ عزّت سمجھتے تھے۔

(''تاریخِ ادبِ اُردو'' از ڈاکٹر جمیل جالبی سے ماخوذ، جلد دُوم طبع چہارم ۲۰۰۵ء)

یہاں انجام کے چند شعر مختلف تذکروں سے نقل کیے جاتے ہیں:

من از جمعیّتِ آسودگانِ خاک دانستم	''ہمیشہ بہار''
کہ غیر از خشت بہرِ خواب راحت نیست بالینے	
از دوئی تا بہ دلِ روشن غبارِ رشک ماند	=
می تواں کردن بہر خشت اِشتباہِ آینہ را	
فریاد کہ پیراہنِ دیوانگیِ من	=
چوں دامنِ صحرا، خبرِ چاک ندارد	
بہ اَوجِ بے کسیِ ما پرِ ہُما نرسد	''عِقدِ ثُریا''
رسیدہ ایم بجائے کہ کس بما نرسد	
مارا ہَوائے گُلشن و باغے نماندہ است	=
اے بوئے گُل بِرَو کہ دماغے نماندہ است	
یار احوالِ دل از من پُرسد	=
غنچہ لالہ بدستش دادم	

انجاؔم کے تین (۳) شعر اُردو کے "تاریخ ادبِ اُردو" صفحہ ۱۴۰ سے نقل کیے جاتے ہیں:

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں ہر گو رفو
سوزنِ تدبیر بھی کو سو برس سیتی رہے
دُور سے آئے تھے ساقی سُن کے میخانے کو ہم
پر ترستے ہی چلے اب ایک پیمانے کو ہم
کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر، اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہُوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

☆ (third couplet)

☆ تذکرہ "طبقات الشُعرا" از قدرت اللہ شوقؔ، مرتبہ نثار احمد فاروقی میں یہ اشعار اور اس کے ساتھ یہ شعر بھی بہ طور انجاؔم کے نمونۂ کلام کے درج ہے:

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں، کیا کہیں صیاد کو
سر پٹک کہتے ہیں اپنے آب اور دانے کو ہم

دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ تین (۳) شعر "کلّیاتِ نظیرؔ" مرتبہ مولانا عبدُ الباری آسیؔ اور مولانا عبدُ المومن فاروقی کے مقدمہ کے ساتھ، شائع کردہ مکتبہ شعر و ادب، سمن آباد، لاہور میں بہت معمولی اختلاف کے ساتھ درج ہیں صفحہ ۱۰۶ پر غزل سات (۷) شعر کی ہے جس میں مذکورہ بالا اشعار شامل ہیں۔ مَیں یہاں "کلّیاتِ نظیرؔ" سے بھی وہ شعر نقل کرتا ہُوں کہ تقابل میں آسانی ہو۔

دُور سے آئے تھے ساقی سُن کے میخانے کو ہم
"بس" ترستے ہی چلے "افسوس" پیمانے کو ہم
کیوں نہیں لیتا ہماری تو خبر، اے بے خبر
کیا ترے عاشق ہُوئے تھے درد و غم کھانے کو ہم

ہم کو پھنسنا تھا قفس میں، کیا ''گلہ'' ''صیاد'' کا
''بس ترستے ہی رہے ہیں'' آب اور دانے کو ہم

مَیں نے اُن لفظوں کو واوین میں کر دیا ہے جو ''کلّیاتِ نظیر'' میں مختلف ہیں۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ انجام کی تاریخ وفات ۱۱۵۹ھ ہے اور نظیر اکبر آبادی کی تاریخ پیدائش ۱۱۴۸ھ ہے۔ گویا اِس بات کا اِمکان نہیں ہے کہ انجام نے نظیر کے اشعار پر قبضہ کر لیا ہو۔

(۷) امیرُ الاُمراء سیّد حسین علی خان

امیرُ الاُمراء سیّد حسین علی خاں، شہنشاہ فرخ سیر کے وزیرِ اعظم حسن علی عبداللہ خاں کے چھوٹے بھائی اور مشہور بادشاہ گر سیّد تھے۔ وہ بُلند رتبہ، عالی ہمّت، سخن سنج اور ادب دوست انسان تھے۔ حسین علی خاں، بیدلؔ سے قدیم نسبتِ نیازمندی و شاگردی رکھتے تھے۔ بیدلؔ اور امیر الاُمراء سیّد حسین علی خاں کے باہمی تعلّقاتِ محبت و مودّت سے، سیرتِ بیدل کا ایک ایسا پہلو نمایاں ہوتا ہے جو حیاتِ انسانی کا جوہر ہے، یعنی حق پسندی و حق گوئی!۔

صاحبِ ''مجموعۂ نغز'' میر قُدرت اللہ قاسمؔ لکھتے ہیں:

''ترک و تجرید اختیار کرنے کے بعد ایک دن بیدلؔ اتفاقاً راہ میں، نواب قُطبُ المُلک امیرُ الاُمراء سیّد حسین علی خاں بہادر کے قریب سے گزرے، باوجود کہ بیدلؔ سے قدیمی تعارُف رکھتے تھے نواب صاحب اُن کو اِس لیے نہ پہچان سکے کہ بیدلؔ قلندرانہ وضع میں تھے، دستار کی جگہ سر پر سوسنی رنگ کا کپڑا لپیٹا ہُوا تھا اور چہرہ داڑھی مونچھ سے بے نیاز تھا۔ خود بیدلؔ نے عالمِ بے خودی میں نواب صاحب کی طرف توجّہ نہ کی۔ بعد ازاں نوابؔ صاحب کو علم ہُوا تو بیدلؔ کے گھر تشریف لے گئے اور گلۂ واجبی کے بعد بیدلؔ کو اپنی پالکی میں بٹھا کر اپنے دولت کدے لے گئے اور دو تین روز اُن کی صحبت سے مستفید و حظ اندوز ہُوئے۔ اور رُخصت کرتے ہُوئے بقدر تین لاکھ رُوپے نقد

وجنس کی شکل میں پیش کیے۔

میرزا نے نواب صاحب کے اخلاقِ کریمانہ کا لحاظ کرتے ہُوئے عطیہ بظاہر قبول کرلیا ۔لیکن آبرُوے فقر کی پاسداری میں حقیقتاً نہایت خوبی سے لوٹاتے ہُوئے دانشمندانہ اُسلوب میں فرمایا کہ کُلبۂ فقیر میں اِن نعمتوں کی گُنجائش کہاں ہے؟اور آپ سے زیادہ امانتدار کون ہے؟اِس لیے اِسے اپنے پاس رکھیے بوقتِ احتیاج آپ سے لے لوں گا۔"

(''مجموعۂ نغز'' صفحہ ۱۱۷/۱۱۶، مرتبۂ محمود شیرانی نیشنل اکادمی، دہلی)

مقامِ تامُّل یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ قُرب واخلاص باہمی ہے۔اور دُوسری طرف جب یہی سیّد برادران شہنشاہ فرُّخ سیر کے قتلِ ناحق کے مرتکب ہُوئے تو بیدِل یہ ظُلم برداشت نہ کرسکے اور احتجاجاً یہ تاریخی رُباعی کہی:

دیدی کہ چہ باشاہِ گرامی کردند		صد جور وجفا زرہِ خامی کردند
تاریخ چو از خرد جُستم فرمود		''سادات بوے نمک حرامی کردند''
		۱۱۳۱ھ

اِسقدر برجستہ اور مبنی بر حقیقت یہ رُباعی زبان زدِ خاص وعام ہوگئی۔نیتجتاً سیّد برادران اُن کے خون کے پیاسے ہوگئے، بیدِل کو عارضی طور سے اپنی جان کی حفاظت کے لیے دہلی چھوڑنی پڑی۔وُہ نواب عبدالصمد خاں کے پاس لاہور چلے گئے۔اور ساداتِ بارہہ کے اقتدار کے خاتمہ پر واپس دہلی آئے۔

(رُوحِ بیدل'' و ''مجموعۂ نغز'')

(۸) گُل محمد معنی یاب خان شاعر

گُل محمد معنی یاب خاں شاعر (وفات ۱۱۵۷ھ) بیدِل کے بہت محبوب شاگرد تھے۔بیدِل

نے اُنہیں اپنا عصا اور شمشیر عطا کی تھی۔ شاکرؔ ہمیشہ بیدلؔ کے متعلقین کی خدمت میں پیش پیش رہے۔ عرسِ بیدلؔ کے موقع پر جو محفلِ مشاعرہ اُن کے مزار پر منعقد ہوتی تھی معنی یاب خاں شاکرؔ اپنی غزل سے اُس کا آغاز کرتے تھے۔ اُن کی اِس اوّلیت کو اہلِ محفل رشک و تحسین سے دیکھتے تھے۔ شاکر کی غزل بڑی آب و تاب رکھتی ہے اور ہر طرح کی تعریض و تنقید سے مبرّا ہوتی ہے۔

(''روحِ بیدلؔ'' و ''مرقعِ دہلی'')

(۹) میر کرمُ اللہ خاں عاشقؔ

خانوادۂ نواب عاقل خاں رازیؔ اور نواب شکر اللہ خاں خاکسارؔ سے بیدلؔ کا تعلّق اظہر من الشمس ہے۔ اوّل الذکر بیدلؔ کے اُستاد و سرپرست تھے اور ثانی الذکر محسن اور صدیقِ حمیم۔ رازیؔ و خاکسارؔ کی اولاد و احفاد کو بھی بیدلؔ سے عقیدت و محبت تھی بیدلؔ بھی اُنہیں اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔

نواب شکر اللہ خاں خاکسارؔ کے چھوٹے صاحبزادے میر کرمُ اللہ خاں عاشقؔ بیدلؔ کے صاحبِ دیوان شاگرد تھے۔ عاشقؔ شعر گوئی میں طرزِ بیدلؔ کی پیروی کرتے تھے۔ بیدلؔ اُن کے کلام کو بہت سراہتے تھے، ایک موقع پر فرمایا کہ میر کرمُ اللہؔ شعر گوئی میں مجھ سے بازی لے گئے۔

بیدلؔ کو میر کرمُ اللہ خاں سے خاص تعلّقِ خاطر تھا۔ ''رُقعاتِ بیدلؔ'' میں پندرہ (۱۵) مکتوب میر کرمُ اللہ خاں کے نام ہیں۔ یہ خطوط بیدلؔ کے جذباتِ محبت و خلوص کے آئینہ دار ہیں۔ ایک بار میر کرمُ اللہ خاں طویل عرصہ دہلی سے غیر حاضر رہے اور بیدلؔ کو خط بھی نہ لکھا۔ اِس جدائی پر بیدلؔ نے ایک خط میں اپنی بے چینی کا اِظہار مندرجہ ذیل اشعار میں کیا:

غبار باشم به ہر طپیدن، ہزار بیدادمی نگارم
بُرمہ فرسود خامہ امّا، ہنوز فریادمی نگارم
دماغ نظمے ندارم اکنوں کہ ریزم از نوکِ خامہ بیروں
زنبضِ دل جستہ مصرع خوں بہ نیشِ فصادمی نگارم
تغافلت کردپاے مالم، چساں نگریم؟ چہ انالم؟
فرامشیہاے رنگ حالم، فرامشت باد، می نگارم

دیوانِ بیدؔل مطبوعہ ایران میں یہ گیارہ شعر کی غزل ہے، ممکن ہے کہ بیدؔل نے مذکورہ اشعار کہنے کے بعد غزل مکمل کی ہو۔ اِس غزل کا ایک اور شعر ملاحظہ فرمائیں:

ادب بہ تکلّم نیاز دارد، وفا زمن امتیاز دارد
بصد رگِ سنگ ناز دارد، خطے کہ بہ یادمی نگارم!

ایک موقع پر میر کرم اللہ خاں کی اقتصادی حالت سقیم ہوئی تو بیدؔل نے دوسو (۲۰۰) اشرفیوں سے اُن کی مدد کی میر کرم اللہ خاں عاشقؔ کا انتقال ۱۱۲۴ھ میں ہوا۔

(بہ حوالہ ''رُوحِ بیدل'' و ''سفینۂ خوشگو'')

(۱۰) شیخ صدرالدین پشاوری

بیدؔل کی صحبت ونگاہِ کیمیا اثر کی ایک روشن دلیل شیخ صدرالدین پشاوری۔ مَیں راقم السطور سے پہلے کسی متخصصِ بیدؔل نے اُن کا نام شاگردانِ بیدؔل کی فہرست میں درج نہیں کیا۔ اِس کا ایک سبب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ شاید تذکرہ ''ہمیشہ بہار'' اُن کی نظر سے نہیں گُزرا۔ میرے نزدیک شیخ صدرالدین کا شاگردِ بیدؔل ہونا مزید کسی ثبوت کا محتاج نہیں ہے، کشن چند اخلاص کے تذکرے ''ہمیشہ بہار'' کے مندرجہ ذیل اقتباس کی روشنی میں۔

''شیخ صدرالدین پشاوری از ارادت مندانِ سلسلۂ قادریہ است مردیست طالب علم وضع، اصلاً زبانِ اُو از عالمِ شعر آشنا نبود۔ بحسبِ اتفاق یک چندے مُداومتِ صحبتِ مرزا بیدلؔ صاحب میسّر آمد۔ بیُمنِ خدمتِ ایشاں استعدادِ گفتنِ رُباعی بہم رسانند۔ خوب ومتین می گوید۔

گر مرا بخویش جامعیت اِنشا ست (؟)
بے زن این معیش چو لفظ بے جاست
در نسخۂ کائناتِ حادث مضمون
آدم نصفے و نصف دیگر حوّا است
صنف پاکان کہ خلقِ خاص باریست
صنف پاکان کہ خلقِ خاص باریست
زین شرم کہ با شراب قسمت زدہ است
دایم عرق جبین دریا جاریست

مَیں نے پہلے شیخ صدرُالدّین پشاوری کے بارے جو لکھا وہ صاحبِ تذکرہ ''ہمیشہ بہار'' کشن چند اخلاصؔ کے حوالے سے لکھا تھا۔ لیکن جب ''سفینۂ خوش گو'' مطالعے میں آیا تو اُس میں بھی اُن کا ذکر پایا جاتا ہے۔ خوشگو نے اُن کا پورا نام؛ شیخ صدرُالدّین محمد لکھا ہے۔ اور ایک رُباعی لکھی ہے جس کا چوتھا مصرع ''آدم نصفے و نصف دیگر حوّا است'' ہے۔

(''سفینۂ خوش گو'' دفتر ثالث، مرتبہ عطا کاکوی، صفحہ ۲۶۵)

(۱۱) مرزا ارجمند المتخلص آزادؔ و جنوںؔ

صاحبِ تذکرہ ''ہمیشہ بہار'' کشن چند اخلاصؔ نے بیدلؔ کے ایک اور شاگرد مرزا ارجمند المتخلص آزادؔ و جنوںؔ کی نشاندہی کی ہے۔ مؤلف ''ہمیشہ بہار'' لکھتے ہیں: ''اُستاد خلف و شاگرد زُمرۂ معنی بندانِ فحول میرزا عبدُ الغنی بیگ قبولؔ است و احوالش از اشعارِ آبدارش بر اربابِ کمال روشن''

بر مشتریان جلوہ دہد دستِ نگارین		آزاد بہ دستِ فروشے کہ تو داری
بے نرگسِ تو اشکِ من آلودہ شد بخون		این آبِ تیرہ، صاف بہ دیدِ تو می شود
بہار آمد و خاکِ چمن صفا دارد		برنگِ نامیہ، عالم نما نما دارد

مدّتے در خدمتِ حقائق و معارف آگاہ شیخ سعد اللہ گلشن و انسانِ کامل مرزا عبدالقادر بیدؔل مشقِ اشعارِ خود بامّیدِ اصلاح می گورانید۔ صاحبِ دیوان است و احوالش از اشعارش پیدا است"۔

دِل از درازدستیِ زُلفش بنالہ بود
کاکُل زبہرِ پشتیِ اُو از قفا رسید

محتاج نیست، رہبرِ کامل دلیل را
آخر بِرہ گذاشت نبیؐ جبرائیل را

حاشیے میں وضاحت کی گئی ہے "ہمارے قلمی نسخے میں نام جلد بندی میں کٹ گیا تھا" "یہی فرزندِ قبولؔ میرزا ارجمند ہے جس کا تخلّص آزاد ہے، قلمی نسخے کے بخطِ شکستہ ہونے کی وجہ سے بظاہر تخلّص آزاد کی بجائے اُستاد پڑھا گیا، تصحیح غلط نامے میں کر دی گئی ہے۔" مزید وضاحت استدراک کے زیرِ عنوان صفحہ ۲۶۹ پر کی گئی ہے۔ "اُستاد نہیں، صحیح تخلّص آزاد و جنوں ہر دو۔ نام مرزا ارجمند۔"

(۱۲) میر محمد احسن ایجادؔ

میر محمد احسن ایجادؔ (تاریخِ وفات ۱۱۳۲ھ) کے بیدؔل سے روابط اعظم شاہ کی ملازمت کے دَوران قائم ہُوئے۔ بعد ازاں ایجادؔ نے بیدؔل کی شاگردی اختیار کی۔ اُن کا تخلّص بھی بیدؔل کا تجویز کردہ ہے۔ ایجادؔ کا خطاب "معنی یاب خاں" تھا۔ بیدِؔل کی سفارش پر ایجادؔ کو نواب حسین

قلی خاں کے حضور اعتبار حاصل ہوا۔ فرخ سیر کے عہد میں شاہ نامہ لکھنے کی خدمت اُن کے سپرد کی گئی۔ شہنشاہ محمد فرخ سیر کے سات سالہ عہدِ حکومت کے حالات میر محمد حسین ایجاد نے نہایت متانت وفصاحت سے تحریر کیے ہیں۔

جب قطبُ المُلک عبد اللہ خاں سیّد بارہہ نے اپنے گھر، فرخ سیر کے لیے مجلسِ مہتابی آراستہ کی تو ایجاد نے مجلسِ مہتابی کا قطعۂ تاریخ کہہ کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور الطاف شاہانہ سے نوازا گیا۔ قطعے کے دو شعر تحریر کیے جاتے ہیں:

داد ترتیب بزم مہتابی
از برائے خدیو قُدس جناب

خواند ایجاد بہر تاریخش
"مجلسِ ماہتاب عالم تاب"
۱۱۲۶ھ

خوشگو لکھتے ہیں "شاعر خوش فکر و خوش خیال و بلند تلاش بود، دیوانے ضخیم از قصائد وغزل و مثنوی و رُباعی از ویادگار است"

(بہ حوالہ "رُوحِ بیدلؔ" وسفینۂ خوشگو)

(۱۳) شیخ عطا محمد عطاؔ

شیخ عطا اللہ عطاؔ، بیدلؔ کے تلمیذ عزیز تھے۔ عطاؔ اپنی طبعِ ظرافت ایجاد کے سبب محفلوں میں ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے تھے۔ اُن کا مزاج، مزاح بلکہ ہزل کی طرف مائل تھا۔ بیدلؔ اکثر کہتے تھے کہ میرے دیوان ہزلیات کی پیروی کا حق عطاؔ ہی کو ہے۔ بیدلؔ نے اپنے منتخب اشعار کی بیاض اور قلم دان عطاؔ کو عطا کیا تو اُنہوں نے ادائے شکر واظہارِ احسان مندی

کے لیے یہ رُباعی کہہ کے بیدلؔ کی خدمت میں پیش کی:

بیدلؔ شہِ اِقلیمِ کمالِ ہر فن
از گوشۂ چشم تا نظر داشت بمن
از رُوے عنایت، قلم دان و بیاض
فرمود مرا، وزارتِ ملکِ سخن

مزارِ بیدلؔ پر عُرس کے انعقاد میں، عطاؔ پیش پیش اور باعثِ رونقِ مجمعِ احباب ہوتے تھے۔ اُن کا وطن امروہہ ضلع مراد آباد تھا۔ عطاؔ کا انتقال شاہجہان آباد میں چالیس سال کی عمر میں ہُوا۔ صاحبِ تذکرہ ''ہمیشہ بہار'' کشن چند اخلاصؔ نے تاریخ کہی:

''بعمر چہل سالگی در شاہجہان آباد ازین جہانِ فانی درگذشت۔ راقمِ این اوراق'' آشنا رفتہ حیف'' (۱۱۳۵ھ) تاریخِ وفاتش گفتہ۔

لیکن خوشگو اُن کی تاریخِ وفات ۱۱۳۶ھ لکھتے ہیں: درسال ہزار وصد وسی وششم، در دارالخلافہ برحمتِ حق پیوست۔''

(سفینۂ خوشگو دفترِ ثالث، صفحہ ۱۵۰، مرتّبہ عطاؔ کاکوی)

(۱۴) لالہ سکھ راج سبقتؔ

''لالۂ باغِ خلقت لالہ سکھراج سبقتؔ کا تعلّق قوم کائستھ سے ہے اور اُن کا وطن اِستھانہ نواحِ لکھنؤ صوبہ اودھ ہے ...... وہ فہمِ بُلند وطبعِ رَسا کے حامل اور اخلاقِ حمیدہ و اَوصافِ پسندیدہ سے متّصف تھے ...... وہ قُدسی جناب میرزا بیدلؔ کے شاگرد تھے۔ اور بیدلؔ اکثر فرماتے تھے کہ سبقتؔ تمام ہندو بچگان پر فائق ہیں ...... اُن کا اِنتقال ماہ شعبان ۱۱۳۸ھ میں ہُوا ...... حکیم چند ندرتؔ تخلّص نے کہ اُن کے قدیم دوستوں میں ہیں اُن کی تاریخِ

وفات کا یہ مصرع تازہ ایک سال کے تفاوت سے کہا:

ہائے سکھراج زما سبقت کرد = ۱۱۳۹ھ

فقیر خوشگو نے تاریخ کو اس طرح دُرست کیا:

کرد سکھراج زما سبقت، ہے = ۱۱۳۸ھ "

(بہ حوالہ "سفینۂ خوشگو" دفتر ثالث، مرتبہ عطا کاکوی)

خوشگو نے سبقت کی ایک مثنوی سے بارہ (۱۲) شعر اور غزل کے بیس (۲۰) شعر نقل کیے ہیں۔ مَیں طوالت سے اجتناب کرتے ہُوئے غزل کے دو (۲) شعر تحریر کر رہا ہُوں۔

چو نقشِ پا بہ سرِ کوے اِنتظار کسے
نشستہ اَم کہ شوم خاکِ رہگذار کسے
ز رنگ باختنِ یار سخت حیرانم
برنگِ آئینہ باشد مگر دو چار کسے

"اُنہوں نے مندرجہ رُباعی بیدلؔ کی پیدائش کے متعلق لکھ کر اُن کو پیش کی تھی:

سکھراج سبقتؔ

آن ذات ابد قُدرت، تنزیہہ مقام
عبد القادر نمود، تشبیہش نام
شُد زندہ یکے بہرِ مسیحائیِ دین
آمد دِگر اکنون پئے اِحیاے کلام "

(رُوحِ بیدلؔ، صفحہ ۳۵۹)

(۱۵) احمد عبرتؔ

"دارُالخلافہ شاہجہاں آباد کے گلوکاروں میں نہایت خوش آواز تھے اور سارنگیک بہت

خوب بجاتے تھے۔ (وائلن سے مشابہ ساز: اِس ساز کا فارسی میں غوک نام ہے لیکن اِسے غجک اور غیچک بھی کہتے ہیں۔ نعیم) مرزا بیدلؔ اُن پر خاص توجّہ فرماتے تھے۔ تخلّص بھی بیدلؔ کا عطا کردہ ہے۔ جب احمد عبرتؔ کا انتقال ۱۱۲۵ھ میں ہُوا تو مرزا بیدلؔ اُن کے سانحۂ وفات پر تا دیر اشک بار رہے۔ عبرتؔ کے چند شعر مندرجہ ذیل ہیں:

برگِ گلے زکم سخنیہا زبانِ تست		از غنچہ عکہتے کہ بر آید زبانِ تست
فرصتے نیست کہ گلچیں شوم از گلشنِ دہر		میروم از خود و با یاد کسے می سازم
لختِ لختِ دلِ من جلوۂ یارے دارد		شیشۂ می شکنم ، آئینۂ می سازم

(سفینۂ خوشگو، دفتر ثالث، صفحہ ۶۹/۶۸ مرتبہ، عطا کاکوی)

جناب ڈاکٹر عبدالغنی ''روحِ بیدلؔ'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ: پہلے مفتونؔ تخلّص تھا...... جب ناصر علی سرہندی نے مندرجہ ذیل مطلع والی غزل کہی تو شاہجہاں آباد میں اعلان کیا کہ اگر کوئی اِس کا جواب لکھے گا تو میں اُسے خدائے سخن مانوں گا:

مقیمِ کوے تو سختی کشانِ دِل تنگ است
کہ ناز گر فگند ، فاشِ آتشِ سنگ است

احمد عبرتؔ نے بیدلؔ کے ایما پر جواب میں غزل کہی، مطلع تھا:

بوادیِ کہ تو واماندگانِ دل تنگ است
زاشکِ خویش روان ہمچو چشمۂ سنگ است

(روحِ بیدلؔ، صفحہ ۳۵۴)

(۱۶) مرزا عباد اللہ

مرزا عباد اللہ، بیدلؔ کے ماموں زاد بھائی اور شاگرد تھے۔ بیدلؔ اُنھیں سگے بھائی

کی طرح چاہتے تھے۔ اُنھیں محبت اور شوق سے بھرے خط لکھتے تھے اور نہایت اضطراب سے اُن کے جواب کا انتظار کرتے تھے۔ ''رُقعاتِ بیدِلؔ'' میں مرزا عبادُاللّٰہ کے نام چار خط ہیں۔ بیدِلؔ خطوط میں اُنھیں ''اخوان پناہ'' کے خطاب سے مخاطب کرتے تھے۔ بیدِلؔ نے اُنھیں مثنوی ''طورِ معرِفت'' کا نسخہ بھی ارسال کیا تھا۔ مرزا عبادُاللّٰہ کے فرزند محمد سعیدؔ، بیدِلؔ کے ساتھ رہتے تھے اور بیدِلؔ کی وفات کے بعد مزارِ بیدِلؔ کے سجادہ نشین بھی ہُوئے۔

(بہ حوالہ ''رُوحِ بیدِلؔ'' صفحہ ۳۶۳)

(۱۷) لالہ شیورام حیاؔ

لالہ شیورام حیاؔ کائستھ۔ بیدِلؔ کے شاگرد اور عالمگیر کے وزیر اسد خاں کے ملازم تھے۔ حیاؔ نے ایک کتاب ''گلگشتِ ارم'' بیدِلؔ کی تصنیف ''چہار عُنصر'' کے اُسلوب میں لکھی تھی۔ حیاؔ کا انتقال ۱۱۴۴ھ میں ہُوا۔

(بہ حوالہ ''رُوحِ بیدل'' و ''سفینۂ خوشگو'')

(۱۸) شیخ عظمت اللّٰہ کاملؔ

ڈاکٹر عبدُالغنی صاحب نے ''روحِ بیدِلؔ'' کے صفحہ نمبر ۳۸۰ پر اِن کا نام ''عصمت اللّٰہ قابلؔ'' تحریر کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ لحاظ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے ''رُوحِ بیدلؔ'' کے صفحہ نمبر ۳۵۸ پر میر عبدُالصمد سخنؔ کے ذکر میں یہ لکھا ہے کہ ''ایک روز اُنہوں نے بُرہان پور کی ساخت کی ایک خوش اُسلوب چھوٹی سی جمدھر بیدِلؔ کو نذر کی۔ میرزا صاحب نے فرمایا:

''ترکیب ایں جمدھر بدنشان بُرہان پور، بُرہان قاطع است کامل۔''

لیکن ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث صفحہ ۸۷ پر خوشگو لکھتے ہیں:

''شیخ عظمت اللہ کامل تخلّص از شیخ زادگانِ مراد آباد بود از حضرت مرزا بیدلؔ تخلّص یافتہ وزبان دُرُست ساختہ، روزے جمدھر خوردے خوش اُسلوب از ساخت بُرہان پور نذرِ ایشاں آورد، مرزا فرمود: ترکیب این جمدھر بر نشانِ بُرہان پور، بُرہانِ قاطع است کامل...... روزے بحضورِ ایشاں شعرے در بیان شکوہ کم قراریِ خویش برخواند، آں اینست:

فلاطوں گر بیاید می شود عاجز بہ تدبیرم
کہ منصب آتشیں داغے شد وجا گیر جاں گیرم

باں دم حضرت بجائے ''آتشیں'' لفظ ''آتشک'' رسانیدہ اصلاح فرمودند...... از اشعارش ہمیں قدر رسیدہ بود:

نور را برقِ تجلّی سوخت خامش شد کلیم		سُرمہ سا چشمے کہ خواہد زدر و نالیدنم
منصبِ حیرت آرزو دارم		شوقِ آئینہ داریِ دارم

گویا ڈاکٹر صاحبؒ نے مذکورہ حالات میر عبدالصمد سخنؔ کے بارے میں سہواً لکھے ہیں۔

(۱۹) حافظ محمد جمال تلاشؔ

قُدسی جناب مرزا بیدلؔ کے تخلّص یافتگان میں تھے۔فقیر خوشگوؔ پر توجہ فرماتے تھے اور اکثر اُس کے ویرانے میں قدم رنجہ فرماتے تھے۔صاحبِ طبعِ بلند و ذہنِ رسا تھے۔گفتگو کرنے میں زبان لکنت کرتی تھی۔اُن کا انتقال ۱۱۲۷ھ میں ہُوا۔ایک دیوان چھوڑا۔اُن کے اشعار بلند تلاشی وخوش قُماشی سے خالی نہ تھے۔مرزا بیدلؔ اُن کے مندرجہ ذیل اشعار سے محظوظ ہوئے:

بروزِ عید ہر شاہ گدا گم می کند خود را
تو رفتی بر مسندِ نازو من از خویشتن رفتم

خانہ زادانِ وفارا، نالہ می باشد مدام
شیون ایجاد است چینی، ماتمِ فغفور را

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفترِ ثالث، صفحہ ۸۲)

(۲۰) میر عبدُ الصمد سخن

ایران کے نجیب سادات سے تھے۔ طبع بلند رکھتے تھے۔ تخلّص حضرت مرزا عبدُ القادر بیدلؔ کا عطا کردہ ہے۔ اوائل مشقِ سخن میں اپنا کلام برائے اصلاح بیدلؔ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ اُن کے کمالِ زباندانی اور رُتبۂ اُستادی کے لیے یہی کافی ہے کہ سراج الدّین علی خان آرزؔو جیسا اُستاذُ الا ساتذہ اُن کا شاگرد تھا۔

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفترِ ثالث، صفحہ ۱۷۰)

(۲۱) مغل خاں قابلؔ

بیدلؔ کے شاگرد تھے۔ بیدلؔ کی تاریخ وفات بہ طریقۂ تعمیہ مندرجہ ذیل کہی:

سالِ تاریخِ وفاتِ بیدلِ عالی مقام	
از سرِ بینائیِ دل گفتہ شد ''ختم کلام''	۱۱۳۱+۲=۱۱۳۳ھ

مغل خاں قابلؔ کا اِنتقال ۱۱۴۲ھ میں ہُوا۔

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفترِ ثالث، صفحہ ۲۱۳)

(۲۲) مہر علی بیکسؔ

متھرا کے قاضی زادوں میں تھے۔ میرزا بیدلؔ کی شاگردی کے فیض سے گروہِ شُعرا میں سربلندی حاصل تھی۔ دو تین مرتبہ متھرا میں کہ فقیر (خوشگو) کا وطن ہے اُنھیں دیکھا تھا۔ چند

سال ہُوئے کہ وُہ دنیا سے گزر گئے۔

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث، صفحہ ۲۴۷)

(۲۳) سیّد محمد اشرف حسرتؔ

اِن کے اجداد، ساداتِ موسوی سے ہیں۔ ہندوستان آکر قصبہ سندیلہ مضافاتِ لکھنؤ کو وطن قرار دیا۔ قُدسی جناب میرزا بیدلؔ صاحب سے نسبتِ شاگردی رکھتے ہیں۔ اُن کا دیوان میری نظر سے گزرا ہے۔ مضامین میں بُلند تلاش اور زبان پر قُدرت رکھتے ہیں۔

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث، صفحہ ۲۶۱)

(۲۴) میر معصوم وِجدانؔ

مخاطب بعالی نسب خاں خلف الصدق میر محمد زماں راسخؔ کہ خود اُستاذِ وقت تھے۔ راسخؔ کے گزرنے کے بعد وِجدانؔ نے اپنے والد کے نام کو زندہ رکھا۔ وُہ صاحب طبعِ عالی اور پختہ مشق تھے۔ کچھ عرصہ اپنا کلام برائے اِصلاح میرزا بیدلؔ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔ خوشگو نے وِجدانؔ کے دیوان سے بیس شعر اور ایک مصرع تحریر کیا ہے میں اِختصار کے پیشِ نظر دو شعر لکھ رہا ہُوں:

نگاہت ایں ہمہ شوخ و دلم چنیں نازک
اگر بہ ئے تو فرنگیست، شیشہ ام حلبی است
آں لطافت کہ تو داری نتواند آورد
گُل اگر رنگ شوَد، رنگ اگر بو گردد

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث، صفحہ ۲۷۰/۲۷۱)

(۲۵) محمد پناہ قابلؔ

اصلاً نجباے کشمیر سے تھے۔ بہت قابل و فاضل اور زباں آور تھے۔ مشقِ سخن میرزا بیدلؔ کی خدمت میں دُرست کی۔ قابلؔ کے تین شعر مندرجہ ذیل ہیں:

چہ ظلمت ایں کہ ہر گُل از تو خونیں کردہ پیراہن
گُلستاں ہا ز بیدادِ تو ، دشتِ کربلا باشد
قابلؔ دریں زمانہ ز آدم نشاں مخواہ
چندیں ہزار سال ز آدم گذشتہ است
دوئی را رنگِ وحدت مید ہد یکتا ئیم قابلؔ
دومصرع گر بدیوانم نشیند فرد برخیزد

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث، صفحہ ۲۷۶)

(۲۶) شیخ محمد احسن سامعؔ

مرزاے مرحوم بیدلؔ سے شاعری میں فیض حاصل کیا چنانچہ بہ تواتر اُن کی خدمت شریف میں پہنچتے رہے اور خوب مستفید ہوے۔ لیکن اُن کے انتقال کے بعد حکیم الممالک شیخ حسین شُہرتؔ کی شاگردی اختیار کی اور بیدلؔ کے حقوقِ تربیت فراموش کر دیے۔ بہر حال سخنورعالی فطرت وخوش طبیعت تھے۔ اُن کا ایک شعر مندرجہ ذیل ہے:

چکنم خاطرِ صیاد عزیز است مُرا
ورنہ از کشمکشِ دام جِہَنگ آمدہ اَم

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث، صفحہ ۲۷۶/۲۷۷)

(۲۷) ابوالفیض مستؔ معنی

ڈاکٹر عبدالغنی صاحب نے ''رُوحِ بیدل'' میں بیدلؔ کے دو شاگردوں کا علاحدہ

علاحدہ ذکر کیا ہے۔ایک میر ابوالفیض مستؔ کا اور اِن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: بیدلؔ سے اشعار کی اِصلاح کرایا کرتے تھے اور اُن کی وفات کے بعد شیخ حسین شہرتؔ کی شاگردی اختیار کی۔'' (صفحہ ۳۷۶) اِس کے بعد صفحہ ۳۷۹ تحریر فرماتے ہیں: ''سیّد ابوالفیض معنی گلاب باڑی شاہ جہاں آباد میں مسکن تھا۔میرزا عبدُ القادر کے شاگردوں میں سے تھے اور جادۂ تجرید پر گامزن تھے۔'' لیکن ''سفینۂ خوشگو'' سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو شخصیتیں نہیں ہیں ایک ہی شخصیت ہے۔خوشگو لکھتے ہیں: ابوالفیض مستؔ معنی اگرچہ دعویٰ شاگردیِ حضرت شیخ سعدیؔ علیہ الرحمۃ دارد می گوید کہ در خواب بوسیلۂ ایں بیت دستِ ارادت بدامنِ شیخ بزرگوار زدہ ام:

رفتم بخواب جانبِ شیراز، در سخن
شاگردِ شیخ سعدیِ شریں زباں شدہ ام

لیکن در عالمِ صورت یک چند از خدمتِ میرزا بیدلؔ صاحب اِصلاحِ شعر گرفتہ و بعد ازاں در ملازمت حکیم شیخ حسین شہرتؔ مشق می گذرانید، زبانش بہ سنجیدگی آشنا است......ایں دو بیت روزِ مشاعرہ بدستخطِ خود در سفینۂ فقیر نوشتہ:

جانِ من از رفتنت بر جا خواہد گذشت
جاں زتن، نور از نظر، درد از دوا، خواہد گذشت
جرأتِ دامن گرفتن، نیست چوں رنگِ حنا
خونِ ما بے چارگاں در زیرِ پا خواہد گذشت

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث، صفحہ ۲۱۸/۲۸۰)

کشن چند اِخلاص بھی تذکرہ ''ہمیشہ بہار'' کے صفحہ ۲۳۰ پر لکھتے ہیں: سیّد ابوالفیض مستؔ معنی خود را شاگردِ شیخ سعدی شیرازی می شمارد و اظہار می نماید کہ بخواب ایں شعر گفتہ بہ شیخ مذکور اراد تے آوردہ ام:

رفتم بخواب جانبِ شیراز ، در سخن
شاگردِ شیخ سعدیِ شریں زباں شدہ ام

لیکن در عالمِ ظہور چندے اصلاحِ شعر از خدمت مرزا بیدلؔ گرفتہ۔ والحال مشقِ اشعار در خدمت حکیم الممالک می گذراند۔"

(۲۸) گربخش حضوریؔ

گربخش حضوریؔ (''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصّہ'' میں سیّد عبدُاللہ نے اِن کا نام کوربخش حضوریؔ لکھا ہے) از قوم کنبوہ ساکن صوبہ پنجاب است لیکن اَز مُدّتِ مدید در اسلام آباد متھرا توطّن اختیار کردہ......اوائل درخدمتِ میر محمد معصوم شرب تخلّص تربیت یافتہ و با مرزا بیدلؔ صاحب رحمۃ اللہ سالہا صحبت داشتہ، مشقِ سخن بہ کمال رسانیدہ...... صاحب سی ہزار بیت خواہد بود۔ ایں چند شعر از نتائج طبع بُلند اوست:

عشقِ ظالم دوست چوں عاجز کشی بُنیاد کرد	☆	آنچہ با پرویزؔ می بایست با فرہادؔ کرد
بہارِ عُمر بہ غفلت تمام شد افسوس	☆	رفو نکردم و چوں گُل شدم گریباں چاک
ہر یکے طرزِ جدا دارد ز اربابِ سخن	☆	ما حضوریؔ عاشقِ حسنِ ادا اُفتادہ ایم
جہاں بدیدۂ حق بیں غلط نداشتہ است	☆	بہر چہ می نگرم ، انتخاب می بینم

(بہ حوالہ ''سفینۂ خوشگو'' دفتر ثالث، صفحہ ۳۵۱/۳۴۸)

(۲۹) مرزا برخوردار بیگ فردیؔ

جناب ڈاکٹر عبدُالغنی ''روحِ بیدل'' میں اِن کا تخلُّص ''فدوی'' لکھتے ہیں۔ لیکن سفینۂ خوشگو'' میں ''فردی'' تحریر ہے۔ خوشگو لکھتے ہیں: یادگار بیگ کے بیٹے، اعظم شاہی ملازم

تھے۔احمد آباد میں سرکاری نوکری کے سبب بہت شُہرت پائی اور حضرت مرزا بیدؔل کی شاگردی کے سند یافتہ تھے۔بہت خوش فکر و شوخ مزاج تھے۔حکیم میر محمود کہ سرکار کے خانسامان تھے اُن کی ہجو میں یہ قطعہ کہا:

میر کامل فن است در حکمت		عِلمِ طب جملہ در نگیں دارد
ہر کرا نبض دید، گشت اُو را		مرگ گو یا در آستیں دارد!

......۱۱۹۰ھ میں جنگِ سلطانی میں محمد اعظم شاہ کے ساتھ شہید ہُوئے۔

(۳۰) قیّوم خاں فدائیؔ

عاقلؔ رازی کے بیٹے تھے۔شعر کہتے تھے اور اپنا کلام اصلاح کے لیے بیدؔل کے پاس بھیجا کرتے تھے۔(بہ حوالہ ''رُوحِ بیدؔل'')

✿

صفحاتِ ماسبق میں، مَیں نے اپنے متواضع مطالعے کے مطابق بیدؔل کے ممتاز و نامور شاگردوں کے کوائف اور اسماے گرامی تحریر کیے ہیں۔بیدؔل کے اب تک دریافت ہونے والے شاگردوں کی یقینی تعداد (میرے علم کی حد تک) تیس (۳۰) ہے۔اور یقیناً یہ آخری تعداد نہیں ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اہلِ ہمت بیدؔل کے بارے میں اپنی تحقیق و تلاش جاری رکھیں۔اس طرح نہ صرف بیدؔل کے مزید شاگرد دریافت ہوں گے بلکہ بیدؔل کی شخصیت و فن کے متعلق بھی ایسی اہم و نادر معلومات حاصل ہوں گی جن سے راہِ بیدؔل شناسی منوّر و کشادہ ہوگی۔

کسی اُستادِ سخن اور معلّمِ اخلاق کی اہمیت کا پیمانہ اُس کے شاگردوں کی کثرت نہیں، بلکہ شاگردوں کے وہ اثرات و نقوش ہوتے ہیں، جو وہ صفحۂ روزگار پر ثبت کرتے ہیں۔اور بیدؔل کے شاگرد کیفیت اور کمیت ہر دو اعتبار سے قابلِ فخر ہیں۔

''بیدلؔ کے ممتاز و نامور شاگرد'' اِس مضمون میں مندرجہ ذیل مراجع سے اِستفادہ کیا گیا ہے۔

۱۔رُقعاتِ بیدلؔ ۔مطبع نول کشور۔کانپور۔اشاعت اکتوبر ۱۸۷۵ء۔
۲۔رُوحِ بیدلؔ ۔از ڈاکٹر عبدالغنی ۔ناشر :مجلس ترقیِ ادب لاہور۔اشاعت جولائی ۱۹۶۸ء۔
۳۔تاریخ ادبِ اُردُو۔ازڈاکٹر جمیلؔ جالبی ۔ناشر :مجلس ترقیِ ادب لاہور۔اشاعت :جنوری ۲۰۰۵ء۔
۴۔مملکتِ آصفیہ۔جلد اوّل ۔مرتّب و ناشر :ڈاکٹر محمد عبدالحیی ۔کراچی ۔اشاعت ۳۰ جون ۱۹۸۶ء۔
۵۔کلیاتِ ولیؔ۔مرتّبہ نورالحسن ہاشمی ۔ناشر :اُتّر پردیش اُردُو اکادمی ۔لکھنو۔اشاعت ۱۹۸۹ء۔
۶۔مرقّعِ دہلی ۔از درگاہ قلی خاں سالار جنگ۔ تصحیح و ترجمہ :ڈاکٹر نورالحسن انصاری ۔ناشر :شعبہ اُردُو دہلی یونیورسٹی ۔دہلی ۔اشاعت ۱۹۸۲ء۔
۷۔تذکرہ ہمیشہ بہار۔از کشن چند اخلاصؔ ۔مرتّبہ ڈاکٹر وحید قریشی ۔ناشر :انجمن ترقیِ اُردُو کراچی ۔اشاعت ۱۹۷۳ء۔
۸۔تذکرہ نکات الشّعرا۔از میر تقی میرؔ ۔مرتّبہ مولوی عبدالحق ناشر :انجمن ترقی اُردُو کراچی ۔اشاعت ۱۹۷۹ء۔
۹۔تذکرہ عِقدِ ثُریا۔از غلام ہمدانی مصحفیؔ ۔مرتّبہ مولوی عبدالحق ۔ناشر :انجمن ترقیِ اُردُو کراچی ۔اشاعت ۱۹۷۸ء۔
۱۰۔تذکرہ طبقات الشّعرا۔از قُدرت اللہ شوقؔ ۔مرتّبہ نثار احمد فاروقی ۔ناشر :مجلس ترقیِ ادب لاہور۔اشاعت ۱۹۶۸ء۔
۱۱۔تذکرہ مجموعۂ نغز۔از میر قُدرت اللہ قاسمؔ ۔مرتّبہ محمود شیرانی ۔ناشر :نیشنل اکادمی دہلی ۔اشاعت ۱۹۷۳ء۔
۱۲۔تذکرہ مسّرت افزا۔از امیر الدین احمد۔ترجمہ :ڈاکٹر مجیب قریشی ۔ناشر :علم مجلسی کلاں محل دہلی ۔اشاعت ۱۹۶۸ء۔
۱۳۔تذکرہ گلشنِ ہند۔از میر لطف علی ۔ناشر :اُتّر پردیش اُردُو اکیڈمی ۔لکھنو۔۶

بیدلؔ کا ایک متنازع شعر!

بیدلؔ شناسانِ پاکستان و ہند میں ڈاکٹر عبدالغنی مرحوم کا راقم السطور رقیم حامد کے دل میں خاص مقام و احترام ہے مع احترامی للجمیع! ۔ ڈاکٹر صاحب نے عمرِ عزیز کا بیش تر حصہ سعیِ احیائے فکرِ بیدلؔ میں صرف کیا۔ مَیں یہ محسوس کرتا ہوں کہ بیدلؔ سے اُن کی شیفتگی حصولِ معاش کے لیے نہیں تحسینِ معاد کے لیے تھی ۔ آثار و احوالِ بیدلؔ پر ڈاکٹر عبدالغنی کی کاوشیں شیدائیانِ بیدلؔ کے لیے سفرِ بیدلؔ شناسی میں زادو مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن

اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

مندرجہ بالا شعر دو موقعوں پر ''رُوحِ بیدلؔ'' میں عالمگیر کے حوالے سے تحریر کر کے ڈاکٹر صاحب حاشیے میں وضاحت فرماتے ہیں کہ یہ شعر بیدلؔ کا نہیں ، سعدیؔ کا ہے۔ پہلا حاشیہ صفحہ ۶۵ پر یوں ہے:

''رُقعاتِ عالمگیری۔ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کے ایک مخطوطے میں یہ شعر بیدلؔ سے منسوب ہے حقیقۃً سعدیؔ کا ہے''۔

اور صفحہ ۳۵۲ پر حاشیے کا مضمون یہ ہے:

''رُقعاتِ عالمگیریؔ صفحہ ۱۹۔ یہ شعر دراصل سعدیؔ کا ہے۔ قارئین دُرستی فرما لیں''۔

مَیں نے جب یہ حاشیے پڑھے تو اُن کے بیان کا یقین اِس لیے بھی ہُوا کہ ''کلیاتِ دیوانِ بیدلؔ'' مطبوعہ ایران کا میں خوردبینی مطالعہ کر چکا تھا۔ اُس میں نہ صرف یہ کہ یہ شعر نہیں ہے بلکہ اِس زمین میں بیدلؔ کی کوئی غزل بھی نہیں ہے۔ مستزاد یہ کہ چہار عنصر، رُقعاتِ بیدلؔ، اور نکاتِ بیدلؔ میں بھی یہ شعر نہیں پایا جاتا۔

''رُوحِ بیدلؔ'' میں اِس موضوع سے آگاہ ہوکر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کسی وقت سعدیؔ کی اُس غزل کا مطالعہ کیا جائے گا جس کا اِتنا عمدہ یہ شعر ہے۔میرے کتب خانے میں آثارِ سعدیؔ کی مندرجہ ذیل طباعتیں دستیاب ہیں۔

۱	کلّیاتِ شیخ سعدیؔ	از رُوئے نسخۂ ای کہ جناب آقائی محمد علی فُروغی تصحیح فرمودہ اند۔
۲	بوستانِ سعدیؔ	پس از مقابلہ ہفت نسخۂ خطّی و دو نسخۂ چاپی۔بہ کوشش نوراللہ ایران پرست
۳	گلستانِ سعدیؔ	مطابق با نسخۂ محمد علی فُروغی
۴	بوستانِ سعدیؔ	ترجمہ از قاضی سجّاد حسین
۵	گلستانِ سعدیؔ	ترجمہ از قاضی سجّاد حسین

''کلّیاتِ شیخ سعدیؔ'' آثارِ سعدیؔ کا سب سے وسیع اور مستند مجموعہ ہے۔یہ کلّیات ۸۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اور اِس میں سعدیؔ کی مندرجہ ذیل تخلیقات ہیں۔

گلستان، بوستان، قصائد عربی، قصائد فارسی، مراثی، مُلمّعات، مثنویات، قطعات، رباعیات، مُثلّثات، ترجیعات، طیّبات، بدائع، خواتیم، غزلیاتِ قدیم، کتاب صاحبیہ۔

ڈاکٹر عبدالغنی کی گواہی کی بنیاد پر سعدیؔ کے شعر، بترس از آہِ مظلوماں...بہر استقبال می آید، کو جب میں نے ''کلّیاتِ شیخ سعدیؔ'' میں تلاش کیا تو یہ حیرت ناک انکشاف ہُوا کہ یہ شعر سعدیؔ شیرازی کا نہیں ہے۔

مَیں نے سعدیؔ کی تمام اصنافِ سُخن کا خوردبینی جائزہ لیا ہے لیکن اُن کی کسی غزل، قصیدہ، قطعہ، ترجیع بند اور مفرد اشعار وغیرہ میں موضوعِ ذکر شعر دستیاب نہیں ہُوا۔''اِجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید'' اِس زمین میں سعدیؔ نے کوئی غزل ہی نہیں کہی ہے۔''می آید'' کی ردیف میں سعدیؔ کی صرف تین غزلیں ہیں مناسب سمجھتا ہوں کہ ہر غزل کا ایک شعر قارئین کی ضیافتِ طبع کے لیے پیش کروں اِس طرح بات مزید واضح ہو جائے گی۔

ہزار جامۂ معنی کہ من بہ اندازم
بقامتے کہ تو داری قصیر می آید

شرطِ عشقست کہ از دوست شکایت نکنند
لیکن از شوق حکایت بزباں می آید

ہر شکر پارہ کہ دری رسد از عالمِ غیب
بہ دلِ ریش عزیزاں نمکے می آید

جب آثارِ سعدی شیرازی میں مطلوبہ شعر دستیاب نہیں ہُوا تو میرا جذبۂ تجسّس اِس حد پر ٹھہرنے پر آمادہ نہیں ہُوا۔ اور مَیں نے اپنے کتب خانے میں دستیاب فارسی کلّیات و دواوین کی حد تک اپنی تلاش جاری رکھی۔ اِس جستجو کا حاصل یہ ہے کہ "اِجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید" یہ شعر مندرجہ ذیل شُعرا کا بھی نہیں ہے اور نہ اِس زمین میں اِن شُعرا کی کوئی غزل پائی جاتی ہے۔

رُومی، جامی، اہلی شیرازی، سنائی غزنوی، خاقانی شروانی، انوری، صائب، ظہیرُ الدین فاریابی، نظیری، عرفی شیرازی، حافظ شیرازی، فغانی، فیضی، امیر خسرو، مسعود سعد سلمان، عراقی، شاہ نعمت اللہ ولی، عطّار، محتشم کاشانی، حسن غزنوی، عماد فقیہ کرمانی۔ جلال اسیر، ناصر علی سرہندی، آصفی ہروی، سلیمی عثمانی خلیفہ سلیم اوّل، مُطہّر کڑہ، میرزا شوکت بخاری۔

آخر الذکر میرزا شوکت بخاری کے دیوان میں موضوعِ بحث شعر کی زمین میں ایک غزل پائی جاتی ہے۔ اِس دیوان کے مخطوطے کی فوٹو کاپی میرے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ اصل مخطوطہ "کتب خانہ عارف حکمت مدینہ منورہ" میں دستیاب ہے۔ مخطوطہ کی تاریخِ کتابت ۱۱۰۷ھ ہے اور کاتب کا نام اِس طرح مرقوم ہے "عبدُ الرزاق من بلادِ کردستان"۔ مذکورہ غزل کا مطلع مندرجہ ذیل ہے:

بہر گلشن کہ آں سروِ بلند اقبال می آید
گل از بالیدنِ خود بہر استقبال می آید

سوال یہ ہے کہ ڈاکٹر عبدالغنی صاحب نے موضوعِ بحث شعر کو کس بنیاد پر سعدؔی شیرازی کا قرار دیا ہے؟۔ یہ وضاحت کرنی ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے دونوں حاشیوں میں صرف سعدؔی لکھا ہے اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ اُنہیں سعدؔی شیرازی نہ سمجھا جائے۔ میرے علم کی حد تک اِتنا مشہور اور اہم دُوسرا سعدؔی نہیں ہے۔ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ یہ شعر اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے خط میں لکھا تھا اور اُس کے ذہن و قلم تک کسی غیر معروف سعدؔی کی رسائی ممکن نہیں تھی۔ مندرجہ بالا حقائق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن
اجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

اگر یہ شعر بیدِلؔ کا نہیں ہے تو سعدؔی کا بھی نہیں۔ یہ دلیل کہ یہ شعر آثارِ بیدِلؔ میں نہیں پایا جاتا اِس لیے بیدِلؔ کا نہیں ہے سعدؔی کے لیے بھی دی جا سکتی ہے اور یکساں قوت رکھتی ہے۔

لیکن راقم السطور نعیم حامد کی رائے میں موضوعِ بحث شعر تنہا بیدِلؔ ہی کا ہے۔ مندرجہ ذیل دلائل کی روشنی میں۔

(۱) سب سے اہم دلیل ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کی فراہم کردہ یہ خبر ہے کہ ڈاکٹر عبداللہ چغتائی کی ملکیت آثارِ بیدِلؔ کے ایک مخطوطے میں یہ شعر پایا جاتا ہے۔

(۲) یہ دلیل بھی بہت قوی ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے دو خطوں میں یہ شعر لکھا ہے۔ یہاں مناسب ہے کہ "رُوحِ بیدِلؔ" سے ایک اقتباس پیش کیا جائے۔ دیکھیے! ڈاکٹر عبدالغنی کس قدر وثوق سے لکھ رہے ہیں:

''محی الدین اورنگ زیب عالمگیر، یہ شہنشاہِ معظم شعر گو بھی تھے اور شعر فہم بھی۔ شعروسخن سے اِن کی دلچسپی کا اِس سے زیادہ ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ اپنی گوناگوں اور غیر معمولی مصروفیتوں کے باوجود اُنہوں نے اپنے عہد کے ایک شاعر میرزا عبدالقادر بیدلؔ کا دیوان حاصل کر کے اُس کا مطالعہ کیا اور صرف یہی نہیں بلکہ اپنے شُہرۂ آفاق رُقعات میں بیدلؔ کے اشعار موقع کے مطابق استعمال کیے۔

ایک رُقعے میں اعظم شاہ کو لکھا ہے کہ ''بہادر پُور اور اورنگ آباد کے درمیان والی سڑکوں پر سے راہزنوں کا جلد خاتمہ کیا جائے اور پھر یہ شعر درج کیا ہے:

من نمی گویم زیاں کن یا بفکرِ سُود باش
اے زفرصت بے خبر در ہر چہ باشی زُود باش

ایک اور رُقعے میں اعظم شاہ کو مظلوموں کی داد رسی کرنے کی ہدایت کرتے ہُوئے بیدلؔ کا ایک اور شعر درج کیا ہے:

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن
اِجابت از درِ حق بہر استقبال می آید

یہی شعر ایک بار اسدؔ خاں کو بھی بیدلؔ کے حوالے سے لکھا۔''

اِقتباس میں خط کشیدہ عبارت بطورِ خاص قابلِ غور ہے۔ اگر عالمگیر، اعظم شاہ کے بعد اسدؔ خاں کو بھی یہ شعر لکھتے ہُوئے صراحت کرتا ہے کہ یہ شعر بیدلؔ کا ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ ہم اُس کے بیان کو تسلیم نہ کریں۔ عالمگیر سخن شناس، وسیع الاطلاع اور ذمہ دار انسان تھا۔

سوال یہ ہے کہ عالمگیر کی گواہی کی بنیاد پر موضوعِ گفتگو شعر کو بیدلؔ کا کیوں نہ مانا

جائے؟۔جب کہ اِسی نوعیت کا یہ شعر:

دنیا اگر دہند نہ جنبم ز جائے خویش

من بستہ ام حنائے قناعت بپائے خویش

بھی بیدؔل کے مطبوعہ کلّیات اور مخطوطات میں نہیں پایا جاتا بلکہ جائے خویش، پائے خویش کی زمین میں بیدؔل کی کوئی غزل بھی نہیں ہے۔ یہ مفرد شعر ہے۔حتّیٰ کہ نظام الملک (جن کے خط کے جواب میں بیدؔل نے یہ شعر کہہ کر بھیجا تھا) کے نام بیدؔل کے کسی خط میں اِس شعر کا سراغ نہیں ملتا۔

بترس از..... استقبال می آید، یہ شعر اب تک دستیاب آثارِ بیدؔل میں ثبت نہیں ہے، اِس بات کی اہمیت اِس لیے نہیں ہے کہ کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ بیدؔل کا تمام کلام دریافت ہو چکا ہے۔اگر بیدؔل کے تمام مخطوطات جہاں جہاں پائے جاتے ہیں یکجا کیے جائیں اور اُن کا خوردبینی تقابلی مطالعہ کیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ نہ صرف موضوعِ بحث شعر بلکہ بیدؔل کا مزید غیر معروف کلام بھی سامنے آئے گا۔

اپنے اِس نظریے کی تائید میں دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔یکم نومبر ۱۹۸۰ء تک کسی کو علم نہ تھا کہ بیدؔل کی ایک مثنوی ''سادہ و پُرکار'' بھی ہے۔اِس کا انکشاف جناب شوکت علی خاں (ڈائرکٹر اِدارۂ تحقیقات عربی و فارسی راجستھان، ٹونک) نے اپنے اُس مقالے میں کیا جو ادارۂ تحقیقات عربی و فارسی پٹنہ، بہار کے زیرِ اہتمام منعقدہ ''مرزا عبدالقادر سیمینار'' میں پڑھا گیا تھا۔

خود راقم السطور کے دریافت کردہ، دیوانِ بیدؔل کے دو مخطوطوں (مخزونہ کتب خانہ شیخ الاسلام عارف حکمت) مدینہ منوّرہ میں بیدؔل کے ایسے اشعار پائے جاتے ہیں جو وسیع و معتبر 'کلّیاتِ بیدؔل' مطبوعہ افغانستان میں نہیں ہیں۔

اب تک یہ بحث اِس مفروضے کے تحت ہو رہی تھی کو یا موضوعِ ذکر شعر بیدؔل کے کسی مخطوطے میں پایا ہی نہیں جاتا۔جب کہ حقیقت یہ ہے کہ خود ڈاکٹر عبدالغنی صاحب کی گواہی

معتبر کے مطابق آثارِ بیدلؔ کے ایک مخطوطے، مملوکہ جناب ڈاکٹر عبداللہ چغتائی میں یہ شعر درج ہے۔ پس صفحاتِ ماسبق میں مندرجہ حیثیات کی بنیاد پر:

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن

اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

اس شعر کو راقم السطور نعیم حامد کی رائے میں بیدلؔ ہی کا یقین کیا جائے تا وقتیکہ کوئی محقق یہ ثابت کر دے کہ مذکورہ شعر کسی اور شاعر کا ہے۔

سیّد نعیم حامد علی الحامد

۱۹ ربیع الاول ۱۴۲۳ ہجری قمری

۱۰ الجوزاء ۱۳۸۰ ہجری شمسی

۳۱ مئی ۲۰۰۲ میلادی

مدینہ منورہ

اِستدراک!

طُرّۂ حسن سے ازبسکہ وہ محجوب ہُوا
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہُوا

ڈاکٹر عبدالغنی اپنے مضمون ''مرزا عبدالقادر بیدؔل پر اپنے عہد کے اثرات مشمولہ ''رُوحِ بیدؔل'' میں مندرجہ بالا شعر لکھ کر، حاشیے میں وضاحت فرماتے ہیں کہ ''میر دردؔ کا شعر ہے جو اُن کے دیوان مملوکہ لنڈن میوزیم میں موجود ہے۔ اُس کا عکسی نسخہ (ROTOS) ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس ہے۔ اِس لیے یہ شعر غلط طور پر بیدؔل سے منسوب ہو چکا ہے''

(روحِ بیدؔل صفحہ ۳۵)

ایک اور مضمون ''مرزا بیدؔل'' میں بیدؔل کے اُردو اشعار کے زُمرے میں مذکورہ شعر لکھ کر ڈاکٹر صاحب مزید تاکید فرماتے ہیں: ''پہلا شعر میر دردؔ کا ہے جو اُن کے غیر مطبوعہ کلیات موجود برٹش میوزیم میں پایا جاتا ہے اور جس کے (ROTOS) محترمی ڈاکٹر وحید قریشی کے پاس راقم نے خود دیکھے ہیں''۔'' جیسا کہ پیشتر ازیں تصریح کی جا چکی ہے یہ شعر میر دردؔ کا ہے بعد کے دونوں بیدؔل کے ہیں''

(رُوحِ بیدؔل صفحہ ۱۱۹)

ڈاکٹر عبدالغنی صاحب نے جس ثبوت کی بنیاد پر موضوعِ بحث شعر کو خواجہ میر دردؔ کا تسلیم کیا ہے اُس کے بارے میں حکیم حامد علی مؤدبانہ عرض کرتا ہے کہ اِس شعر کو میر دردؔ کا تسلیم کرنے کے لیے یہ ثبوت کافی نہیں ہے۔ محجوب ہُوا.... خوب ہُوا، یہ شعر یقیناً بیدؔل کا نہیں ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ میر دردؔ کا بھی نہیں! یہ شعر محمد میر سوزؔ کا ہے۔ مندرجہ ذیل دلائل کی روشنی میں۔

(۱) دیوانِ درد نسخۂ جامعہ مرتبہ رشید حسن خاں میرے پیشِ نظر ہے۔ دیوانِ درد کا یہ نسخہ خیام پبلشرز نے نومبر ۱۹۸۱ء میں لاہور سے شائع کیا ہے۔ اپنا مرتّب کردہ دیوانِ درد کے تعارف میں محترم رشید حسن خاں رقم طراز ہیں:

''میری معلومات کے مطابق دیوانِ درد کا قدیم ترین نسخہ وہ ہے جسے ڈاکٹر اشپرنگر کی فرمائش پر مولانا صہبائی نے مرتّب کیا تھا۔ اشپرنگر نے اپنی فہرست میں اُس کا ذکر کیا ہے اور تعریف بھی کی ہے۔ یہ ''مطبع العلوم مدرسہ دہلی میں ۱۸۴۷ء میں چھپا تھا۔ یہ اڈیشن کم یاب ہے۔ اِس کا ایک نسخہ ہارڈنگ لائبریری دہلی میں محفوظ ہے، نسخۂ جامعہ کے متن کی بنیاد اِسی کو بنایا گیا ہے۔

دیوانِ درد مطبوعہ نظامی پریس بدایوں (اشاعتِ ثانی) بھی پیشِ نظر ہے، جسے مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی کی ہدایت پر سیّد معین الدین صاحب شاہجہاں پوری نے کئی نسخوں کی مدد سے مرتّب کیا تھا۔ قاضی عبدُالودود صاحب کے الفاظ میں یہ'' حال کے نسخوں میں سب سے اچھا'' ہے۔ اور قدیم مطبوعہ نسخہ مجتبائی پریس دہلی ۱۲۷۸ھ کا چھپا ہُوا بھی میرے پاس ہے۔ یہ اشاعتِ ثانی ہے اور اِسی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی بار ۱۲۷۱ھ میں چھپا تھا۔ ناشر کا دعوا ہے کہ اُس نے متعدد قلمی اور مطبوعہ نسخوں کی مدد سے متن کی تصحیح کی ہے۔ نسخۂ صہبائی اغلاط سے خالی نہیں۔

نسخۂ نظامی و مجتبائی کی مدد سے اُن کی تصحیح کی گئی ہے اور چند مقامات پر نسخۂ نظامی کے متن کو ترجیح بھی دی گئی ہے۔ لاہور سے دیوانِ درد کا جو نسخہ شائع ہُوا ہے، وہ بھی پیشِ نظر ہے لیکن اِس میں کوئی قابلِ ذکر بات نہیں ہے۔ نسخۂ نظامی و مجتبائی میں نسخۂ صہبائی کے مقابل میں کچھ اشعار زائد ہیں۔ اُن اشعار کو متن میں شامل کر لیا گیا ہے۔ متن کے بعد ایک ضمیمے کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اِس میں وہ اشعار درج کیے گئے ہیں جو مختلف تذکروں میں درد کے نام سے مندرج ہیں اور مذکورہ

بالا نسخوں میں موجود نہیں''۔ (ص ۹/۱۰)

خواجہ میر درؔد کا جو دیوان اِتنی کاوش و اہتمام سے مرتّب کیا گیا ہے، اُس میں درد سے منسوب یہ شعر، محجوب ہُوا..... خوب ہُوا، نہیں پایا جاتا۔

(۲) صرف یہی نہیں کہ نسخۂ جامعہ مرتبہ رشیدؔ حسن خاں، جیسے مستند دیوانِ دردؔ میں یہ شعر نہیں ہے، بلکہ اہم تذکرہ ہاے شُعَرا میں خواجہ میر دردؔ کے کسی تذکرہ نگار نے موضوع ذکر شعر اپنے انتخاب میں شامل نہیں کیا ہے۔ جب کہ یہ شعر ایسا نہیں ہے کہ دیوانِ دردؔ میں ہوتا اور نگاہِ انتخاب اِسے نظر انداز کر جاتی۔ مندرجہ ذیل تذکرہ ہاے شُعَرا میں خواجہ میر دردؔ کے مفصل احوال و کثیر انتخابِ کلام کے باوجود موضوع بحث شعر نہیں پایا جاتا۔

۱	تذکرہ نکات الشُعَرا	از میر تقی میرؔ
۲	تذکرہ مجموعۂ نغز	از حکیم ابو القاسم میر قدرت اللہ قاسمؔ
۳	تذکرہ طبقات الشُعَرا	از قدرت اللہ شوقؔ
۴	تذکرہ گلشنِ ہمیشہ بہار	از نصیر اللہ خاں خویشگی
۵	تذکرہ آبِ حیات	از محمد حسین آزاد
۶	تذکرہ آزردہ	از مفتی صدرُ الدین آزردہؔ
۷	تذکرہ سخنِ شُعَرا	از عبدُ الغفور نسّاخؔ
۸	تذکرہ گلشنِ بے خار	از نواب مصطفٰی خاں شیفتہؔ
۹	تذکرہ شُعَراے اردو	از میر حسنؔ
۱۰	تذکرہ نادر	از اعتصام الدولہ میرزا کلب حسین نادر
۱۱	تذکرہ گلستانِ بے خزاں	از میر قطبُ الدین باطنؔ
۱۲	تذکرہ مسرت افزا	از ابو الحسن امیر الدین احمد

۱۳	تذکرہ گلشنِ سخن	از مردان علی خاں مبتلا
۱۴	تذکرہ گلشنِ ہند	از میرزا علی لطف

(۳) ایک طرف تو یہ صورت ہے کہ موضوعِ بحث شعر نہ صرف یہ کہ دیوانِ دردؔ میں نہیں ہے بلکہ دردؔ نے اس زمین میں کوئی غزل ہی نہیں کہی ہے۔ اور کسی تذکرہ نگار نے مجوب ہُوا.... خوب ہُوا، اِس شعر کو دردؔ سے منسوب بھی نہیں کیا۔ اور دُوسری طرف یہ امر حقیقت نما ہوتا ہے کہ تین اہم تذکروں "نِکات الشّعرا" از میر تقی میرؔ "طبقات الشّعرا" از قدرت اللہ شوقؔ اور "مجموعۂ نغز" از حکیم ابو القاسم میر قدرت اللہ قاسمؔ، میں یہ شعر محمد میر سوزؔ کے منتخب اشعار میں شامل ہے۔ مذکورہ تذکروں کے سالہائے تکمیل بالترتیب ۱۱۶۵ھ، ۱۱۸۹ھ اور ۱۲۲۱ھ ہیں۔

یہ بات بالخصوص قابلِ لحاظ ہے کہ میر تقی میرؔ نے سوزؔ کا صرف موضوعِ ذکر شعر ہی انتخاب کیا ہے۔ میرؔ کے تذکرے "نِکات الشّعرا" سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ یہ شعر سوزؔ نے تخلص تبدیل کرنے سے پہلے کہا تھا۔ ابتدا میں وہ میرؔ تخلص کرتے تھے۔ چنانچہ میر تقی میرؔ اُن کا ذکر اِس طرح کرتے ہیں "محمد میر، میرؔ تخلص جوانے است بسیار اہل، خوش طبع ... از وست ...

شُہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محبوب ہُوا
اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہُوا

اختلافِ نسخ میں مرتبِ تذکرہ بابائے اردو مولوی عبد الحق نے "محبوب" کی تصحیح کر دی ہے "مجوب"۔

صاحبِ تذکرہ "طبقات الشّعرا" سوزؔ سے ملاقات کے بھی دعوے دار ہیں اِس وجہ سے اُن کا بیان مزید معتبر قرار پاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "محمد میر، پیشتر میرؔ تخلص می کرد، اکنون بہ میر سوزؔ مشہور است... این حقیر یک دو ملاقات در مقام محمد نگر نا نذہ نمودہ، بسیار بتواضع و خُلق پیش آمد۔ از وست:

شُہرۂ حسن سے از بسکہ وہ مجوب ہُوا	☆	اپنے چہرے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہُوا

تذکرہ ''طبقات الشعرا'' میں میر سوزؔ کے ۸۱ شعر درج کیے گئے ہیں ۔ اس بات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انتخاب کرنے والے نے اِدھر اُدھر سے سُن کر نہیں ، دیوانِ میر سوزؔ کے بالاستیعاب مطالعے کے بعد انتخاب کیا ہے ۔

تذکرہ ''مجموعۂ نغز'' میں بھی موضوع بحث شعر پایا جاتا ہے ۔ قدرت اللہ قاسمؔ نہایت خلوص وجوش سے محمد میر سوزؔ کا ذکر کرتے ہیں : ''سوزؔ تخلص عزیز است از دودمان بے حد ونظیر المسمّٰی بہ محمد میرؔ ، وے مردے بود عالی طبیعت ، درویش نہاد ، نیک طویّت والانژاد..... بہ بلدہ لکھنو برحمت حق پیوست انا للہ وانا الیہ راجعون'' اِس کے بعد اشعار سوزؔ کا وسیع انتخاب دیا ہے اور اُس میں موضوع گفتگو شعر شامل ہے ۔ اِس طرح :

شہرۂ حسن سے از بسکہ وہ محجوب ہُوا
اپنے مکھڑے سے جھگڑتا ہے کہ کیوں خوب ہُوا

مَیں سمجھتا ہُوں کہ مندرجہ بالا شواہد اِس بات کے اِثبات کے لیے کافی ہیں کہ موضوع بحث شعر محمد میر سوزؔ کا ہے ، خواجہ میر دردؔ کا ہرگز نہیں ! ۔ اب رہی یہ بات کہ مخطوطہ دیوانِ دردؔ مملوکہ لندن میوزیم میں یہ شعر پایا جاتا ہے تو صرف اِس ایک شہادت کی بنیاد پر اِس شعر کو دردؔ کا قرار نہیں دیا جا سکتا۔

ایسی بے شمار مثالیں ملتی ہیں کہ کاتبوں اور تذکرہ نگاروں نے سہواً ایک شاعر کا کلام دُوسرے شاعر کے دیوان یا کلیات میں لکھ دیا ہے ۔ مَیں طوالت سے اجتناب کرتے ہُوئے صرف ایک مثال پیش کرتا ہُوں ۔ میر تقی میرؔ نے تذکرہ ''نکات الشعرا'' میں اشرف الدین علی خاں پیامؔ کے مندرجہ ذیل دو شعر لکھے ہیں :

دلّی کے کجکلاہ لڑکوں نے		کام عشاق کا تمام کیا
کوئی عاشق نظر نہیں آتا		ٹوپی والوں نے قتلِ عام کیا

(''نکات الشعرا'' مرتبہ مولوی عبدالحق صفحہ۱۲۸ اشاعتِ ثانی ناشرانجمن ترقی اردو۔ کراچی)

لیکن مندرجہ بالا یہی دو شعر ''کلیاتِ میرؔ'' مرتبہ کلب علی خاں فائقؔ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ہر چند مرتب نے حاشیے میں وضاحت کر دی ہے کہ یہ دو شعر اشرف الدین علی پیامؔ کے ہیں۔ مذکورہ شعر کلیاتِ میر کی ہر اشاعت میں شامل ہیں۔

چراغِ برقِ تحقیقے، نمی باشد دریں وادی
سیاہی کرد ایں جا، گر ہمہ خورشید پیدا شُد
نہیں ہے جب چراغِ برقِ تحقیق اِس زمانے میں
اندھیر ہی رہے گا لاکھ ہوں شمس و قمر پیدا!

بیدلؔ رہِ حمد از تو بصد مرحلہ دُور است

خاموش کہ آوارۂ وہم اَند بیاں ہا!

بیدلؔ راہِ حمدِ ذاتِ حق تجھ سے بمراحل دُور ہے ✿ خاموش کر اُس کی شان کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں

بصد مراحل ہے دُور بیدلؔ، مقامِ حمدِ غفور بیدلؔ

خموشی اُس کے حضور بیدلؔ، کمالِ نُطق وسخن کا حاصل!

✿✿

بیدلؔ! کسے ، بعرشِ حقیقت نمی رسد

تا خاکِ راہِ اَحمدِؐ مُرسَل نمی شود

بیدلؔ ! کوئی عرشِ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتا ✿ جب تک کہ خاکِ راہِ اَحمدِؐ مُرسَل نہ ہو

حقیقتِ نُورِ مطلق کی وُہی سمجھے گا اے بیدلؔ

جو راہِ سُنّتِ خیرُ البشرؐ میں گامزن ہو گا

✿✿

پیش از اِیجاد ، باُمیدِ ظُہورِ اَحمد

داشت نُورِ اَحدَم ، در کنفِ حلقۂ میم

عالم کی اِیجاد سے پہلے ظُہورِ احمدؐ کی اُمّید میں نُورِ اَحد ✿ نے مجھے (انسان کو) حلقۂ میم کے سائے میں رکھا

قبلِ اِیجاد ، باُمیدِ ظُہورِ اَحمدؐ

ہو گیا نُورِ اَحد ، معتکفِ حلقۂ میم

از قبولِ عام ، نتواں زیست مغرورِ کمال
آنچہ تحسیں دیدہ ئی زیں قوم ، دُشنام است و بس!

عامیوں میں مقبول ہو کر اپنے کمال پہ غرور نہ کر ✿ اِن لوگوں کی تحسین ، دُشنام کے سوا کچھ نہیں!

تحسینِ ناشناس ، تو تنگِ کمال ہَے!
تحسینِ ناشناس کو ، دُشنام ہی سمجھ!

✿✿

جُز مُعدے چند کہ عامست دریں عصر!
بیدلؔ نرسیدہ است ، بیاراں سخنِ مَن

چند حقیر لوگوں کے سوا کہ اِس عہد میں عام ہیں ✿ بیدلؔ مرے اشعار مرے دوستوں تک نہیں پہنچے

سِوائے مردانِ خام بیدلؔ کہ ہَیں زمانے میں عام بیدلؔ
نہ پہنچا میرا کلام بیدلؔ اَدا شناسانِ شاعری تک

✿✿

مُدّعی ! دَرگُذر از دعویِٰ طرزِ بیدلؔ
سحر مشکل کہ بکیفیتِ اِعجاز رَسَد!

اے مُدّعی! طرزِ بیدلؔ کے دعوے سے باز آ! ✿ مشکل ہے کہ جادو مقامِ اعجاز تک پہنچے!

کر نہ دعویٰ ، طرزِ بیدلؔ کا کبھی اے مُدّعی!
سحر کی کیا قدر ، اِعجازِ سخن کے سامنے!

سُراغِ منزلِ مقصد ، ز خاکساراں پُرس

کے چو جادہ ، دریں دَشت راہبر نبوُد!

خاکساروں سے منزلِ مقصود کا پتا پُوچھو اِس ✿ دَشت میں راستے سے اچھا کوئی رہنما نہیں ہوتا

نشانِ منزلِ مَقصُود پُوچھو، خاکساروں سے

کوئی رَستے سے بہتر رہبرِ منزل نہیں ہوتا!

✿✿

فیضِ معنیٰ دَر خورِ تعلیمِ ہر بے مغز نیست

نشہ را، چوں بادہ، نتواں دَر دِلِ پیمانہ ریخت

اہلِ معنیٰ ہر بے مغز کو لائقِ تعلیم نہیں گر دانتے ✿ ساغر میں مے اُترتی ہے نشہ دِلِ ساغر میں نہیں اُترتا

بابِ عقل و معرِفت، کُھلتے نہیں بے مغز پر

مَے لکھی ہے بَختِ پیمانے میں سرشاری نہیں

✿✿

مُروّت سخت دُور است اَز مزاجِ بے حسِ ظالم

ز، زخمِ کَس نمی گردَد، دوچارِ نیشتر دَردے

ظالم کا مزاج، مُرَوّت سے بہت دُور ہوتا ہے ✿ نشتر کسی کے زخم کی تکلیف محسوس نہیں کرتا

مزاجِ بے حسِ ظالم سے کیا رِشتہ مُروّت کا

کِسی کے دَرد کو نِشتر کہاں محسوس کرتا ہَے!

ناموسِ بے نیازی ، مُہرِ لبِ سوال است
کم نیست حاجت امّا ، طبعِ گدا ندارم!

غیرت بے نیازی نے، لبِ سوال پر مُہر لگا دی ہے ✿ مَیں حاجت مند ہوں، لیکن گدا مزاج نہیں!

ہَے گِراں حرفِ طلب، ناموسِ غیرت مند پہ
مَیں ضرورت مند ہوں، طبعِ گدا رکھتا نہیں!

✿✿

مَدار، اے زِشت صورت خواہشِ تحسینِ حق گویاں
کہ اسبابِ خوشامد ، خانۂ آیئنہ کم دارد!

اے بدصورت صاف دلوں سے تعریف کی اُمید نہ رکھ ✿ خانۂ آئینہ میں اسبابِ خوشامد نہیں ہوتا

نہ رکھ اے زِشت صورت خواہشِ تحسینِ حق گویاں
بَری ہَے سیرتِ آئینہ ، اِلزامِ خوشامد سے!

✿✿

اگر دشمن تواضع پیشہ است، ایمن مشو بیدلؔ
بخوں ریزی بوَد بے باک، شمشیرِ کہ خم دارد

بیدلؔ اگر دشمن اِنکسار ظاہر کرے تو خوش نہ ہو ✿ خمیدہ تلوار، خوں ریزی میں زیادہ کارگر ہوتی ہے

تواضع سے اگر پیش آئے دشمن، خوش نہ ہو بیدلؔ
کہ شمشیرِ خمیدہ اور بھی خوں ریز ہوتی ہَے!

سوزِ دلم از گریہ ، چرا محو نگردد

بر آتش اگر آب ظفر داشتہ باشد

مرا سوزِ دل رونے سے دور کیوں نہیں ہوتا ✿ اگر پانی آگ کو بجھاتا ہے

کیوں گریہ مرے دِل کی تپش کم نہیں کرتا

کہتے ہیں کہ آتش پہ ظفریاب ہے پانی!

✿✿

بسعیِ ظلم ، کے رفعِ مظالم می شود بیدلؔ

بآبِ خنجر و شمشیر ، نتواں کشت آتش را

بیدلؔ! ستم کوشی سے مظالم ختم نہیں ہوتے ✿ آبِ خنجر و شمشیر سے آگ نہیں بجھتی!

مِٹانا ظلم سے ہے غیر ممکن ، ظلم کو بیدلؔ!

بُجھائی ہے کسی نے آگ ، آبِ تیغ و خنجر سے

✿✿

اے فغاں! بگذر زچرخ ولامکاں تسخیر کن

چند در زیرِ سپر کردن نہاں شمشیر را؟

اے فغاں! آسمان سے گزر ، لامکاں تسخیر کر ✿ اور کب تک شمشیر کو ، ڈھال کے نیچے چھپائے گی

نِکل ، ہفت آسماں تسخیر کر اے آہِ مجبوراں!

نیامِ سینہ پوشیدہ رکھے ، شمشیر کو کب تک!

زاہد تُو ہم ، بَر افرُوز شمعِ غرُورِ طاعت

رحمت دریں شبستاں ، پروانۂ گناہست

زاہد تُو بھی اپنی شمعِ غرُورِ اِطاعت جلائے رکھ ✿ اِس شبستاں میں رحمت پروانہ وار شمعِ گناہ پر فِدا ہے

زاہد جلا تُو اپنی شمعِ غرُورِ طاعت

ہَے عاصیوں پہ عاشق ، پروانہ وار رحمت!

✿✿

نکُنی جُراَتِ کارے کہ نباید کردن

گر شوی ایں قدر آگہ کہ خدا می بیند

کوئی اس کام کی جُراَت نہ کرے جو نہ کرنا چاہیے ✿ گر اِس بات کو جان لے کہ خدا دیکھ رہا ہے

غیر ممکن کہ ہَے سَرزَد ہو کبھی تم سے گُنہ

بات گر اِتنی سمجھ لو کہ خدا دیکھتا ہَے

✿✿

اَز صفائے دِل تو ہم ، بیدؔل سُراغِ راز گیر

حُسنِ معنی دید اِسکندر بچشمِ آئینہ

بیدؔل تُو بھی صفائیِ قلب سے سُراغِ راز حاصل کر ✿ سکندر نے حُسنِ معنی کا نظارا چشمِ آئینہ سے کیا تھا

صفائے دِل سے تُو بیدؔل، سُراغِ راز حاصل کر

سکندر آئینے میں دیکھتا تھا معنیِ روشن

چراغِ برقِ تحقیقے، نمی باشد دریں وادی
سیاہی کرد ایں جا، گر ہمہ خورشید پیدا شُد

جب چراغ تحقیق اس وادی میں نہیں ہے تو ✿ یہاں کتنے ہی خورشید پیدا ہوں، تیرگی کم نہیں ہوگی

نہیں ہے جب چراغِ برقِ تحقیق اِس زمانے میں
اندھیرا ہی رہے گا، لاکھ ہوں شمس و قمر پیدا!

✿✿

پئے جُستجوے عنقا، بکجا تواں رسانْدن
نہ سُراغِ فہم روشن، نہ چراغِ آشنائی!

عنقا کی تلاش میں، اس طرح کہاں پہنچنا چاہتا ہے ✿ کہ نہ تمھارا حصول واضح ہے، نہ مطلوب سے آشنائی

پئے جُستجوے عنقا، کہاں جا رہا ہے ناداں
"نہ سُراغِ فہم روشن، نہ چراغِ آشنائی!"

✿✿

غُنچۂ سَر! گرہِ وہمِ تعلُّق تا چند!
اے نسیمِ دَمِ شمشیرِ شہادت! مدَدے!

غنچۂ سر میں وہمِ تعلّق ماسوا کی گرہ، کب تک رہے گی ✿ اے نسیمِ دمِ شمشیرِ شہادت، یہ گرہ کھول دے

غُنچۂ سَر! یہ ترا وہمِ تعلُّق کب تک؟
"اے نسیمِ دَمِ شمشیرِ شہادت! مدَد دے!"

قُدرت بجُز اَخلاق ، ز مَرداں نہ پسنَدد
بِگیرائی اگر دست دہد ، ترکِ حسَد بِگیر!

قُدرت چاہتی ہے کہ مَردوں میں اَخلاقِ حمیدہ ہوں ✿ اگر طاقت ہے تو ترکِ حسد پر گرفت مضبوط رکھ

اَخلاق ہے علامتِ مَردانِ خوش نہاد
مختار ہے ، تو ترکِ حسَد اِختیار کر!

✿✿

بِگرانے نیست ، اسبابِ جہاں دوشِ تجرُّد را
اِلف با ہرچہ آمیزد ، مُحال است ایں کہ نُوں گردد

شانۂ تجرُّد پر اسبابِ دُنیا بوجھ نہیں ہوتا! ✿ اَلِف کسی حرف سے مِل کر نون نہیں بنتا

نہیں لاتا ہے خاطر میں تجرُّد ، بارِ دُنیا کو
اَلِف تحریر میں جیسے بھی آئے خم نہیں ہوتا

✿✿

مباد ، دامنِ کس بِگیرَم از فُسونِ غرض
کفِ اُمّید ، حنا بستہ اَم بخونِ غرض

ایسا نہ ہو، ضرورت مجبور کر دے کسی کا دامن تھامنے پر ✿ اِس لیے دستِ اُمید پر خونِ آرزو سے مَہندی لگائی

نہ تھاموں غیر کے دامَن کو مجبورِ غرض ہو کر
کفِ اُمّید پر ، مَہندی لگائی ہے قناعت کی!

زنامِ مَے، زبانَم مَست و بے خود، دَر، دہاں اُفتد
نگاہم ، رنگِ مَے پیدا کُند از دِیدَنِ مِینا

مِینا کو دیکھ کر میری آنکھوں میں رنگِ مَے آگیا	✿	مَے کے نام سے میری زبان، مَست و بے خود ہوگئی

ذکرِ مَے سے ہوگئی میری زباں سرشار و مَست
ہوگئیں آنکھیں مُنوَّرہ ، دیکھ کر مِینا ے مَے !

✿✿

مُطرِبے دَر بزمِ مَستاں ، گر نباشد گو مباش
نے نوازِ مجلسِ مَے ، گردنِ مِینا بس است

مجلسِ شراب میں، نے نوازی کو گردنِ مِینا کافی ہے	✿	اگر بزمِ مستاں میں مُطرِب نہیں ہے تو کیا ہوا

بزمِ مَے نوشاں میں گر مُطرِب نہیں ہے تو نہ ہو!
نَے نوازِ محفلِ مَے ، قُلقُلِ مِینا تو ہے

✿✿

روادارَد چرا ، بر دُخترِ رَز تنگِ رُسوائی
گر از اِنصاف پُرسی محتسب ہم دُخترے دارَد!

اگر اِنصاف کی پوچھتے ہو، تو محتسب بھی بیٹی والا ہے	✿	دُخترِ انگور کو رُسوا کرنا، کس طرح جائز ہے

روا ، انگور کی بیٹی کی رُسوائی نہیں ہرگز
خدا لگتی کہیں گے ! محتسب بھی بیٹی والا ہے

سیرِ ایں گُلشن غنیمت داں کہ فُرصت بیش نیست
دَر طِلسمِ خندۂ گُل ، بال و پَر دارَد بہار!

گُلشن کی سیر کو غنیمت جان ، وقت کم ہے ، خندۂ گُل کے پردے میں بہار اُڑنے کو پَر تول رہی ہے

وقت کم ہے سَیرِ گُلشن کو غنیمت جانیے
خندۂ گُل ، موسمِ گُل کا پَرِ پَرواز ہے

✿✿

لالہ داغ و گُل گِریباں چاک و بُلبُل نوحہ گر!
غیرِ عبرت زیں چمن ، دیگر چہ بَر دارَد بہار؟

لالہ داغ دار ، گلاب گریباں چاک ، بُلبُل نوحہ گر ہے عبرت کے سوا ، بہار کے پاس چمن کے لیے کچھ نہیں

"لالہ داغ و گُل گِریباں چاک و بُلبُل نوحہ گر!"
فصلِ گُل میں کچھ نہیں ، سامانِ عبرت کے سِوا!

✿✿

چند باید بُود ، مغرُورِ طراوت ہائے وہم
شبنمِستا نیست بیدلؔ ، چشمِ تر دارَد بہار

ظاہری عروتازگی سے دھوکا نہ کھاؤ بیدلؔ یہ شبنمِستاں نہیں ، بہار رو رہی ہے

رَونق و سر سبزیِ گُلشن ، تمہارا وہم ہے
شبنمِستاں یہ نہیں بیدلؔ ، ہے گِریاں فصلِ گُل!

بندگی ، شاہی ، گدائی ، مُفلسی ، گردن کشی

خاکِ عِزّت خیزِ ما ، صد رنگ تُہمَت می کشد

بندگی ، شاہی ، گدائی ، مُفلسی ، گردن ، کشی ✿ میری عزت خیز خاک پر ، صد رنگ تُہمتیں لگی ہیں

’’بندگی ، شاہی ، گدائی ، مُفلسی ، گردن کشی‘‘

کِس قدر اِلزام ہیں ، اِک ذرّہ ناچیز پر!

✿✿

دَر خموشی ، لفظ و معنیٰ قابلِ تفریق نیست

حرفِ بے رنگ اَز کشادِ لب ، دو پہلو می شود

خموشی میں ، لفظ و معنیٰ کی تفریق نہیں ہو سکتی ✿ لیکن حرف سادہ منہ سے نکل کے دو پہلو ہو جاتا ہے

ہَے لباسِ لفظ و معنیٰ سے ، خموشی بے نیاز

صَوت بن کر ، فکر میں تفسیر کے پہلو بہت!

✿✿

نیست اَز جیبِ تُو بیرُوں ، گوہرِ مقصُودِ تُو

بے خبر سَر می زَنے چوں مَوج ، بَر ساحل چرا!

گوہر مقصود تیرے گریبان ہی میں ہے ✿ بے خبر موج کی طرح ساحل پر کیوں سر پھوڑ رہا ہے

گوہرِ مقصُود ہَے تیرے گِریباں میں نہاں

بے خبر پھر چھانتا ہَے خاکِ ساحل کِس لیے

آخر ز فقر ، بر سرِ دُنیا ، زدیم پا

خَلقے بجاہ تکیہ زد و ما زدیم پا

مَیں نے فقر سے ، دُنیا کو زیرِ قدم رکھا ✿ لوگ جاہ پر تکیہ کرتے ہیں، مَیں ٹھکراتا ہوں

رکھا زیرِ قدم دُنیا کو مَیں نے فقر سے آخر

ہے تکیہ جاہ پر لوگوں کا، مَیں نے اُس کو ٹھکرایا!

✿✿

صَد سنگ شُد ، آیینہ و صَد قطرہ گُہر بَست

اَفسوس ہماں خانہ خراب است دِلِ ما

سیکڑوں پتھر اور قطرے ، آئینے اور موتی بن گئے ✿ حیف! مرے دِلِ خانہ خراب کی حالت نہیں بدلی

قطرۂ آب اور سنگ ، گوہر و آئینہ بنے

حیف! مگر وُہی رہا حال دِلِ خراب کا!

✿✿

بیدؔل ! اَسبابِ جہاں ، چیزے نبُود

زندگی ! خوابِ پریشاں دید و بس!

بیدلؔ اَسبابِ جہاں کی کوئی حقیقت نہیں ہے ✿ زندگی خوابِ پریشاں سے زیادہ کچھ نہیں

شرح، اَسبابِ جہاں کی اور بیدلؔ کیا کروں

زندگی خوابِ پریشاں کے سِوا کچھ بھی نہیں!

رَنجِ دُنیا، فکرِ عُقبیٰ، داغِ حرماں، دَردِ دِل

یک نفَس ہستی، بدوشم عالمے را بار کرد

غمِ دُنیا، خیالِ آخرت، داغِ محرومی، دَردِ دِل ✿ اک پل کی زندگی کے کندھے پر دُنیا بھر کا بوجھ رکھ دیا

''رَنجِ دُنیا، فکرِ عُقبیٰ، داغِ حرماں، دَردِ دِل''

ایک جانِ ناتواں پر، بوجھ اِتنا رکھ دیا!

✿✿

صنعتِ خُوں ریزیِ تیغش، تماشا کردنی است

بسملِ ما، می فِشانَد بال و گلشن می شود

اُس کی تلوار کی کاٹ دیکھنے والی ہے ✿ زخمی یوں پھڑ پھڑایا کہ مقتل گلستاں ہو گیا

دِید کے قابل ہَیں، اُس شمشیر کی خُوں ریزیاں

رقصِ بسمل یوں ہُوا، مقتل گُلستاں ہو گیا

✿✿

کدام قطرہ کہ صَد بحر دَر رکاب ندارَد

کدام ذرّہ کہ طوفانِ آفتاب ندارَد

کوئی قطرہ ایسا نہیں جس میں سیکڑوں سمندر نہ ہوں ✿ کوئی ذرہ ایسا نہیں جو ہزاروں آفتاب نہ رکھتا ہو

مَوجزن ہَیں ایک قطرے میں سمندر سیکڑوں

ایک ذرّے میں ہَیں پوشیدہ ہزاروں آفتاب!

هر صُبح ، چاک پیرَہنِ تازہ می کُند

یارب! بدَستِ کیست ، گریبانِ آفتاب؟

هر صُبح تازہ پیرَہن چاک کرتا ہے، یارب! ✿ آفتاب کا گریبان کِس کے ہاتھ میں ہے

کرتا ہَے کون ، پیرَہنِ تازہ روز چاک

یارب! ہَے کِس کے ہاتھ، گریبانِ آفتاب؟

✿✿

اہلِ کمال خِفّتِ نُقصاں نمی کشند

مشکل کہ ہم چوں ماہ ، شوَد لاغر آفتاب!

اہلِ کمال نُقصان کی شرمندگی نہیں اُٹھاتے ✿ مشکل ہے کہ چاند کی طرح سورج گھٹے!

اہلِ کمال خِفّتِ نُقصاں سے بے نیاز

لاغر مثالِ ماہ ، نہیں ہوتا آفتاب!

✿✿

راست بازاں را، زحُکمِ کج سِرِشتاں چارہ نیست

باکماں بیدلؔ! اِطاعت لازم آمد تیر را

راست بازوں کو، کج مزاجوں کا حُکم ماننا پڑتا ہے ✿ اے بیدلؔ! تیر کمان کی اِطاعت کرنے پر مجبور ہے

ہوتے ہَیں راست باز ہی محکوم کج مزاج

لازم ہَے تیر پر، کرے طاعت کمان کی!

مباش اے غُنچۂ اوراقِ گُل مغرورِ جمعیت

کہ ایں پیوستگی ہا ، در بغل دارد جُدائی ہا

اے گل! پتیوں کی یکجائی پر گھمنڈ مت کر ✿ کہ اس یکجائی میں ، جدائی چھپی ہے

نہ ہو اے غُنچۂ اوراقِ گُل مغرورِ جمعیّت!

یہی یکجائی ناداں ، پیش خیمہ ہے جُدائی کا

✿✿

وضعِ خموشِ ما ، ز سُخن دِلنشیں تر است

با تیر احتیاج نہ دارد کمانِ ما

میری خموشی ، گفتگو سے زیادہ اثر رکھتی ہے ✿ اور میری کمان تیر کی محتاج نہیں ہے

میرا سکوت ، حرف و صدا سے بلیغ ہے

میری کمان تیر کی محتاج تو نہیں!

✿✿

بیدلؔ مباش غرّۂ سامانِ اعتبار!

ہرچند ، رنگ بال ندارد پرندہ است!

بیدلؔ! آثارِ ثبات پہ فخر نہ کر ✿ رنگ ، پَر نہ رکھتے ہوئے بھی اڑتا ہے

سامانِ اعتبار پہ بیدلؔ نہ کر غُرور

اُڑتا ہے رنگ گرچہ نہیں رکھتا بال و پَر!

رَمزِ آشنائے معنیٰ ، ہر خیرہ سَر نباشد!
طبعِ سلیم فضل است ، اِرثِ پدَر نہ باشد!

عِلم کا ہر مدّعی ، معنی آشنا نہیں ہوتا ✿ طبعِ سلیم اِنعامِ خدا ہے، میراثِ اَب و جد نہیں

رُموزِ حرف و معنی ، ہر کسی پر کھل نہیں سکتے
سُخن فہمی ہے فضلِ رب ، نہیں میراثِ آبائی!

✿✿

اَز رگِ گُل می تواں فہمید مضمونِ بہار
فیضِ معنیہائے ما ، تحریر رَوشن می کُند

مَیں نے رگِ گُل سے مضمونِ بہار سمجھا ہے ✿ میرے فیضِ معانی نے تحریر کو رَوشن کر دیا ہے

مَیں نے سمجھے ہَیں رگِ گُل سے مضامینِ بہار
فکرِ عالی کو ، کِیا رَوشن مِری تحریر نے

✿✿

سازِ طربِ محفلِ اقبال شِکست است
جامے کہ شُنید تو ، فلک بر سرِ جَم زد!

محفلِ خوش بختی کے سازِ طرب کا انجام ٹوٹ جانا ہے ✿ جس جام کی دھوم تھی فلک نے اُسے جَم کے سر پہ مارا

ہر اِک سازِ طرب کا ٹوٹ جانا ہی مقدر ہَے
فلک نے ساغرِ جمشید اُس کے سر پہ دے مارا!

باعثِ قتلِ مَن از لالہ رُخاں ہیچ مپُرس
ایں قدر بس کہ بگویند گنہ گارے ہست

مرے قتل کا سبب لالہ رُخوں سے نہ پوچھ ✿ اُن کا اِتنا کہنا ہی کافی ہے کہ یہ گنہ گار ہے

پُوچھ مت لالہ رُخوں سے سببِ قتل مِرا
اِتنا کافی ہے وُہ کہہ دیں کہ گنہ گار ہے یہ!

✿✿

بحرف آمدی و زخمِ کہنہ اَم نو شُد
بحیرتم چہ نمک بُود ، گفتگوے تُرا

تیری زبان سے حرف نکلتے ہی ، پُرانا زخم تازہ ہو گیا ✿ حیران ہوں کہ تیری گفتگو میں کس قدر نمک ہے

کہا اِک حرف تُو نے ، زخمِ کہنہ ہو گیا تازہ
خدا رکھّے ، نمک رکھتی ہے کِتنا گفتگو تیری!

✿✿

لعلِ تُو بحرف آمد و دادیم دِل از دست
یعنی بسوالِ تُو ، جواب است دِلِ ما!

ترے لب سے حرفِ طلب نکلتے ہی دل ہاتھ سے ، ✿ دے دیا کہ ترے سوال کا جواب مرا دل ہی ہے

حرفِ طلب پہ ، ہاتھ سے دِل مَیں نے دے دیا
تیرے سوال کا ، مِرا دِل ہی جواب ہے

پادشاہی دَر طِلسمِ سَیر چشمی بستہ اَند
کاسۂ چشمِ گدا، گر پُر شوَد جامِ جم است!

تونگری دَر اصل سیر چشمی میں چھپی ہے	✿	پیالۂ چشمِ فقیرا گر پُر ہو تو جامِ جم کہلائے

بادشاہی ہے فُسونِ سَیر چشمی میں نِہاں
کاسۂ چشمِ گدا، پُر ہو تو رَشکِ جامِ جَم!

✿✿

زَبانِ خار ندانم چہ گُفت دَر گوشش
کہ چشم اَز آبلہ ام، بَر دسیلِ خوں باری

نہ جانے زبانِ خار نے، اُس کے کان میں کیا کہا	✿	کہ چشمِ آبلہ سے اِک طوفانِ خون بہہ نکلا

زَبانِ خار نے کیا کہہ دیا ہے کان میں اُس کے
کہ چشمِ آبلہ سے ہو گیا اِک سیلِ خوں جاری!

✿✿

اَز حیا با چرب طبعاں، بَر نیاید ہیچ کَس
آب دَر ہر جا کہ دِیدَم ہزیر دستِ رَوغن است

حیادار، چرب زبان سے نہیں جیت سکتا، دیکھا	✿	گیا ہے کہ چکنائی ہمیشہ پانی کے اوپر ہی رہتی ہے

مُقابل چرب طبعوں کے، حیا ناکام رہتی ہے
کہ سطحِ آب پر، روغن کو بالا دست ہی دیکھا!

ز آفتابِ قیامت اگر خبر داری

بفرقِ بے کُلہاں ، سایہ کُن غُبار مَریز

اگر آفتابِ قیامت کی گرمی کا اندازہ ہے ✿ تو، محتاجوں کے سر پہ سایہ کر ، خاک نہ ڈال

ہَے آفتابِ قیامت کا کچھ خیال اگر

سرِ فقیر پہ ، کر سایہ اُس پہ خاک نہ ڈال!

✿✿

بَر ہمیں آبلہ ، ختم است رَہِ کعبہ و دَیر

کاش می کرد ، کسے سَیرِ مقامِ دِلِ ما

راہِ کعبہ و دیر ، اِسی آبلے تک آتی ہے ✿ کاش کوئی تو میرے مقامِ دل کی سَیر کرے

ختم ہَے اِس آبلے ہی پر ، رَہِ کعبہ و دَیر

کاش کوئی تو کرے میرے مقامِ دِل کی سَیر

✿✿

طبع را ، فیضِ خموشی می کند معنی شکار

نیست جُز دامِ تأمُّل ، وحشیِ اَندیشہ را

ذہن فیضِ خموشی سے صیّادِ معانی ہوتا ہے ✿ وحشی خیال ، دامِ تفکّر ہی میں پھنستا ہے

کرتا ہَے فیضِ خموشی ، طبع کو معنی شکار

وحشیِ اندیشہ کو ، دامِ تأمُّل چاہیے!

اے جگر ہا داغ دارِ شوقِ پیکانِ شُما

چاک ہائے دِل ، نیامِ تیغِ مژگانِ شُما

بہت جگر تیرے ، تیروں کا نشانہ بننے کا شوق رکھتے	✿	ہیں، دِل کے چاک تیری تیغ مژگاں کی نیام ہیں

داغ ہیں کِتنے جگر، اِک شوقِ پیکاں میں ترے

ہیں دِلوں کے چاک، تیری تیغِ مژگاں کی نیام

✿✿

گفتگو کم کُن ، اگر عافیّت مَنظور است

بحر ہم می رَوَد از خود ، چو ہَوا بیش شَوَد

اگر عافیت منظور ہے تو زیادہ باتیں نہ کر	✿	ہَوا تیز ہو تو سمندر بھی حد سے گزر جاتا ہے

گفتگو اِتنی نہ کر ، گر عافیت مَنظور ہے

بحر بھی خود میں نہیں رہتا ، ہَوا اگر تیز ہو!

✿✿

شوخیِ بادِ خزاں ، سر مایۂ اِکسیر داشت

نیست زیں گلشن ، پَرِ کاہے کہ اُو ، زرّیں نشُد

شوخیِ بادِ خزاں ، کیمیا کا اثر رکھتی ہے	✿	گلشن میں کوئی تنکا نہیں جو زریں نہ ہو گیا ہو

شوخیِ بادِ خزاں کی کیمیا سازی تو دیکھ

اُس نے گلشن کا ہر اِک تنکا سُنہرا کر دیا!

اَز ہُجومِ اَشک، بَر مژگاں گُہر ہا چیدہ ایم

دَر تمنّائے نِثارِ لعلِ خندانِ شُما

کثرتِ اَشک سے مَیں نے پلکوں پر موتی چُنے ہیں ✿ اِس تمنّا میں کہ تمہارے لبِ خنداں پر نثار کروں

سجائے مَیں نے پلکوں پر ہُجومِ اَشک سے موتی

تمنّا ہے نچھاور ہوں، تُمہارے لعلِ خنداں پر!

✿✿

بے حُضورِ وصلِ جاناں، چیست فردوسِ بریں

بے شرابِ لُطفِ ساقی، کیست آبِ کوثرش!

اگر محبوب سے وصل نہ ہو، تو جنت بے کیف ہے! ✿ شرابِ لطفِ ساقی کے بغیر آبِ کوثر کی کیا حیثیت؟

بے سُرورِ وصلِ جاناں، کیا ہے فردوسِ بریں

بے شرابِ لُطفِ ساقی، آبِ کوثر کچھ نہیں!

✿✿

تُو اے زاہد، مکُن چندیں جفا دَر حقِ بینائی

بَرآ، اَز خلوت و کیفیتِ صُنعِ خُدا بِنگر

اے زاہد! اپنی بینائی پر اِتنا ظلم نہ کر ✿ خلوت سے باہر آ، خُدا کی شان و قدرت دیکھ

نہ کر اِتنی جفا، زاہد تُو اپنی چشمِ بینا پر

نِکل باہر، خُدا کی شان و قُدرت کا تماشا کر!

زندگی دَر گردنم اُفتاد بیدلؔ چارہ نیست

شاد باید زیستن، ناشاد باید زیستن!

بیدلؔ! زندگی گلے کا ہار ہو گئی ہے ✿ اب تو ہر حال میں جینا ہی پڑے گا

زندگی پڑ گئی گلے بیدلؔ

شاد و ناشاد اب تو جینا ہے

✿✿

مباش بے خبر از دَرسِ بے ثباتیِ عُمر

کہ ہر نَفَس، وَرَقے، زیں کتاب می ریزد

عُمر کے سبق بے ثباتی سے غافل نہ رہ ✿ ہر سانس اِس کتاب کے ورق کم کر رہا ہے

نہ ہو غافل، کتابِ زندگی کی بے ثباتی سے

کہ ہر اک سانس پر اِس کے وَرَق کم ہوتے جاتے ہیں

✿✿

چوں فنا نزدیک شُد، مشکل بُود ضبطِ حواس

دَر دَمِ پَرواز، بال و پَر، پریشاں می شوَد

فنا نزدیک ہو، تو حواس کا قابو میں رہنا مشکل ہے ✿ پَرواز کے وقت بال و پَر یکجا نہیں رہتے

رَہیں اَوسان قائم، وقتِ آخر غیر ممکن ہے

دَمِ پَرواز بال و پَر، پریشاں ہو ہی جاتے ہیں!

وحدت سَرائے دِل نشود جلوہ گاہِ غیر
عکس است تُہمتے کہ بَر آئینہ بستہ اَند

وحدت آبادِ دل! غیر کی جلوہ گاہ نہیں ہے ✿ عکس تو ایک تُہمت ہے جو آئینے پر لگائی گئی ہے

وحدت سرائے دِل میں نہیں غیر کا مقام
آئینے پر ہے عکس کی تُہمت لگی ہُوئی!

✿✿

غیر را دَر دِل شکوہِ عشق گنجایش نداد
خانۂ خورشید اَز خورشید مالا مال بود

شکوہِ عشق نے، دِل میں غیر کی جگہ نہیں چھوڑی ✿ جس طرح خانۂ خورشید میں صرف خورشید ہے

غیر کی دِل میں نہ چھوڑی جا شکوہِ عشق نے
خانۂ خورشید، مالا مال ہے خورشید سے

✿✿

ترکِ خُودداریست مشکل، ورنہ مُشتِ خاکِ مَن
طرفِ دامانے گر اَفشانَد، بیاباں می شوَد

خُودداری ترک نہیں کر سکتا، ورنہ میری مشتِ خاک ✿ اگر گوشۂ دامن جھاڑے تو بیاباں پیدا ہو جائے

ترکِ خُودداری ہے مشکل، ورنہ میری مُشتِ خاک
گر جھٹک دے گوشۂ دامن، بیاباں پیدا ہو!

سُراغِ عاقبت خواہی ، بمیدانِ شہادت رَو

کہ صد بالینِ راحت، اَز پَرِ یک تیری جوشَد

مغفرت کی طلب ہے تو میدانِ شہادت کا رُخ کر ✿ صد بسترِ راحت، تیر کے ایک پر میں جوش زن ہیں

سُراغِ خُلد، میدانِ شہادت ہی سے ملتا ہَے

کہ پَروازِ پرِ یک تیر پہنچاتی ہَے جنّت میں

✿✿

شہادت گاہِ عشق است ایں، مکُن فکرِ تنِ آسانی

مُیسّر نیست ایں جا جُز بزیرِ تیغ خوابیدن!

یہ شہادت گاہِ عشق ہے، یہاں کم حوصلوں کا گزر نہیں ✿ یہاں نیند صرف تلوار کے سائے میں مُیسّر ہوتی ہے

نہ کر فکرِ تن آسانی، شہادت گاہِ ہستی میں

ہَے خواہش خوابِ راحت کی،تو زیرِ تیغ سجدہ کر

✿✿

چہ مقناطیس حل کرد است یارب! خونِ نخچیرَش

کہ پیکاں یک قدم پیش است، اَز سعیِ پرِ تیرَش

یارب! شکار کے خون میں کیسا مقناطیس حل کر دیا ہے ✿ کہ پیکاں تیر کے پَر سے ایک قدم آگے ہوتا ہے

کیا حل کیسا مقناطیس، خونِ صید میں یارب!

پَرِ پَرواز سے ہوتا ہَے آگے اِک قدم پیکاں!

دِل چو آزادِ تعلُّق شُد ، مُنوّر می شوَد
قطرۂ کز موج دامن چید ، گوہر می شوَد

دل علائقِ دُنیا سے آزاد ہو کر مُنوّر ہو جاتا ہے	✿	جس طرح موج سے دامن بچا کے قطرہ موتی بن گیا

ہو کے آزادِ تعلُّق ، دِل مُنوّر ہو گیا
مَوج سے دامَن بچا کے ، قطرہ گوہر ہو گیا

✿✿

حِرص بصد عزّ و جاہ ، دَر ہمہ صورت گدا ست
گر بقناعت رَسے ، فَقرِ غِنا می شوَد

لالچی عزّت وجاہ کے باوجود بھکاری ہے	✿	محتاج قناعت سے، دولت مند کا ہم رُتبہ ہو جائے

حریصِ جاہ و عزّت ، تو بہر صورت گداگر ہے
قناعت کو اگر پہنچے تو مُفلِس بھی تونگر ہے

✿✿

بیدؔل زہر دو کون ، فراموشیت خوش است
زیں بیش نیست ، گر ہمہ گویم ہزار بار!

بیدؔل! دو عالم کو بھلانا ہی بہتر ہے	✿	اگر یہ بات ہزار بار کہوں، پھر بھی زیادہ نہیں

بیدؔل! ہو بے نیازِ دو عالم ، یہی ہے خوب
کم ہے اگر کہوں یہ سُخن مَیں ہزار بار!

شمع را دَر بزم ، بہرِ سُوختن آوُردہ است
فکرِ انجامَم مکُن ، گر دیدئی آغازِ مَن

شمع محفل میں جلانے کے لیے ہی لائی جاتی ہے ✿ جب آغاز آتش ہو ، تو انجام پگھلنا ہی ہوتا ہے

نہ کر انجام کا غم ، میرا گر آغاز دیکھا ہَے
کہ محفل میں ہمیشہ شمع ، جل بُجھنے کو آتی ہَے

✿✿

اے غافل از نزاکتِ معنی تاَمُلے
مہ را ، کسے شناخت کہ سَیرِ ہلال کرد

غافل ! معنی نازک ہے ، ہر پہلو سے غور کر ✿ اِس لیے کہ ہلال سے مہتاب کا سُراغ ملتا ہے

غافل ذرا نزاکتِ معنیٰ پہ غور کر
راہِ قمر نکلتی ہَے کوے ہلال سے!

✿✿

آبرُو خواہی ، مقیمِ آستانِ خویش باش
اَشک را ، اَز دِیدہ پابیرُوں نہادَن خواری است

آبرو چاہتا ہے تو ، اپنی دہلیز تک محدود رہ ✿ کہ آنسو آنکھ سے باہر پاؤں رکھ کے خوار ہوتا ہے

ہَے اِسی میں آبرُو ، گھر سے قدم باہر نہ رکھ!
آنکھ سے جو اَشک نکلے خاک میں مِل جائے ہَے

اَز نقشِ ما ، حقیقتِ آفاق خواندنی است

چُوں مَوج ، کارنامۂ دَریا نوِشتہ ایم

میری ذات سے آفاق کی حقیقت سمجھنا ممکن ہے ✿ مَیں نے موج کی طرح کارنامۂ دریا لکھا ہے

مُجھ سے ہُوئی حقیقتِ آفاق مُنکشِف

لہروں سے کار نامۂ دَریا لکھا گیا

✿✿

مشقِ خیالِ ما ، بتمامے نمی رسَد

اے بے خوداں ، ہمہ وَرَقِ نانوِشتہ ایم

میرا نقشِ زیست ، ابھی مکمل نہیں ہُوا ✿ گویا مَیں ایسا وَرق ہُوں، جس پر کوئی تحریر نہیں

نقشِ خیال ، پہنچا نہیں ہے کمال تک

گویا مَیں آج تک وَرَقِ نانوِشتہ ہوں

✿✿

قاصِد چو رنگ ، باز نگردید سُوے ما

معلوم شُد کہ نامہ بعَنقا نوِشتہ ایم

قاصد اُڑے ہُوئے رنگ کی طرح واپس نہیں آیا ✿ ایسا لگتا ہے کہ مَیں نے عنقا کے نام خط لکھا تھا

مانندِ رنگ ، جا کے نہیں آیا نامہ بَر

ظاہر ہُوا کہ نامہ وُہ عَنقا کے نام تھا!

پیکرت خم کرد پیری ، از فنا غافل مباش
سخت نزدیک است بیدلؔ ، سجدہ با سازِ رکوع

پیری نے قد کو جھکا دیا ہے، فنا کو مت بھول ✿ بیدلؔ رکوع سے سجدے کا مقام بہت قریب ہے

کیا ہے پیری نے جسم کو خم، نہیں رہے اب حواس باہم
نہ بھول وقتِ فنا کو بیدلؔ ! رکوع سے ہے قریب سجدہ

✿✿

سرمایۂ نشاطِ تو ، رفعِ تعلّق است
از ترکِ برگ ، نے بمقامِ نوا رسید!

تیری خوشی اسی میں ہے کہ دنیا سے اجتناب کر ✿ بانسری، پتوں سے بے نیاز ہو کر مقامِ نغمہ تک پہنچی

ترکِ تعلّقاتِ دہر ، وجہِ مسرّت و نشاط
برگ سے بے نیاز نے ، نغمہ مقام ہو گئی!

✿✿

مہ شد ، ہزار بار ہلال و ہلال بدر
دیدیم وضعِ عالمِ نقص و کمال را

ماہ ہزار بار ہلال اور ہلال بدر بنتا ہے ✿ میں عالمِ نقص و کمال کی حقیقت سمجھ چکا ہوں!

بدر و ہلال ، ماہ بنے ہے ہزار بار
میں جانتا ہوں ، رمزِ زوال و کمال کو!

نشوَد شکوہ گرہ ، دَر دِلِ روشن گُہراں
دُود ، دَر سینہ مُحال است نہاں دارَد شمع!

شکایت صاف باطنوں کے دِل میں گرہ نہیں ڈالتی ✿ مُحال ہے کہ شمع کے سینے میں دُھواں پوشیدہ رہے

قلبِ روشن میں نہیں پڑتی شکایت سے گرہ
غیر ممکن ہے رہے شمع کے سینے میں دُھواں

✿✿

داغ زیرِ پا و آتش بَر سَر و دَر دِیدہ اَشک
شمع را، دَر انجمن بودَن ، چہ جائے خُرّمیست

پاؤں کو آبلے، سَر کو شعلہ اور آنکھوں کو آنسو ہی ملے ✿ شمع کے لیے محفل میں رہنا ، مسرت کا مقام نہیں

داغ ہَیں پاؤں میں، سَر پر آگ اور آنکھوں میں اَشک
شمع کو اِس بزم میں کوئی خوشی حاصل نہیں

✿✿

مَرداں ز اِستِقامت و ہمّت ، برنگِ شمع
اَز جا نمی رَوَند ، اگر سَر بُریدہ اَند

اہلِ اِستقامت و عزیمت شمع کی طرح ✿ اپنی جگہ سے نہیں ہلتے ، چاہے سَر قلم ہو جائے

مَردانِ اِستِقامت و ہمّت ، مثالِ شمع
اپنی جگہ سے ہلتے نہیں، چاہے سَر ہی جائے

کمال داشت اِشارت کہ سَر کشی تا چند

بجیبِ بحر رُجوعِ آوَرَند، مَوج و حباب!

کب تک سرکشی کرے گا، اِس بلیغ اِشارے پر غور کر ✿ کہ مَوج و حَباب، دَریا کی طرف رُجوع ہوتے ہیں

غضب کا ہے یہ اِشارہ کہ سَرکشی کب تک

حَباب و مَوج پلٹتے ہیں، جانبِ دَریا!

✿✿

عارِف بخدا رسد از گردشِ چشمے

دَر نیم نفَس، بحر ہم آغوشِ حَباب است

خدا شناس پلک جھپکتے ہی خدا تک پہنچ جاتا ہے ✿ سانس لیتے ہی، حباب دَریا سے ہم آغوش ہوتا ہے

جھپکتے ہی پلک، پہنچے خدا تک بے خطر عارِف

کہ اک ہی سانس میں، پہنچے حَباب آغوشِ دَریا میں

✿✿

ز تیغِ یار سَرِ ما، بُلند شُد بیدؔل

بہ مَوج، خیمۂ نازِ حَباب می بافند

بیدؔل میرا سَر شمشیرِ یار سے اونچا ہُوا ✿ جس طرح حباب کا خیمۂ ناز، مَوج سے بُنا گیا

شمشیرِ یار نے کِیا بیدؔل کا سَر بُلند

یعنی بُنا ہے مَوج نے خیمہ حَباب کا

دِل زِ نَیرنگِ تغافل ہائے اُو، مایوس نیست
نازمی گوید کہ آخر مہرباں خواہم شُدن

دل محبوب کے طرزِ تغافل سے مایوس نہیں ✿ انداز ناز کہہ رہا ہے کہ مہرباں ہو جائے گا

اُس کے اَفسونِ تغافل سے نہیں مایوس دِل
ناز کہتا ہے کہ آخر مہرباں ہو جائے گا

✿✿

دِل بیادِ پرتوِ حُسنَت، سراپا آتَش است
اَز حضورِ آفتاب آئینۂ ما، آتَش است

دل میں تیرے پرتوِ حُسن سے آتش بھڑک رہی ہے ✿ جیسے آئینہ سورج کے سامنے سراپا آگ ہو جاتا ہے

دِل بیادِ پرتوِ جلوہ! مُجَسّم آگ ہے
سامنے سورج کے آئینہ! مُجَسّم آگ ہے

✿✿

بیدلؔ آں فِتنہ کہ طوفانِ قیامت دارَد
غیرِ دِل نیست، ہمیں خانہ خراب است ایں جا

بیدلؔ! وہ فِتنہ جو طوفانِ قیامت رکھتا ہے ✿ اور کوئی نہیں میرا ہی دِل خانہ خراب ہے

وُہ فِتنہ کہ طوفانِ قیامت کا اَمیں ہے
بیدلؔ! دِلِ مضطر کے سِوا کوئی نہیں ہے

تر سَم شوِد آزُردہ ز تابِ نِگہَ گرم
رُخسارِ تُو، از سایۂ مژگاں گِلہ دارَد

ڈرتا ہُوں مری نگاہ کی تپش سے خفا نہ ہو جائے ✿ تیرا رُخسار، جو پلکوں کے سائے سے گِلہ رکھتا ہے

کیا گرم نگاہی سے وُہ آزُردہ نہ ہو گا؟
رُخسار! جِسے سایۂ مژگاں سے گِلہ ہَے!

✿✿

آیئنۂ دِل را، ز نفَس نیست رَہائی
دَریا عبَث از شوخیِ طُوفاں گِلہ دارَد

جب آیئنۂ دِل کو سانسوں سے چھٹکارہ نہیں ہَے ✿ تو دریا کو طُوفان کے زور سے عبث شکایت ہَے

آزادِ نفَس، آیئنۂ دِل بھی نہیں ہَے
پھر بحر کو کیوں شوخیِ طُوفاں سے گِلہ ہَے؟

✿✿

چشمِ اہلِ جُود اگر می داشت رنگے امتیاز
ایں قدر ہرگز نمی شُد، نالۂ سایل بُلند

اگر سخی کی آنکھ ضرورت مند کو پہچانتی تو ✿ محتاج اِس قدر شور نہ کرتے، سخی بے طلب دیتا ہَے

چشمِ اہلِ جُود میں ہوتا اگر ذوقِ تمیز
اِس قدر ہرگز نہ ہوتا نالۂ سائل بُلند!

اَز طاقتِ داغم، جگرِ شُعلہ کبابست
اَز آبلہ اَم ، خارِ مغیلاں گِلہ دارَد

میرے داغِ دل کی تابانی سے جگرِ شعلہ کباب ہو گیا	✿	میرے پاؤں کے چھالوں سے کانٹوں کو شکایت ہے

داغوں سے مِرے، ہَے جگرِ شُعلہ کو چشمک
چھالوں سے مِرے، خارِ مُغیلاں کو گِلہ ہَے

✿✿

بیدؔل مَنَم آں گوہَرِ دَریائے تحمّل
کز لنگرِ مَن ، شورشِ طوفاں گِلہ دارَد

بیدؔل میں دریائے تحمّل کا وہ موتی ہوں	✿	جس کی برداشت سے شورشِ طوفاں عاجز ہے

دَریائے تحمّل کا، وُہ گوہَر ہُوں مَیں بیدؔل
ہمّت سے مِری، شورشِ طُوفاں کو گلہ ہَے

✿✿

جُز پیشِ ما ، مخوانید ، افسانۂ فنا را
ہر کس نمی شناسَد ، آوازِ آشنا را

افسانۂ فنا میرے سوا کسی کے سامنے نہ پڑھ	✿	آوازِ آشنا کو ہر شخص نہیں پہچانتا

بس میرے سامنے پڑھ ، افسانۂ فنا کو
مَیں جانتا ہُوں رمزِ پیغامِ آشنا کو

اندیشۂ خود بینی از وضعِ اَدب دُور است

آیینہ نمی باشد ، آنجا کہ حیا باشد!

اَدب کے تقاضے سے خود بینی مُناسبت نہیں رکھتی ✿ جہاں حیا ہو ، وہاں آئینہ نہیں ہوتا

خود بینی نہیں ہرگز ، آئینِ ادب کیشاں!

ہوتی ہے حیا جس جا ، آئینہ نہیں ہوتا!

✿✿

نشُدم محرمِ انجامِ رعونت بیدلؔ

شمع ہر چند ، بمن گفت کہ گردن مفراز!

بیدلؔ! میں پھر بھی گھمنڈ کے انجام کو نہ سمجھا ✿ حالانکہ شمع مجھ سے کہتی رہی ، کہ گردن اونچی نہ کر

نہ ہُوا ، محرمِ انجامِ تکبُّر بیدلؔ!

شمع کہتی رہی ہر چند ، نہ سَر اُونچا کر!

✿✿

از شرم رُو سیاہیِ اَعمالِ زِشتِ خویش

بَر رُخ کشیدہ ایم زدَستِ دُعا نقاب

اپنے اَعمالِ بد سے شرمندہ ہو کر ✿ دستِ دُعا سے ، اپنے چہرے کو چھپاتا ہُوں

شرما کے رُو سیاہیِ اَعمالِ زِشت سے

دَستِ دُعا کو ، کرتا ہُوں چہرے کی مَیں نقاب!

دِلِ مُردہ غافلِ اُفتاد، ز مآلِ کارِ ہستی
سَرِ زندہٴ ندارد کہ غمِ فنا ندارد

مُردہ دل ہی زندگی کے انجام سے غافل ہے
کوئی با ہوش ایسا نہیں ہے جسے فنا کا غم نہ ہو

مآلِ کارِ ہستی سے دِلِ مُردہ ہی غافل ہے
نہیں کوئی سَرِ زندہ، فنا کا غم نہ ہو جس کو!

زترانہ ہاے اِبرام، خجِل است فطرت امّا
چہ کُند زبانِ سایل کہ غرض حیا ندارد!

مسلسل تقاضوں سے میری فطرت شرماتی ہے
لیکن ضرورت مند کیا کرے، غرض بے شرم ہوتی ہے

نواہاے اِلتجا سے، گو خجِل ہے میری فطرت
کرے کیا زبانِ سائل کہ غرض حیا سے عاری!

اِختلافِ وضعہا بیدؔل، لِباسے بیش نیست
ورنہ یک رنگ است خُوں دَر پیکرِ طاؤس و زاغ!

بیدؔل دونوں میں صرف لباس کا فرق ہے
ورنہ مور اور کوے کے خُون کا رنگ ایک ہے

پَیرَہن ہے اُن کا بیدؔل، صِرف وجہِ امتیاز
ایک سا ہے رنگِ خونِ پیکرِ طاؤس و زاغ!

ترجمہ بقیدِ صنعتِ ذو قافیتین

اہلِ دُنیا را مُطیعِ خویش کردن کار نیست

پر بآسانے تواں دادن، بچوبِ خام، خَم

دُنیا داروں کو اپنا مُطیع کرنا معمولی کام ہے ✿ جیسے کہ کچی لکڑی بآسانی موڑی جا سکتی ہے

طالبِ دُنیا کو اپنانا کوئی مشکل نہیں

جیسے آسانی سے ہو جاتی ہے چوبِ خام خَم!

بسکہ فرصتہا، پَر افشانِ ہوائے وحشت

اَز وصالم داغِ دِل می جوشد، اَز پیغام، غَم!

وقتِ ملاقات زیادہ ہی کیوں نہ وجہِ وحشت ہوتا ہے ✿ وصل سے داغِ دل جوش کرتا ہے، پیغام سے غم

تُجھ سے مِل کر پھر بچھڑنے سے ہُوں مَیں وحشت زدہ

اپنے دامَن میں لیے ہے، وصل کا پیغام، غَم!

محملِ موجِ نفَس، اَز بحرِ اِمکاں شستہ است

عافیت دَر کشورِ ما، دارَد اَز آرام، رَم!

کشتیِ موجِ نفَس بحرِ اِمکان کے دام میں پھنسی ہے ✿ میری کشورِ زندگی سے عافیت گریز کرتی ہے

ہَے رواں بحرِ فنا میں کشتیِ مَوجِ نفَس

میری ہستی سے ہمیشہ کرتا ہے آرام، رَم!

آنچہ ما ، دَر حلقۂ داغِ محبت دِیدہ ایم

نے سکنؔدر دِید دَر آیینہ ، نے دَر جام ، جَم !

مَیں نے جو کچھ حلقۂ داغِ محبت میں دیکھا ہے ✿ نہ سکنؔدر نے آئینے میں دیکھا، نہ جَم نے جام میں

قِطعہ

ترجمہ : بقیدِ صنعتِ ذو قافیتین

مَیں نے جو چاہا ، دکھایا ہے محبت نے مُجھے

زندگی میں شکرِ ایزد ، مَیں ہُوا نا کام ، کم !

کیا مِلا تُجھ سے سکنؔدر کو ، بتا اے آئینے ؟

کچھ نہ حاصل کر سکا تُجھ سے کبھی ، اے جام ، جَم !

✿✿

اَز خجالت دَر لبِ گُل ، خندہ شبنم می شود

با تبسّم آشنا گر سازد آں گلفام ، فَم !

شرم سے پھول کی ہنسی پانی پانی ہو جائے ✿ اگر اس گُلفام کے لب، مُسکرانے پر آمادہ ہوں!

شرم سے ہو پانی پانی ، خندۂ گُل باغ میں

گر تبسّم آشنا تیرا ہو ، اے گُلفام ، فَم !

مَندرِجہ ذَیل شعر کا ترجمہ قِطعہ میں کِیا گیا ہَے

عشق کم گاہے ، قدر دانِ دَرد پیدا می کُند

بیستوں گر تا اَبد نالَد دِگر فرہاد نیست

عشق کم ہی دَرد کا قدر دان پیدا کرتا ہَے ✿ بیستوں اگر تا اَبد فریاد کرے دُوسرا فرہاد نہیں ہو گا

جِس کے دَم سے عِزّتِ دَردو جُنوں پائے فروغ

اب وُہ آدم زاد ! پیدا ہو یہ ممکن ہی نہیں!

بیستوں ! چاہے قیامت تک رہے نالہ کُناں

دُوسرا فرہاد ! پیدا ہو یہ ممکن ہی نہیں!

✿✿

مَوج و کف مشکل کہ گردَد ، مَحرمِ قعرِ مُحیط

عالمے بے تابِ تحقیق است و اِستعداد نیست

لہریں اور جھاگ ، سَمندر کی گہرائی سمجھ سکیں مشکل ہے ✿ دُنیا خواہشِ تحقیق رکھتی ہے مگر اِستعداد نہیں رکھتی

مَوج و کف ، اَسرارِ دَریا کو سمجھ سکتے نہیں

خواہشِ تحقیق ، اِستعداد سے مشروط ہے
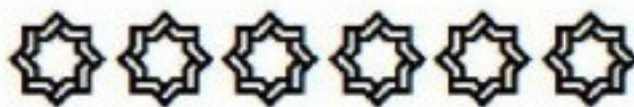
رنگِ شِکستہ ، آیئنۂ بے خودی بس است

یارب ! زبانِ ما ، نشود ترجُمانِ ما

اُڑا ہُوا رنگ ہی میری بے خودی کا آئینہ دار ہے ✿ الٰہی! مری زبان عرضِ حال نہ کرے

رنگِ پریدہ ، آیئنۂ بے خودی رہے

یارب! میری زبان ، مری ترجُماں نہ ہو!

✿✿

بداغِ آرزُوے ، می تواں تعمیرِ دِل کردَن

بِنائے خانۂ آیئنہ ، یک دیوار بس باشَد

مَیں نے داغِ آرزُو پر خانۂ دِل کی بُنیاد رکھّی ہے ✿ خانۂ آئینہ کی تعمیر صرف اِک دیوار سے ہُوتی ہے

فقط اِک آرزُو پر ، خانۂ دِل کی بِنا رکھّی

اَساسِ خانۂ آیئنہ ، اِک دیوار کافی ہَے!

✿✿

گِرِفتہ است حوادث ، جہانِ اِمکاں را

ز عافیت ، چہ زمین وچہ آسماں خالیست

یہ جہانِ اِمکاں حوادث کی زَد میں ہے ✿ زمین ہو یا آسمان ، سکون کہیں نہیں ہے

گِرِفت میں ہَے حوادث کی عالمِ اِمکاں

ہَے عافیت سے ، زمین اور آسماں خالی

ابر ایں جا ، می کُند از کیسۂ دریا کرم!
اے توَنگر! بر نیارے ، حاجتِ سایل چرا؟

بادل تو سمندر کی جیب سے لے کر سخاوت کرتا ہے	✿	اے مال دار! تو محتاج کو اپنی جیب سے کیوں نہیں دیتا

کیسۂ دریا سے لے کر، جب کرے دریا کرم
اے توَنگر! کیوں عطا کرتا نہیں سائل کو تُو؟

✿✿

وعدۂ اِحساں ، بمعنی از گدائی نیست کم
بر کرم ظُلم است ، اگر خواہد ز سایل اِنتظار!

احسان کا وعدہ کرنا بھی اِک قسم کی گداگی ہے	✿	سائل سے اِنتظار چاہنا، شوے کرم پر ظُلم ہے

وعدۂ احسان کم اصلاً ، گدائی سے نہیں
ہے کرم پر ظُلم گر سائل سے چاہو اِنتظار!

✿✿

بر ہم نہ زنے ، سِلسلۂ نازِ کریماں !
محتاج شُدن ، بے کرمے نیست دریں جا!

اہلِ کرم کے ناز سخاوت کو برہم نہ کر	✿	تیری محتاجی بھی کریمی سے کم نہیں

تہی دستوں سے قائم ہے ، وقارِ اہلِ سخاوت کا
کہ محتاجی میں بھی شانِ کریمی پائی جاتی ہے

خراباتِ یقیں فرقے ندارد، ظرف و مظروفش
مَے و مِینا ہماں، یکدانۂ انگور می باشد

اہلِ یقین ظرف اور مظروف میں فرق نہیں کرتے	✿	دانۂ انگور بیک وقت شراب اور ظرفِ شراب ہے

فرق ہم کرتے نہیں ہَیں ظرف اور مظروف میں
دانۂ انگور خود میں، مَے بھی ہے، مِینا بھی ہے

✿✿

دَرِ دَمِ مُردَن، مرا بَر زندگی افسوس نیست
حیف دامانت کہ از دَستم رَہا خواہد شُدَن

مرتے دم مجھے دُنیا سے جانے کا غم نہیں ہے، دُکھ	✿	یہ ہے کہ تیرا دامن مرے ہاتھ سے چھٹنے والا ہے

وقتِ آخر زندگی کا غم نہیں ہرگِز مجھے
غم تو یہ ہے تیرا دامن ہاتھ سے چھٹنے کو ہے

✿✿

فتیلۂ بدلِ بے خبر، ز داغ اَفروز
علاجِ خانۂ تاریک کُن، چراغ اَفروز

شمعِ دلِ غافل، آتشِ داغ سے روشن کر	✿	چراغ جلا کر گھر کے اندھیرے کا علاج کر!

جو بن پڑے، دِلِ غافل میں کوئی داغ جلا
علاجِ خانۂ تاریک کر، چراغ جلا!

دوش ، جبر و اختیار ے مبحثِ تحقیق داشت

جُز بحیرت دَم نزد بیدلؔ! چہ سازد بندہ بود؟

کل موضوعِ بحث و تحقیق ، جبر و اختیار تھا ✿ بیدلؔ نے سوائے حیرت دَم نہ مارا، کیا کرتا بندہ جو تھا

گفتگو تھی اختیار و جبر کی تحقیق میں

بندۂ مجبور بیدلؔ ، دَم بخود سُنتا رہا!

✿✿

مرا از پیچ و تابِ گردباد ایں نکتہ شُد روشن

کہ دَر راہِ طلب ، معراج دامانست چیدنہا

مجھ پہ بگولے کی بے تابی سے یہ نکتہ روشن ہُوا ✿ کہ اُس کے دامن تک پہنچنا بھی معراجِ طلب ہے

بگولے کی تڑپ سے مجھ پہ یہ نکتہ ہُوا روشن

کہ معراجِ طلب سمجھو، پہنچنا اُس کے دامن تک

✿✿

غُبار ے نیست از پست و بلندِ موجِ دَریا را

حقیقت بے نیازِ اختلافِ کُفر و دیں دارَد

موجِ دَریا کی پستی و بلندی سے غُبار نہیں اٹھتا ✿ حقیقت ، اختلافِ کُفر و دیں سے بے نیاز ہے

نہیں ہوتی غُبار آلودہ ہر گز موجِ دَریا کی

ہَے بالاتر حقیقت ، اختلافِ کُفر و ایماں سے

الٰہی! اَز سَرِ ما، کم نگردَد سایۂ مستی

کہ بے صہبا، بہ پیشانی سُجودے نیست مینا را

الٰہی! مرے سر سے (تیرے عشق کی) مستی کا سایہ	✿	کم نہ ہو کہ شراب سے خالی مینا سجدہ نہیں کرتا

نہ کم ہو میرے سَر سے سایۂ مَستی کبھی یا رب!

نہ سجدہ ریز ہوتا، مَے سے گر مینا تہی ہوتا

✿✿

اہلِ معنیٰ اَز حوادِث، مَستِ خوابِ راحت اَند

شورِ مَوجِ بحر، نزدیکِ صَدَف افسانہ است

اہلِ معنیٰ حوادث کے باوجود میٹھی نیند سوتے ہیں	✿	سمندر کی موجوں کا شور صدف پر اثر انداز نہیں ہوتا

اہلِ معنیٰ پر نہیں ہوتا حوادِث کا اثر

شورِ مَوجِ بحر، نزدیکِ صَدَف افسانہ ہَے

✿✿

دَرسِ کتابِ معرِفت، حوصلہ خواہِ خاموشیست

گر سُخَت بُلند شُد، تا سَرِ دار می رسَد

کتابِ معرفت کا مطالعہ خاموشی کا حوصلہ چاہتا ہے	✿	اگر تو نے راز افشا کیا، تو سرِ دار جانا ہوگا

دَرسِ کتابِ معرِفت، طالبِ ظرف وضبط ہَے

جِس نے کِیا سخن بُلند، مُوجِبِ دار ہو گیا

آبرو می خواہی ، اَز اظہارِ حاجت شرم دار

ایں ترنُّم را ، ز قانونِ حیا نسرُودہ اَند

آبرو چاہتا ہے تو ، ضرورت کا اظہار نہ کر ✿ کہ سازِ حیا سے یہ نغمہ نہیں نکلتا!

اگر ہے خواہشِ عزّت ، نہ پھیلا اپنے دامَن کو!

نہ گایا جائے گا ، سازِ حیا پر نغمۂ حاجت!

✿✿

گر نہ مَنظورِ کرَم ، بخشِشِ عِبرَت باشد!

چہ خیالیست کہ دَولت با اَراذِل بخشد

اگر کریم! درسِ عبرت دینا نہیں چاہتا تو ✿ کیسی عجیب بات ہے کہ رذیلوں کو دولت بخشی

دَرسِ عبرت نہیں مَنظور ، تو اے صاحبِ جُود!

کیا قیامت ہے ، رَذیلوں کو عطا کی دَولت؟

✿✿

مُنعِماں اَز اثرِ یک گِرہِ پیشانی

راہِ صَد رنگِ طلب ، بَر لبِ سایل بستند

صاحبانِ زر نے ، تیوری کے ایک بَل سے ✿ سائلوں پر ، طلب کا ، ہر راستہ بند کر دیا

مال داروں نے چڑھا کر تیوری قبلِ طلب

سائلوں پر بند کر دی ہے ، ہر اک راہِ سوال!

شاخ اَز گُلشن جُدا ، مصرُوفِ گُلخن می شوَد

زندگی با دوستاں عیش است، تنہا آتش است

گلشن سے جُدا شاخ نذرِ آتش ہوتی ہے ✿ دوستوں کے ساتھ زندگی پُر لطف، ورنہ دوزخ ہے

شاخ گُلشن سے بچھڑ کے نذرِ آتش ہو گئی

زندگی احباب میں پُر لُطف ، تنہا آگ ہے

✿✿

ہیچ کَس چوں مَن دریں حرماں سَرا، نا شاد نیست

عُمر دَر دام و قفس ضائع شُد و صیّاد نیست !

کوئی میری طرح اِس دُنیا میں نا شاد نہیں ہے ✿ زندگی قید میں کٹی اور صیّاد نظر نہیں آیا

کوئی بھی مغمُوم دُنیا میں نہیں میری طرح

عُمر پنجرے میں کٹی ، دیکھا نہیں صیّاد کو

✿✿

مقصدِ خلق ، اَز تب و تابِ ہَوَس موہُوم ماند

پَے غلط کر دَند اَز بس جادہ ہا ، باریک بود

ہوس کی چمک دمک نے انسان کو مقصدِ تخلیق دُور کر دیا ✿ تنگ و پُر خطر راستوں میں آغاز قدم غلط ہُوا

ہو گیا حِرص و ہَوَس سے مقصدِ تخلیق گُم

پاؤں رکھا ہے غلط اور راستے ہَیں پُر خطر !

بہرہ اَز کسبِ معارِف، گے رسَد بے مغز را

سَر خوشی اَز نشۂ مَے، قسمتِ پیمانہ نیست

بے مغز پہ تعلیم کچھ اثر نہیں کرتی ✿ ساغر کو، نشۂ شراب سے سرخوشی نہیں ہوتی

عِلم سے بے مغز کو، ہرگز نہ پہنچے فائدہ

مَے سے لُطف اندوز ہونا، جام کی قسمت نہیں

✿✿

جلوۂ شخص ز تمثال عیانست ایں جا

اَز تُو غافِل نبود ہر کہ مَرا، می بیند

یہاں شخص سے، صاحبِ تجسیم ظاہر ہے ✿ مجھے دیکھنے والا، تجھ سے غافل نہ رہے گا

تیرے ہونے کی نشانی، مِرا پیکر ہے یہاں

تُجھ کو پہچانے گا ہر شخص، جو دیکھے گا مُجھے

✿✿

صُور، دَر پَردۂ نومیدیِ دِل، خوابیدہ است

یارب! ایں فِتنہ نوا، قابِلِ فریاد مباد!

مایوس دِل میں، صُورِ قیامت خوابیدہ ہے ✿ یارب! اِس فِتنۂ آواز کو، قابِلِ فریاد نہ کر

دِلِ مایوس میں، پوشیدہ ایک شورِ قیامت ہے

نہ دینا جُراَتِ فریاد، یارب! قلبِ مضطر کو!

قدر دانے در بساطِ امتیازِ دہر نیست
ورنہ مَن ، دَر مکتبِ بے دانشی علامہ اَم

بساطِ زمانہ پر امتیاز کرنے والے قدر دان نہیں ہیں ✿ ورنہ میں مکتبِ لاعلمی کا ، علامۂ وقت ہوں

جو ہر شناس کوئی نہیں بزمِ دہر میں
مسند نشینِ محفلِ بے دانشی ہوں میں!

✿✿

بظاہر گر زمیں گیرم ، ز مقصد نیستم غافل
کہ چشمِ نقشِ پا ، از جادہ بر منزل نظر دارد

خاک پر ہو کر بھی ، اپنے فرض سے غافل نہیں ہوں ✿ جیسے کہ چشمِ نقشِ پا ، راستے سے منزل پر نظر رکھتی ہے

ہوں پیوستِ زمیں ، لیکن نہیں مقصد سے میں غافل
کہ چشمِ نقشِ پا ، یوں بھی نظر رکھتی ہے منزل پر

✿✿

کینہ می باید رواج ، از سرد مہری ہائے دہر
آبروے آتش افزوں ، در زمستاں می شود

زمانے کی سرد مہری سے کینہ رواج پائے گا ✿ سردی میں آگ کی قدر بڑھ جاتی ہے

سرد مہری سے جہاں کی پائے گا کینہ رواج
موسمِ سرما میں ، بڑھ جاتی ہے قیمت آگ کی!

تختۂ مشقِ حوادِث کرد ، مارا عاجزی

زخمِ دَنداں بیشتر ، وقفِ لبِ زیرینہ بُود

عاجزی انسان کو زد دست کے لیے لقمۂ تر بنا دیتی ہے ✿ مُشاہدہ ہے کہ نچلا ہونٹ ہی دانتوں کا تختۂ مشق بنتا ہے

تختۂ مشقِ حوادِث ، عاجزی نے کر دیا

زخمِ دَنداں ، بیشتر لگتے ہَیں نچلے ہونٹ پر!

✿✿

ننگ دارَد مرگ ، اَز وضعِ رُسُومِ زندگی

مُردہ را ، کردَند اَزیں رُو ، جامۂ ماتم سپید

موت کے لیے زندگی کی رسمیں باعثِ ذلت ہیں ✿ اِسی لیے مُردے کا ماتمی لباس سفید ہوتا ہے

زندگی کا ہر نشاں ہے موت کے نزدیک ننگ

اِس لیے پہنے ہے مُردہ جامۂ ماتم سَفید

✿✿

اِنتقام اَز دُشمنِ عاجز کشیدَن کار نیست

گر تُو مَردے! ایں خیالِ پوچ اَز خاطِر بَر آر!

کمزور دشمن سے انتقام لینا بہادری نہیں ہے ✿ اگر تُو مرد ہے تو اِس حقیر خیال سے باز آ!

بُزدِلی ہے دشمنِ عاجز سے لینا اِنتقام

اِس خیالِ پوچ سے باز آ ، اگر تو مَرد ہے

صُحبتِ بے خِرداں ، آفتِ رُوحانی بُود
آہ اگر نُوحؑ نمی دِید ز طُوفاں مدَدے!

اگر طوفان نُوحؑ کی مدد نہ کرتا تو ان پر کیا گزرتی	✿	بے عقلوں کی صُحبت ، رُوحانی عذاب ہے

کوئی نادانوں کی صُحبت سے نہیں بڑھ کر عذاب
کیا گُزرتی نُوحؑ پر ، کرتا نہ گر طُوفاں مدَد

✿✿

سوادِ ہر دو عالَم شُستہ است اشکے کہ مَن دارَم
رَواجِ سُرمہ ، دَر اِقلیمِ چشمِ تر نمی باشد

مُلکِ چشمِ تر میں سُرمے کا رواج نہیں ہوتا	✿	میرے اشکوں نے دو عالَم کی سیاہی دھوئی ہے

دو عالَم کی سیاہی مَیں نے دُھو ڈالی ہے اَشکوں سے
رِواجِ سُرمہ ، مُلکِ دِیدۂ تر میں نہیں ہوتا

✿✿

اے حباب! اَز زَورَقِ خود، ایں قدر غافل مباش
نیست دَر، دَریاے اِمکاں، جُز نفَس مَوجِ خطر!

کے دَریا میں سانس کے سوا کوئی لہر خطرناک نہیں	✿	اے بُلبلے! اِس قدر اپنی ناؤ سے غافل نہ ہو، زندگی

اے حباب! اِس دَرجہ، غافل اپنی کشتی سے نہ ہو!
جُز نفَس مَوجِ خطر، دَریاے اِمکاں میں نہیں!

ننگِ رُسوائی ندارد، ساز تا خامُش نواست

رَمزِ صد عیب و ہُنر، تقریر روشن می کُند

ساز جب تک خاموش ہے اُسے رُسوائی کا اندیشہ نہیں ✿ لیکن گفتگو تو عیب و ہُنر، نمایاں کرتی ہے

ذِلّتِ تشہیر سے محفوظ ہے، سازِ خموش

کاشِفِ عیب و ہُنر ہے، گفتگو انسان کی!

✿✿

غُبارِ شکوہ ز روشن دِلاں نمی جوشد

دَر آبِ چشمۂ آئینہ، نیست شیوَنِ مَوج!

روشن دلوں کے سینے میں، غُبارِ شکایت جوش نہیں کرتا ✿ جس طرح چشمۂ آئینہ میں موجوں کا شور نہیں ہوتا!

دِلِ روشن دِلاں سے، کب غُبارِ شکوہ اُٹھتا ہے

کہ آبِ چشمۂ آئینہ سے مَوجیں نہیں اُٹھتیں!

✿✿

محکومِ حرص و پاسِ مراتب، چہ ممکن است!

باشرم، کار نیست زبانِ سوال را

لالچی جراتِ نفس سے محروم ہوتا ہے ✿ زبانِ سوال کو شرم سے کیا کام!

لالچی! محترم نہیں ہوتا

شرم آتی نہیں بھکاری کو

اَز کفِ بے مایگاں ، کار گشائی مخواہ

دَست چو کوتاہ شُد ، ناخُنِ پا می شوَد

دَستِ بے مایہ سے کار کشائی کی توقع نہ کر	✿	خالی ہاتھ، پاؤں کے ناخن کی طرح ہو جاتا ہے

دَستِ بے زَر سے کِسی کو فائدہ ہوتا نہیں

دَستِ بے زَر، ناخُنِ پا کی طرح بے فیض ہَے!

✿✿

ہر سخن سنجے کہ خواہد صید معنیہا کُنَد

چوں زباں می باید اوّل خلوتے پیدا کُنَد

جو سخنور تازہ معانی شکار کرنا چاہتا ہے	✿	وہ زبان کی طرح پہلے خلوت اختیار کرے

جو سخنور ، خواہشِ صید معانی رکھتا ہے

ہو زبان و دِل کی صورت پہلے وہ خلوت نشیں

✿✿

اَز رگِ ہر بَرگِ گُل ، پیداست مضمونِ بہار

ایں چمن دَر کار دارَد ، دیدۂ باریک بیں!

پھول کی پتی پتی سے بہار کا مضمون نمایاں ہے	✿	لیکن اس چمن کو دیکھنے والا تیز نظر ہونا چاہیے

بَرگ و شاخ و گُل سے، پیدا ہَیں مضامینِ بہار

آنکھ اِن کو دیکھنے والے کی ہو باریک بیں!

نے نقشِ چیں، نہ حُسنِ فرنگ آفریدن است
بہزادیِ تُو دست ز دُنیا کشیدن است

نقشِ چین و حُسنِ فرنگ قابلِ صورت گری نہیں ہے ✿ تیری بہزادی تو یہ ہے کہ دُنیا سے اپنا ہاتھ کھینچ

قابلِ صورت گری حُسنِ فرنگ و چیں، نہیں
ہے کمالِ فن یہی، دُنیا سے اپنا ہاتھ کھینچ!

✿✿

جوہرِ تجرید، قطعِ اُلفتِ خویش است و بس
بر سرِ خود می تواں کرد، اِمتحاں شمشیر را

حقیقتِ تجرید، اپنی ذات سے قطعِ اُلفت کے سوا کچھ نہیں ✿ اپنی خواہشات کا سر قلم کر کے تیری شمشیر کا اِمتحان کرو

بے تعلّق خود سے ہونا، جوہرِ تجرید ہے
کیجیے گردن پہ اپنی، اِمتحاں شمشیر کا!

✿✿

نیم در خاکساری، ہم بساطِ آبلہ امّا
سرے دارم کہ در ہر گام، باید کرد پامالش

نہیں خاکساری میں آبلے کا ہم پلہ تو نہیں، لیکن ✿ وہ سر تو رکھتا ہوں جسے ہر قدم پامال ہونا چاہیے

نہیں ہوں خاکساری میں مثالِ آبلہ لیکن
جسے پامال ہونا چاہیے وہ سر تو رکھتا ہوں

عرفاں بکسبِ علم ، میسّر نمی شود

اَز سُرمہ ، روشنی نبرد چشمِ سُرمہ دان

عرفانِ ذاتِ حق ، صِرف علم سے مُیسّر نہیں ہوتا ✿ سُرمہ دانی کی آنکھ بھی ، سُرمہ سے روشن نہیں ہوتی

فقط تعلیم سے ، عرفانِ حق حاصل نہیں ہوتا

نہیں ہوتی مُنوّر چشمِ سُرمہ دان، سُرمے سے

✿✿

دِلے روشن کُن اَز تویشِ ایں ظُلمت سَرا بگذر

بجُز فکرِ چراغت نیست ، تدبیرے بتاریکی!

دِل روشن کر اور اِس ظُلمت سرا کے اِضطراب سے نکل ✿ اپنا چراغ جلانے کی فکر کر تاریکی اسی طرح دُور ہوگی

چراغِ قلب روشن کر، نکل تشویشِ ظلمت سے

بجُز فکرِ چراغاں ، کچھ نہیں تدبیر تاریکی!

✿✿

نیست غیر اَز عرَقِ شرم ، شفاعت گرِ ما

یارب! ایں چشمۂ رحمت ، نکُنی فردا خشک

عرَقِ اِنفعال کے سِوا ، میرا کوئی شفیع نہیں ✿ یارب! اِس چشمۂ رحمت کو فردا خشک نہ کردے

کون ہے میرا شفاعت گر، سَوائے آبِ شرم

کر نہ دے فردا، کہیں اِس چشمۂ رحمت کو خشک

جُز کاہشِ جاں نیست ، زہم صُحبتِ سَرکش

گِریاں بوَد آں موم کہ با شُعلہ ندیم است

سَرکش کی صُحبت سے رَنج ہی ملتا ہے ✿ شُعلے کی ہمسائیگی میں ، موم رونے پر مجبور ہوتا ہے

نہیں ملتا سِوائے رَنج ، سَرکش کی رَفاقت سے

نَدیمِ شُعلہ ہو کر ، موم کو رونا ہی پڑتا ہَے

✿✿

اِمروز ، گر اِنصاف دِہد دادِ طبایع

کَس مُنتظرِ مہدؔی و دجّاؔل نباشد!

اگر آج اِنصاف و رواداری مُیسّر ہو جائے ✿ تو کوئی مہدؔی و دجّاؔل کا اِنتظار نہ کرے

اِس عہد میں اِنصاف مُیسّر ہو ، تو ہرگِز

کوئی نہ رہے مُنتظرِ مہدؔی و دجّال!

✿✿

غافل مشو ز حالِ خموشاں کہ اَز حیا

صَد رنگ نالہ ، دَر نِگہَ عجز بستہ اَند

حیا کی پاسداری میں خاموش رہنے والوں کا خیال رکھو ✿ اُن کی نگاہِ عجز میں طوفانِ فغاں پوشیدہ ہے

حیا خاموش رکھتی ہَے ضَرورت مَند کو لیکن

نگاہِ عجز میں ، فریادِ صَد آہنگ ہوتی ہَے

زآہنگِ گدازِ دِل، مباش اے بے خبر غافل
زبانِ شمع خاموش است، امّا گفتگو دارد!

اے بے خبر! آوازِ گدازِ دِل سے غفلت نہ برت	✿	زبانِ شمع چپ رہتے ہوئے بھی گفتگو کرتی ہے

ہَے اِک اظہار کا اُسلوب، آہنگِ گدازِ دِل
زبانِ شمع چُپ رہ کر، بیاں کرتی ہَے افسانے

✿✿

نشوی منکرِ سامانِ جنونم بیدلؔ!
کہ اگر ہیچ ندارم، دِلِ ویرانے ہست!

بیدلؔ میرے سامانِ جنوں کا منکر نہ ہو	✿	میں بے سامان سہی، لیکن دِلِ ویران رکھتا ہُوں

نہ کر اِنکار بیدلؔ تُو مرے سامانِ وحشت کا
اگر کچھ بھی نہیں، میرا دِلِ ویران کیا کم ہَے

✿✿

ندائے خامُشاں، دَر پردۂ دُودِ دِلست ایں جا
نگوئی، شمع تنہا گریہ دارَد، نالہ ہم دارَد

دِل سے اُٹھنے والا دُھواں چُپ رہنے والے کی	✿	آواز ہے، شمع صرف روتی نہیں، فریاد بھی کرتی ہے

بہ شکلِ دُودِ دِل، یاں خامُشی فریاد کرتی ہَے
نہیں ہَے صرف گریاں شمع، وُہ نالہ کُناں بھی ہَے

طالبِ صُحبتِ معنی نظراں باید بُود

خاک دَر صحنِ بہشتے کہ ندارد آدم

صُحبتِ اصحابِ علم و نظر کی خواہش کرو ✿ خاک پڑے صحنِ بہشت پر، جس میں آدم نہیں

صُحبتِ اہلِ نظر ہے، رَشکِ صد خُلدِ بریں

خاک اُس جنّت کے آنگن پر جہاں آدم نہ ہو

✿✿

گاہ اَشکِ یاس و گاہے نالہ عُریاں می شود

خِلعتِ دِل، دَر چہ کوتا ہست بَر بالائے مَن!

کبھی اشک، مایوسی، کبھی نالہ ظاہر ہوتا ہے ✿ خِلعتِ دِل میرے قد پر کس قدر چھوٹی ہے

گاہ اَشک و آہ، گاہے داغ عُریاں ہوتے ہَیں

خِلعتِ دِل کِس قدر ہے تنگ، میرے جِسم پر

✿✿

بہارِ آرزُو دَر دِل، گُلِ اُمّید دَر دامَن

بہر رنگے کہ می آیم، چمن بَردار می آیم

دِل میں آرزُو کی بہار، دامَن میں اُمّید کے ✿ پھول لیے، مَیں بہر صورت چمن ساز ہی رہوں گا

بہارِ آرزُو دِل میں، گُلِ اُمّید دامَن میں

کِسی بھی رنگ میں آؤں، چمن پرداز آؤں گا

چشم وا کن، حُسنِ نیرنگِ قدم بے پردہ است

گوش شو، آہنگِ قانونِ عدم بے پردہ است

آنکھ کھول، طلسمِ حُسنِ قدم مستور نہیں ✿ سراپا گوش بن کے آوازِ سازِ عدم سن

حُسنِ نیرنگِ قدم، جلوہ نما ہے دیکھ تو

غور سے سُن، نغمۂ سازِ عدم بے پردہ ہے!

✿✿

از مدارائے فلک، غافل نباید زیستن

زخمِ ایں شمشیر، ناپیدو خم بے پردہ است

آسمان کی ظاہری انکساری کے فریب میں نہ آؤ ✿ اس شمشیر کا زخم پوشیدہ، اور خم ظاہر ہے

مہربانیِ فلک سے، تُو کبھی غافل نہ ہو

زخم اِس شمشیر کا مخفی ہے، خم بے پردہ ہے

✿✿

مجنوں بر غفلتِ بے کاریِ ما، رحم کرد آخر

گریباں گر، بدستِ من نمی آمد چہ می کردم

مجنوں کو آخر مری بیکاری پہ رحم آ ہی گیا ✿ اگر میری دسترس میں گریباں نہ ہوتا تو کیا کرتا

مجنوں کو میری بیکاری پہ رحم آ ہی گیا آخر

گریباں ہاتھ میں، میرے نہیں آتا تو کیا کرتا!

غفلتِ عالَم فزود از سرگزشتِ رفتگاں

ہرکجا افسانہ باشد، ہیچ کس بیدار نیست!

سرگزشتِ عظمتِ رفتگاں، غفلت بڑھاتی ہے ✿ جہاں بھی قصہ خوانی ہو، کوئی بیدار نہیں ہوتا!

سرگزشتِ رفتگاں، دیتی ہے غفلت کو فروغ

نیند طاری کرتے ہیں افسانے، بیداری نہیں

✿✿

بیدلؔ از مقدارِ ظرفِ خود، نمی باید گزشت

وعظِ مستاں، در خطِ پیمانہ دارد منبرے

بیدلؔ! اپنے ظرف سے زیادہ شراب نہ پی! ✿ خطِ پیمانہ کے منبر سے مستوں کو نصیحت کی جاتی ہے

زیادہ ظرف سے پیتا ہے بیدلؔ باعثِ ذِلّت

خطِ ساغر، برائے میکشاں ہے منبرِ واعظ!

✿✿

در پناہِ مشربِ عجز ایمن از آفات شو

خارِ ایں صحرا، ندارد شیوۂ دامن دری

عجز کی پناہ میں آ کر آفات سے محفوظ ہو جا ✿ صحرائے عاجزی کا کانٹا دامن سے نہیں اُلجھتا

گوشہ گیرِ عاجزی، مامون ہے آفات سے

خارِ دشتِ انکساری میں نہیں ہے سرکشی

تیغے ، بجادۂ دَمِ اُلفت نمی رسد

سَیرِ ہزار راہِ خطرناک کردہ اَم

راہِ اُلفت تلوار سے زیادہ خوں ریز ✿ ہزار خطرناک راہوں سے گزر کے یہ اندازہ ہُوا

ہلاکت خیز ہَے شمشیر سے بھی راہ اُلفت کی

قدم میرے ہزاروں پُرخطر رستوں سے گزرے ہَیں

✿✿

بُوئے غُنچہ نسبت کردہ اُو ، طرزِ کلامت را

زَبانِ بَرگِ گُل ، دَر عذرِ ایں تقصیر می خواہم

تیرے طرزِ کلام کو، اُس نے بُوئے غُنچہ سے نسبت دی ✿ اِس تقصیر کی سزا میں زَبانِ برگِ گُل کاٹنا چاہتا ہُوں

تیرے طرزِ گفتگو کو ، بُوئے غُنچہ کیوں کہا

اِس خطا پر کاٹ دوں گا مَیں زَبانِ بَرگِ گُل !

✿✿

قانِعاں از خِفّتِ اِمدادِ یاراں فارِغند

مَوج ! ہرگز دستَش از آبِ گُہر بالا نشُد

قناعت پسند، دوستوں کی مدد کے محتاج نہیں ہوتے ✿ اے موج! تیری اہمیت آبِ گوہر سے بڑھ نہیں سکی

قناعت خُو ، کبھی شرمندۂ احساں نہیں ہوتے

کہ دَستِ مَوجِ دَریا ، کمتر اَز آبِ گُہر ٹھہرا !

مُشتِ خونِ خود چو گُل باید بَرُوے خویش ریخت
بے ادَب آلُودہ سازے، دامَنِ قاتل چرا؟

اپنا خون پھول کی طرح اپنے چہرے پر مَلا ہوتا ✿ اے بے ادب دامَنِ قاتل کو کیوں تھیڑا

مِثلِ گُل چہرے پہ اپنے خون سے غازہ لگا
بے ادَب! کیوں دامَنِ قاتل کو آلُودہ کِیا؟

✿✿

ندارد چشمۂ حیواں، حُضُورِ آبِ پیکانت
ز یادِ زخمِ اُو، جاں دَر تنِ نخچیر می آید

آبِ حیات، آبِ پیکاں سے زیادہ حیات بخش نہیں ✿ اُس کے زخمِ پیکاں کی یاد سے شکار میں جان آتی ہے

ہَے اُس کا آبِ پیکاں، چشمۂ حیواں سے جاں اَفزا
کہ یادِ زخم سے اُس کے، تنِ مُردہ میں جاں آئے

✿✿

کُفر است فضُولے، بہ ادَب گاہِ حقیقت
دَر خانۂ خورشید، دلایل چہ فروشم!

بارگاہِ حقیقت میں، فضول گفتگو کفر ہے ✿ خانۂ خورشید دلائل سے بے نیاز ہے

کُفر ہَے اِثباتِ ذاتِ حق میں، یہ چون و چرا
خانۂ خورشید، محتاجِ دلائل تو نہیں!

بَر ما خطا گرِفتن، اَز کیشِ شرم دُور است

کَس عیبِ کَس نہ بیند، تا بے حیا نباشد

کِسی کی خطا پر گرفت کرنا آئینِ شرم سے بعید ہے ❁ لوگوں کے عیب، بے حیا ہی دیکھتا ہے

اِس لیے چشم پوش ہُوں، میرا یہ اِعتِقاد ہے

اَصل میں بے حیائی ہَے، دیکھنا دُوسروں کے عیب

❁❁

بے زَنگ دریں محفل، آیینہ نمی باشد

آں دِل کہ تہی باشد اَز کینہ، نمی باشد

اِس محفل میں ہر آئینہ زنگ آلود ہے ❁ جو کینے سے خالی ہو، وہ دِل کہِیں نہیں ہے

بے زَنگ زمانے میں، آئینہ نہیں کوئی

ہَیں دِل تو بہت لیکن، بے کینہ نہیں کوئی

❁❁

بیدلؔ اَز فطرتِ ما، قصرِ معانیست بُلند!

پایہ دارَد سخن اَز کُرسیِ اندیشۂ ما!

بیدلؔ میری فکر سے قصرِ معانی کو وقعت حاصل ہُوئی ❁ میرے عرشِ خیال سے سخن کا پایہ بلند ہُوا!

میری فطرت سے ہُوا بیدلؔ، معانی کو عُروج

فکر سے میری سخن کا مرتبہ اعلیٰ ہُوا!

سِفلہ زکسبِ کمال ، قدرِ مُربّی شِکست

قطرہ چو گوہر شود ، بد گُہری می کند

نیچ انسان کمال پا کر ، مُربّی کی قدر نہیں کرتا	✿	قطرہ موتی بن کے صدف کا احسان کو بھول جاتا ہے

نہیں کرتا کبھی کم ظرف ، عزت اپنے محسن کی

نہیں رکھتا صدف کو یاد قطرہ بھی گُہر بن کے!

✿✿

گواہِ پستیِ فطرت ، عُروجِ دعوت ہاست

سخن بُلند بود تا بُلند نیست سخن!

بُلند بانگ دعوے پستیِ فطرت کی دلیل ہیں	✿	شور وہی کرتا ہے ، جو عالی سخن نہیں ہوتا

گواہِ پستیِ فطرت ہے ، اِدّعا و غرور

بُلند بانگ وہی ، جو نہیں بُلند کلام!

✿✿

چشمِ حرص افزود ، مِقدارِ جہانِ مختصر

ہم چو اِعدادِ اَقَل ، کز صِفر اکثر می شود

جہانِ فانی کو لالچی کی آنکھ دائمی سمجھتی ہے	✿	جس طرح کم قیمت عدد ، کو صفر زیادہ کرتا ہے

لالچی ذرّے کو دیتا ہے مقامِ آفتاب

جیسے کم قیمت عدد کو ، صِفر کرتا ہے کثیر!

باغُرورِ نازِ اُو ، مشکل بَر آید عجزِ ما
گردِ مجنوں نا رَسا و دامَنِ محمل بُلند

اُس کے غرور و ناز تک میرا عجز نہیں پہنچ سکتا ✿ خاکِ مجنوں کی رَسائی، محملِ لیلیٰ تک نہیں ہوتی

اُس کے کِبر و ناز پر، غالب نہ ہوگا میرا عجز
گردِ مجنوں نا رَسا ہے ، دامَنِ محمل بُلند!

✿✿

قابلِ بارِ اَمانتہا ، مگو آساں شُدیم
سَرکشی با خاک شُد ، تا صورتِ انساں شُدیم

یہ نہ سمجھو کر اَمانتوں کا سزاوار بآسانی ہُوا ✿ تمام سَرکشی چھوڑنے کے بعد انسان بنا

قابلِ بارِ اَمانت ، کیا کوئی آساں ہُوا
سَرکشی جب چھوڑ دی تب صورتِ انساں ہُوا

✿✿

قابلِ بَرقِ تجلّی ، نیست جُز خاشاکِ مَن
حُسن ہر جا جلوہ پرداز است ، مَن آئینہ اَم

میری خاک ہی تیرے پرتوِ جلوہ کے قابل ہے ✿ جلوۂ حُسن ہر جگہ ہے ، اس کا آئینہ ہر طرف میں ہُوں

قابلِ بَرقِ تجلّی ، صِرف میری خاک ہے
ہر طرف وُہ جلوہ فرما اور مَیں آئینہ ہُوں

تا شَوَد روشن ، سوادِ نُسخۂ حیرانیَم

صورتِ خُود را ، یکے بنگر بچشمِ آیینہ

تُم پر بھی میری حیرت ظاہر ہو سکے اِس لیے ✿ اپنی صورت ایک بار آئینے کی آنکھ سے دیکھو!

ہو سکے تُم پر بھی روشن، میری حیرانی کا راز

اپنا چہرہ ، اِک نظر دیکھو بچشمِ آیئنہ !

✿✿

گردِ صحرا ، اَز رَمِ آہُو سُراغے می دہَد

رفتنِ دِل را ، شِکستِ رَنگ می باشد گواہ

گردِ صحرا آہُو کے گُزرنے کا سُراغ دیتی ہے ✿ چہرے کا اُڑا ہُوا رنگ دِل کے جانے کی نشانی ہے

رَمِ آہُو کی مِلتی ہے خبر صحرا کے ذرّوں سے

پریدہ رَنگ دیتا ہے گواہی دِل کے جانے

✿✿

مَرگ می خندَد ، بفہمِ غافلِ مَن تا ابد

بے تُو گر یک لحظہ خود را ، زندہ باوَر می کُنَم

میری نادانی پر ، موت تا ابد ہنسے گی ✿ اگر تیرے بغیر خود کو ایک لحظہ زندہ تصوّر کروں

ہنسے گی تا قیامت ، مَوت میری بے تمیزی پر

جُدائی میں تری ، گر زندگی کو ، زندگی سمجھوں

کسے کہ دَست ، بداَمانِ اِلتفاتِ تُو زد

مُقیمِ انجمنِ سایۂ ہُمآ گردید

تیرا دامنِ اِلتفات جس کے کی گرفت میں آجائے ✿ گویا وہ مسند نشینِ بزمِ سعادت ہو گیا

جو تیرے سایۂ لُطف و عطا میں آ جائے

مُقیمِ انجمنِ سایۂ ہُمآ ٹھہرے!

✿✿

ما اَسیراں را ، بساماں گاہِ اقبالِ فنا

تیغِ قاتل سایۂ بالِ ہُمآ خواہد شُدَن

ہم اَسیروں کے حق میں ، فنا کی اقبال مندی کے ✿ طفیل، شمشیرِ قاتل باعثِ رہائی ہونے والی ہے

ہم اَسیروں کی رِہائی ، مَوت پر ہَے مُنحصَر

تیغِ قاتل سایۂ بالِ ہُمآ ہونے کو ہَے

✿✿

اَز بالِ ہُمآ کیست کشَد ، تنگِ سعادَت

بیدلؔ ز سَرِ ما نشَود ، سایۂ ما کم !

بالِ ہُمآ سے تنگِ سعادت کون گوارہ کرے ✿ بیدلؔ! بس میرے سَر سے ، مِرا سایہ جُدا نہ ہو

احسانِ ہُمآ ! اہلِ عزیمت کے لیے ننگ!

بیدلؔ! مِرے سَر سے ، مِرا سایہ نہ جُدا ہو!

وصفِ بہارِ حُسنش ، گر دَر چمن بگویم

چوں بُلبُل اَز گُلستاں، گُل نعرہ زَن بَرآید

اگر اُس کی بہارِ حُسن کا بیان چمن میں کروں	✿	تو بُلبُل کی طرح پھول گلستاں سے نعرہ زن نکلے

کروں اُس کی بہارِ حُسن کا گر باغ میں چرچا

تو بُلبُل کی ،گُل باغ سے نعرہ کُناں نکلے!

✿✿

دَردِ معشُوقاں ، بعاشق پیشتر دارَد اَثر

شمع تا اَشکے بیفشاند، پَر پروانہ ریخت!

معشوق کے درد کا اثر، پہلے عاشق پر ہوتا ہے	✿	شمع کے آنسو بہنے سے پہلے، پروانہ جل جاتا ہے

عشق پر ہوتا ہے فوراً حُسن کے غم کا اَثر

شمع کے رونے سے پہلے خاک پروانہ ہُوا!

✿✿

ہر کہ اَز وصفِ خطِ نوخیزِ خوباں غافل است

دَر نیامِ لب زَبانش ، تیغِ بے جوہر بوَد

جو حسینوں کے رُخسار وخط کا مدح خواں نہیں ہے	✿	اُس کی زبان، نیام لب میں زنگ آلود تلوار ہے

جو نہیں مدّاحِ حُسنِ مہ وَشان وگُل رُخاں

ہے زَبان اُس کی نیامِ لب میں، زنگ آلودتیغ

ما ضعیفاں را، بسامانِ سُلیمانے بس است
سجدہ ایجادِ نگین و خاتم اندازِ رُکوع!

ہم ضعیفوں کے لیے یہی سامانِ سُلیمانی کافی ہے ✿ کہ سجدہ و رُکوع، نگینہ و انگشتری کے مماثل ہیں

ہم فقیروں کو بھی حاصل ہے سُلیمانی شکوہ
صورتِ سجدہ، نگینہ! صورتِ خاتم، رُکوع!

✿✿

مَن و سازِ دُکانِ خودفروشیہا چہ حرف است ایں
جُنونے ایں فُضُولے، دَرسَرِ مَنصُورؔ می باشَد

مَیں دُکانِ خود فروشی کھولوں! یہ کیا سخن ہے؟ ✿ یہ جنونِ فُضُول تو سرِ منصورؔ میں ہے

سجاؤں مَیں دُکانِ خودفرُوشی، یہ نہیں ممکن!
یہ سودا تو فقط مخصوص ہے، مَنصورؔ کے سَر سے

✿✿

دل وفا، بُلبُل نوا، واعظ فُسُوں، عاشق جُنوں
ہرکوئی اپنائے ہے پیشہ، بقدرِ ظرفِ خود

دل وفا، بُلبُل نوا، واعظ فُسُوں، عاشق جُنوں ✿ ہر کوئی اپنی ہمت کے مطابق پیشہ اختیار کرتا ہے

"دل وفا، بُلبُل نوا، واعظ فُسُوں، عاشق جُنوں"
ہرکوئی اپنائے ہے پیشہ، بقدرِ ظرفِ خود!

ز چشمِ تر ، مآلِ انتظارِ شوق پُرسیدم
جگر خوں گشت و گفت ، احوالِ مشتاقاں چنیں باشد

جب چشمِ تر سے ، انتظارِ شوق کا انجام پوچھا ، کلیجا	✿	خون ہو کے بول اٹھا مشتاقانِ یار پر یہی گزرتی ہے

مآلِ انتظارِ شوق پوچھا چشمِ گریاں سے
جگر خوں ہو کے بولا ، ہے یہی انجامِ مشتاقاں!

✿✿

یارب! از سرِ منزلِ مقصد چساں یابم سُراغ
دیدہ حیرانست ، مَن بے دست و پا ، دل بے دماغ

یارب! منزلِ مُراد کا پتا کس طرح ملے گا	✿	آنکھ حیراں ، دل بے دماغ ، مَیں بے دست و پا!

منزلِ مقصود کا یارب! نشاں کیوں کر ملے
آنکھ ہے حیران ، مَیں بے دست و پا ، دل بے دماغ

✿✿

خموشی چشمۂ جوشست دریاے معانی را
مدد از سُرمہ دارد چوں قلم ، ہر کس سخن دارد

خموشی دریاے معانی کا چشمۂ پُر جوش ہے ، جو بھی	✿	کچھ کہنا چاہتا ہے قلم کی مانند سُرمہ سے مدد لیتا ہے

خموشی چشمۂ پُرجوش ہے بحرِ معانی کا
قلم کو بھی تو سُرمے کی مدد درکار ہوتی ہے

✿

طبعِ خاموشاں ، بنُورِ شرم روشن می شوَد

دَر چراغِ حُسنِ گوہَر ، آب روغن می شوَد

طبعِ خاموشاں نُورِ شرم سے روشن ہوتی ہے ✿ چراغِ حُسنِ گُہر کے لیے، پانی روغن بن گیا ہے

بنُورِ شرم و بفیضِ عُزلت، ہُوئی ہے طبعِ خموش روشن

بنا ہے جس طرح آب روغن، چراغِ حُسنِ گُہر کی خاطر!

✿✿

سینہ چاکاں می کنَد از یکدگر کسبِ نشاط

اَز نسیمِ صُبح ، شمعِ خانۂ گُل روشن است

سینہ چاک اِک دُوسرے سے نشاط حاصل کرتے ہَیں ✿ جس طرح شمعِ کاشانۂ گُل بادِ نسیم سے روشن ہوتی ہے

سینہ چاک اِک دُوسرے سے کرتے ہَیں کسبِ نشاط

ہَے نسیمِ صُبح سے روشن ، چراغِ بزمِ گُل!

✿✿

جوہرِ اَسرارِ آباء ، اَز خلف گیرَد فروغ

خوں کُند روشن ، چراغِ دُودمانِ زخم را

لائق خلف سے خصوصیاتِ آب و جد کو فروغ ہوتا ہے ✿ جس طرح چراغِ خاندانِ زخم کو خون روشن کرتا ہے

جوہرِ آباء کو دیتا ہَے وارث آب و تاب

خوں کرے روشن ، چراغِ خاندانِ زخم کو!

عبرت آلود است سیرِ ایں چمن، ہشیار باش!

در غبارِ رنگِ ہر گل، چشمکے دارد خزاں

خوش منظری کے ساتھ، چمن عبرت آموز ہے ✿ ہر پھول کا رنگ، آمدِ خزاں کا غماز ہے

درسِ عبرت لے چمن سے، رنگ و خوشبو پر نہ جا!

گل کے پردے میں یہاں رنگِ خزاں پوشیدہ ہے

✿✿

چارہ نتواند نہفتن، رازِ ما خونیں دلاں

زخمِ گل از بخیۂ شبنم نمایاں می شود

ہم زخمی دلوں کا حال چھپ نہیں سکتا ✿ شبنم نے پھولوں کے زخم اور نمایاں کر دیے ہیں

راز ہم خونیں دلوں کا، چھپنا ممکن ہی نہیں

زخمِ گل شبنم کے ٹانکوں سے نمایاں تر ہوا

✿✿

ہر گل کہ دیدم، آبلۂ خوں چکیدہ بود

یارب! چہ خار، در دلِ گلشن شکستہ اند

ہر پھول اِک خون ٹپکتا آبلہ سا محسوس ہوا ✿ الٰہی گلشن کے دل میں کیسا کانٹا چبھا ہے؟

ہر پھول، مثلِ آبلۂ خوں چکیدہ ہے

پیوست کیسا خار ہے گلشن کے قلب میں؟

آستانِ عشق، جولاں گاہِ ہر بے باک نیست

ہیچ کس، غیر از جبیں آں جا قدم بر خاک نیست

آستانِ عشق پر گستاخانہ نہیں آنا چاہیے ✿ اِس جگہ قدم نہیں، پیشانی خاک پر رکھتے ہیں

جنابِ عشق میں اہلِ ادب کی قدر ہوتی ہے

قدم رکھتے نہیں یاں، خاک پر پیشانی رکھتے ہیں!

✿✿

بے محبت زندگانی نیست جُز ننگِ عدم

خاک کُن، بر فرقِ آں سازے کہ بے آہنگِ اُوست

محبت کے بغیر، زندگی ننگِ عدم ہے ✿ خاک پڑے اُس ساز پر جس میں نغمۂ محبت نہیں

گر نہیں لحنِ محبت، زیست ہے ننگِ وُجود

خاک ڈال اُس ساز پر، جو بے صدائے عشق ہے

✿✿

زخمِ تیغش، بدل از داغ مُقدّم باشد

پایہ از چشم بُلند است، خمِ ابرُو را

تیغِ ابرُو نے آنکھ سے پہلے دِل کو زخمی کیا ✿ اِس لیے خمِ ابرُو کا رُتبہ آنکھ سے بلند ہے

داغ سے پہلے یہ دِل، زخمیِ شمشیر ہُوا

مرتبہ چشم سے بالا ہے خمِ ابرُو کا!

زفرق و امتیاز کعبہ و دیرم، چہ می پُرسی
اَسیرِ عشق بودم ہر چہ پیش آمد پرستیدم!

دیر و کعبہ کے فرق و امتیاز کو مجھ سے کیا پُوچھتے ہو ✿ اسیر عشق کی راہ میں جو بھی پیش آیا اس کی پوجا کی

غرض مجھ کو نہیں کچھ دَیر و کعبہ کے تفاوُت سے
اَسیرِ عشق ہُوں جو کچھ بھی پیش آیا پرستش کی!

✿✿

اسبابِ زندگی، ہمہ دامِ تحیُّر است
غیر از فریب، ہیچ نباشد سراب را

تمام اسبابِ زندگی، دامِ تحیُّر کے سوا کچھ نہیں ✿ جس طرح سراب، فریب کے سوا کچھ نہیں ہے

بس ایک دامِ تحیُّر ہے، زندگی کیا ہے
بس اِک فریبِ نظر ہے سراب کچھ بھی نہیں!

✿✿

از محیطِ رحمتم اَشکِ ندامت مُژدہ ایست
یارب! ایں نومید را، محرومِ چشمِ تر مکُن

ندامت کے آنسو، رحمت کی بشارت ہیں ✿ یارب! اس نا اُمید کو، چشمِ تر سے محروم نہ کر

مُژدۂ رحمت، یہی اَشکِ ندامت ہیں مرے
اِس دِلِ مایُوس کو، محرومِ چشمِ تر نہ کر

خاکساراں ، تا کُجا دارند ، پاسِ آبرُو
سایہ را ، اَز عاجزی ، ہر کس تہِ پا می کُند

خاکسار کہاں تک آبرو کی پاسداری کریں ✿ سایے پر ، عاجزی کے سبب ہر کوئی پاؤں رکھتا ہے

خاکساروں کے لیے مُشکل ہے پاسِ آبرُو
سایے کی قسمت میں لکھا ہے ، رہے زیرِ قدم!

✿✿

رَھائی نیست روشن طینتاں را ، اَز سیہ بختے
کہ نُور و سایہ را ، نتواں بہ تیغ اَز ہم جُدا کردن

روشن ضمیروں کو ، سیہ بختی سے رہائی نہیں ملتی ✿ نُور و سایے کو ، تلوار سے بھی جُدا نہیں کیا جا سکتا

رِہائی کیا ملے ، روشن دِلوں کو تیرہ بختی سے
جُدا ، تلوار سے بھی ، نُور و سایہ ہو نہیں سکتا

✿✿

خِرمَنِ ہستی ، بَرقِ وہمِ عُقبیٰ سوختیم
آہ اَزاں آتش کہ ما ، دَر یادِش ایں جا سوختیم

عُقبیٰ میں جواب دہی کی آگ میری ہستی کو جلا رہی ✿ اُف وہ آتش جس کا خوف یہاں بھی جلا رہا ہے

بَرقِ عُقبیٰ سے ہے سوزاں ، خِرمَنِ ہستی مِرا
آہ! وُہ آتش کہ جس کی یاد میں جلتا ہُوں مَیں

مَن نمی گویم ، کہ زیاں کُن یا بفکرِ سُود باش

اے زفُرصت بے خبر! در ہر چہ باشی زُود باش!

میں نہیں کہتا کہ نقصان کر یا فائدے کی فکر میں رہ	✿	اے وقت کی کمی سے بے خبر، جو کرنا ہے جلد کر!

مَیں نہیں کہتا کہ تُو نُقصاں اُٹھا یا فائدہ!

بے خبر! مُہلت ہے کم، کرنا ہے جو بھی جلد کر!

✿✿

طراوتِ چمنِ اعتبارِ حُسن ، حیاست!

چراغِ رنگِ گُل از آب می کُند روشن

شرم ! چمنِ حُسن کی شادابی ہے	✿	چراغِ رنگِ گُل، پانی سے روشن ہوتا ہے

حیا سے حُسن کے گُلزار میں آتی ہے شادابی

چراغِ رنگِ گُل کو، آب سے ملتی ہے تابانی

✿✿

فُرصت ز رنگِ ماست ، پَرافشانِ نیستی

غافِل ز ما ، مباش کہ ناگاہ رفتہ ایم!

میری مُہلتِ زندگی سے رنگِ عدم ظاہر ہے	✿	مجھ سے غافل نہ رہ کہ اچانک گُزر جاؤں گا!

میری ہستی میں بھی پنہاں ہے نشانِ نیستی

دیکھتے ہی دیکھتے نابُود ہو جاؤں گا مَیں!

گہے بر سَر ، گہے بر دِل ، گہے دَر دِیدہ جا دارَد
غُبارِ راہِ جَولانِ تُو ، بامَن کار ہا دارَد

کبھی سَر پر، کبھی دِل، کبھی آنکھوں میں جگہ بناتا ہے	✿	تری رہگُذر کا غُبار مجھ سے بہت کام رکھتا ہے

کبھی سَر پر، کبھی دِل میں، کبھی رہتا ہَے آنکھوں میں
غُبارِ رہ گُزر تیرا ، بہت ہَے مہر باں مجھ پر!

✿✿

چوں نقشِ ، ز بسکہ نِگوں بخت فطرتیم
مژگاں نمی شوَد ، بتماشاے ما بُلند!

نقشِ پا کی طرح پست قسمت و فطرت ہُوں ✿ مجھے دیکھنے کے لیے پلکیں بھی بلند نہیں ہوتیں

مَیں نقشِ پا کی طرح اِتنا پست فطرت ہُوں
بُلند ہو نہ سکیں ، میری دِید کو پلکیں!

✿✿

بُنیادِ پَست و دعویِٰ عِزّت جُنونِ کیست
مُو، سَر بُلند نیست ، شوَد تا کُجا بُلند!

جو پَست بُنیاد ہو، اُس کا دعویٰ عزت جُنون ہے	✿	بال کتنے ہی اُونچے ہو جائیں، سر بلند نہیں ہو سکتے

جو پَست بُنیاد ہو وُہ ہرگز، کرے نہ دعواے شان وشوکت
ہوں کِتنے ہی اُونچے بال سَر کے، مِلے نہ اِعزازِ سَر بلندی

مُشتِ خاکِ مَن، سراپا فرشِ تسلیم است و بس!

سجدۂ مارا، جبینے و سَرے دَر کار نیست!

میری مشتِ خاک، سراپا تسلیم و اطاعت ہے ✿ میرا سجدہ، جبین و سَر کا محتاج نہیں

میری مُشتِ خاک، سَر تا پا سَرِ تسلیم ہے

میرا سجدہ، رہنِ پیشانی و سَر ہرگز نہیں!

✿✿

بَر اُمیدِ وصل، مشکل نیست قطعِ زندگی

شوقِ منزِل می کُند نزدیک، راہِ دُور را

وصل کی اُمید پہ زندگی گزارنا آسان ہے ✿ منزل کا شوق راہِ دُور کو نزدیک کرتا ہے

وصل کی اُمّید پہ جینا کوئی مشکل نہیں

شوقِ منزِل کرتا ہے نزدیک، راہِ دُور کو!

✿✿

بہارِ حسرتِ ما، زحمتِ خزاں نکشد

شِکستگی نبرد رنگِ آرزُوے مُرا!

میری بہارِ حسرت کو خزاں کا اندیشہ نہیں ✿ تیری آرزو کے رنگ کی شوخی کم نہیں ہوتی

خزاں کا غم نہیں رکھتی، بہارِ حسرتِ عاشق

تُمہاری آرزُو کا رنگ پھیکا پڑ نہیں سکتا!

عرضِ حالِ بے دِلاں را، گفتگو در کار نیست
گردِشِ چشمِ تحیُّر ، ہم اَدائے مُدّعا ست

عاشق بیانِ حال میں گفتگو کے محتاج نہیں ✿ اُن کا چشمِ تحیُّر سے دیکھنا ہی اظہارِ مُدّعا ہے

عرضِ حالِ عاشقاں ہَے گفتگو سے بے نیاز
گردِشِ چشمِ تحیُّر ، ہَے بیانِ مُدّعا!

✿✿

بیاں اگر ہمہ مصروفِ خامُشی باشد
چہ ممکن است کہ پامال مُدّعا نشود

زبان اگر یُوں ہی ہمیشہ خاموش رہی ✿ تو ممکن نہیں کہ مُدّعا پا مال نہ ہو

رہی زبان جو مصروفِ خامُشی یُوں ہی
تو کیا عجب ہَے کہ پامال مُدّعا ہو جائے

✿✿

تشویشِ انتظارِ قیامت ، قیامت است
ما را دماغ ایں ہمہ اِبرام ناز نیست

انتظارِ قیامت کا عذاب، قیامت سے کم نہیں ✿ میں تُمھارے ناز کہاں تک سہوں؟

تکلیفِ انتظارِ قیامت ، عذاب ہَے
مجھ کو نہیں دماغ ، اُٹھاؤں تُمھارے ناز!

نُورِ جاں ، دَر ظُلمت آبادِ بدن گُم کردہ اَم

آہ! ازیں یُوسُف کہ مَن دَر پیَرَہن گُم کردہ اَم

روشنی جاں کو ، ظلمت کدۂ جسم میں گُم کر دیا ✿ حیف اِس یُوسُف کو مَیں نے پیَرہن میں گُم کر دیا

نُورِ جاں کو ظلمت آبادِ بدن میں گُم کِیا

آہ اِس یُوسُف کو مَیں نے پیَرَہن میں گُم کِیا

✿✿

بمعنی آں ہمہ ، محتاج نیستم لیکن

ز قدر دانیِ نازِ غنی ، گدا شُدہ اَم

حقیقی معنوں میں محتاج نہیں ہوں ، لیکن ✿ غنی کا ناز قائم رہے ، اِس لیے گدائی اختیار کی ہے

نہیں محتاج لیکن مرتبہ دانِ سخاوت ہوں

رہے نازِ غنی قائم ، بنا ہُوں اِس لیے سائل!

✿✿

محوِ زنجیرِ نفَس بودَن ، دلیلِ ہوش نیست

ہر کہ می بینی ، بقیدِ زندگی دیوانہ است

سانسوں کی زنجیر سے جکڑا ہونا ، ہوشمندی نہیں ✿ زندگی کی قید میں ہونا میری نظر میں دیوانگی ہے

محوِ زنجیرِ نفَس ہونا ، نہیں فرزانگی

جو بقیدِ زندگی ہَے ، اصل میں دیوانہ ہَے

بدَرویشی غنیمت دار، عیشِ بے کُلاہی را

کہ غیر اَز دَردِ دوشِ وگردن اَز اَفسرنمی خیزد!

دَرویشی میں عیشِ بے سرو سامانی کو غنیمت جان ✿ کہ تاج سے گردن وشانہ کو درد کے سوا کیا ملتا ہے

غنیمت جان، دَرویشی وعیشِ بے کُلاہی کو

سِوائے دَردِ شانہ، دَردِ سَر، کیا تاج سے حاصل!

✿✿

اہلِ دُنیا عاشقِ جاہند، اَز بے دانشی

آتشِ سُوزاں، بچشمِ کودکِ ناداں زَراست!

دُنیا والے جاہ پر کم فہمی کے سبب سے عاشق ہیں ✿ اِسی طرح نادان بچہ، انگارے کو سونا سمجھتا ہے

خواہشِ جاہ وحَشم ہَے اصل میں بے دانشی

طفلِ ناداں کی نظر میں، آتشِ سوزاں ہَے زَر!

✿✿

صفحۂ دِل را، بداغے می تواں آئینہ کرد

لفظ اَز یک نقطہ، صاحب معنیِ دیگر شود

صفحۂ دِل کو، داغِ عشق نے آئینہ بنا دیا ✿ ایک نقطے سے لفظ کا مطلب بدل جاتا ہے

داغِ اُلفت نے مِرے دِل کو بنایا آئینہ!

ایک نقطے سے بدل جاتے ہَیں معنی لفظ کے!

بُلبُل بہ نالہ، حرفِ چمن را مُفسّر است

یارب! زبانِ نکہتِ گُل ترجُمانِ کیست؟

بُلبُل اپنی فریاد سے اگر حرفِ چمن کی مُفسّر ہے ✿ تو یارب! نکہتِ گُل کی زبان، کس کی ترجُمان ہے

اگر حرفِ چمن کا نالۂ بُلبُل مُفسّر ہے

الٰہی! ہے زبانِ نکہتِ گُل ترجُماں کس کا؟

✿✿

باطنِ ایں خلق کافر کیش، با ظاہر مسَنج

جُملہ قُرآں، دَر کنار و صنم دَر آستیں!

کافر مزاج انسانوں کا اندازہ ظاہر سے نہ کرو ✿ اِن کی آغوش میں قُرآن، آستینوں میں بُت ہیں

نہ دیکھو اِس کے ظاہر کو، مُنافق کیش ہے دُنیا

کہ قُرآں لب پہ جاری اور بُت ہیں آستینوں میں

✿✿

اِمروز قدرِ ہر کس، بمقدارِ مال و جاہ است

آدم نمی تواں گفت، آں را کہ زر نباشد

اِن دِنوں ہر شخص کی قدر کا پیمانہ جاہ و مال ہے ✿ اُسے آدمی نہیں سمجھتے جس کے پاس دَولت نہ ہو

کیا جاتا ہے جاہ و مال سے عِزّت کا اندازہ

جو بے زَر ہے اُسے اِس دَور میں انساں نہیں کہتے

اے حریفاں! قدرِ اِستغنائے دِل فہمیدہ نے است

مَن بایں یک آبلہ ، پا بَر ہزار اَفسر زدَم

اے حریفو! دل بے نیاز کی قدر پہچانو! ✿ میں نے اس آبلے کے بل پر، تاج ٹھکرائے ہیں

اے حریفو! تُم کو اِستغنائے دِل کا کیا شُعور

تاج کیا کیا مَیں نے اِس کے زور سے ٹھکرائے ہَیں

✿✿

می کُند یک دِیدۂ بیدار ، کارِ صد چراغ

رَوزَنے ، زیں خانۂ تاریک ، بَر دِل واکُند

ایک دیدۂ بیدار، سو چراغوں کا کام کرتا ہے ✿ اِس خانۂ تاریک نے دل پر روزنِ نور کھولا ہے

سَو، چراغوں سے بھی اَفضل دِیدۂ بیدار ہَے

باعثِ تنویرِ دِل ہے ، خانۂ تاریکِ چشم!

✿✿

پیدائیِ حق ، تنگِ دلایل نپسندَد

خورشید نہ جنسے است کہ جُوے بچراغش!

ذاتِ حق، پسند نہیں کرتی کہ اُسے دلائل سے مانا جائے ✿ آفتاب کو چراغ لے کر تلاش نہیں کیا جاتا

نہیں یہ مُمکن ہو ذاتِ حق کو، پسند تنگِ دلیل و مَنطِق

کبھی سُنا ہے؟ کِیا کسی نے چراغ لے کر تلاش سورج

زاں یک نوائے ''کُن'' کہ جنوں، کردہ در ازل
چندیں ہزار نغمہ ، بہر ساز دادہ اند

اِک نوائے ''کُن'' جو روزِ ازل بلند ہُوئی تھی ✿ اُس نے ہر ساز کو ہزاروں نغمے عطا کیے

اُس اِک نوائے ''کُن'' کا، کرِشمہ تو دیکھیے
جِس نے ہزار نغمے ہر اِک ساز کو دیے

✿✿

ایں چمن گر حاصلے دارد، ہماں دستِ تہی است
تا بکَے، چُوں غُنچہ خواہی رنگ و بُو اَندوختن

اگر اِس چمن کا حاصل تہی دستی ہے تو غُنچہ کی ✿ مانند ذخیرہ اندوزیِ رنگ و بُو کی ہَوس نہ کر

بہرصورت چمن سے جب کہ خالی ہاتھ جاتا ہے
تو کیوں ہے مثلِ غُنچہ، آرزوئے رنگ و بُو تجھ کو!

✿✿

دریں گُلشن ندارد ہیچ کس بر حالِ دِل رحمے
وگرنہ ہم چو گُل، صد جا گریباں بازی کردم

اِس گُلشن میں کوئی حالِ دِل پر رحم نہیں کرتا ✿ ورنہ میں بھی مانندِ گُل سو جگہ گریباں کھول کر دکھاتا

نہیں آتا کِسی کو حالِ دِل پر رحم گُلشن میں
وگرنہ مثلِ گُل میں بھی گریباں چاک کر دیتا!

علاجِ زخمِ دِل از گریہ، گے ممکن بود بیدِلؔ

بشبنم بخیہ نتواں کرد، چاکِ دامنِ گُل را

بیدِلؔ! زخمِ دِل کا علاج رونے سے نہیں ہوتا ✿ جس طرح چاکِ دامنِ گُل، شبنم سے نہیں سِلتا

علاجِ زخمِ دِل رونے سے بیدِلؔ غیر ممکن ہے

رَفو، شبنم سے چاکِ دامنِ گُل ہو نہیں سکتا

✿✿

بِسمِلِ ما بسکہ از ذوقِ شہادت می طپد

تیغِ قاتل می شُمارد، فُرصتِ تکبیرا را

بِسمِل شہید ہونے کے لیے بے تاب ہے ✿ غضب ہے کہ تیغِ قاتل آوازِ تکبیر کی منتظر ہے!

جذبۂ شوقِ شہادت سے ہے بِسمِل بے قرار

تیغِ قاتل منتظر ہے، فُرصتِ تکبیر کی!

✿✿

بایں گردِ علایق، نیست ممکن چشم وا کردن

بجنوں بر عالمے پا زد کہ مَن بیدار گردیدم

تعلقات کی اِس گرد میں آنکھ کھولنا ممکن نہیں ✿ اے مجنوں! دُنیا کو ٹھکرا کر میں آنکھ کھولوں

غُبارِ اِحتیاج اِتنا کہ آنکھیں کھولنا مشکل

بجنوں عالَم کو ٹھکرائے تو مَیں بیدار ہو جاؤں!

خورشیدز ظُلمت کدۂ سایہ بُرون است

تا کے ز حُدُوث ، آیینہ سازید قِدَم را

سورج سائے کے اندھیرے سے باہر ہے ✿ قدیم کب تک حادث کو آئینہ بنائے

ظُلمت کدۂ سایہ سے ، خورشید ہے باہر

ممکن نہیں حادِث میں قِدَم جلوہ نُما ہو!

✿✿

گر بایں رنگ است بیدؔل رَونقِ بازارِ دہر

تا قِیامت یُوسُفِ ما ، بَرنمی آید زچاہ

بیدؔل! اگر بازارِ وقت کی رَونق کا یہی رنگ رہا ✿ تو قیامت تک مرا جوہر پوشیدہ ہی رہے گا

ہَے اگر یہ رنگ بیدؔل رَونقِ بازار کا

چاہ سے باہر نہ آئے گا مِرا یُوسُف کبھی!

✿✿

دامَنِ دَشتِ عدَم ، مُنتظِرِ وحشتِ ماست

کاش اَز تنگیِ ایں کوچہ ، فِشارے گیرَم

وسعتِ صحرائے عدم میری جولانیٔ وحشت کا مُنتظِر ہے ✿ کاش زندگی کے تنگ کوچے سے آزاد ہو سکوں

میری وحشت کا بیانِ عدَم ہَے مُنتظِر

مَیں نکل کے اِس جہاں سے ، بیکراں ہو جاؤں گا!

نسیمِ زُلفِ تُو ، صُبح گُزشت از گُلشن
ہَنُوز سلسلۂ مَوجِ گُل ، جُنوں خیز است

تیری زُلف کی خوشبو، صبح گُلشن سے گُزری تھی	✿	لیکن اب تک زنجیر موجِ گُل جنوں انگیز ہے

نسیمِ زُلف تیری، صُبحدَم گُلشن سے گُزری تھی
مگر زنجیرِ مَوجِ گُل ، جُنوں آثار ہے اب تک!

✿✿

ذرّہ نیست کہ خورشید نُمائی نکُند
گردِ راہَت ، چہ قدر آیینہ اندوختہ است

جس میں خورشید نمایاں نہ ہو، ایسا ایک ذرہ بھی نہیں	✿	تیری گردِ راہ کس قدر آئینے رکھتی ہے

کوئی ذرّہ جلوۂ خورشید سے خالی نہیں
آئینے کِتنے نِہاں ہَیں ، تیری گردِ راہ میں

✿✿

مُشتِ خاکِ تیرہ را، آیینہ کردَن حیرَت است
جلوہ ای کردی کہ ماہَم دِیدۂ حیراں شُدیم

مُشتِ خاکِ تیرہ کو آئینہ بنانا حیرت انگیز ہے	✿	ایسا جلوہ کیا کہ ہم بجسم دیدۂ حیران بن گئے

خاکِ تیرہ کو بنایا آئینہ ، حیرَت ہَے یہ
اُس نے وُہ جلوہ دکھایا، ہم بھی حیراں ہوگئے!

برہمنے ، اگر ایں قشقہ بر جبیں دارد
بصد ہزار تناسُخ ، صنم نخواہی شُد

برہمن پیشانی پر کتنا ہی قشقہ لگائے ✿ لیکن کسی جنم میں وہ بُت بننا نہ چاہے گا

ہزار قشقہ جبیں ہو ، صنم پرَست مگر
کِسی جنَم میں نہ چاہے گا وُہ صَنَم ہونا!

✿✿

چوں بآسایش رسیدے، شُعلۂ دل مُردہ گیر
از جرس مشکل کہ گردد نالہ در منزل بُلند!

راحت حاصل ہو تو شعلۂ دل تابندہ نہیں رہتا ✿ جس طرح منزل پر پہنچ کر جرس خاموش ہو جاتی ہے

ہو اگر آسُودگی حاصل، تو بُجھ جاتا ہے دِل
منزلِ مقصود پر خاموش رہتی ہے جرس

✿✿

ما معنیِ مسلسلِ زُلفِ تو خواندہ ایم
مشکل کہ مرگ قطع کُند ، داستانِ ما

مَیں نے تیری زُلف مسلسل کا مفہوم سمجھا ہے ✿ میری داستاں کو موت بھی مختصر نہیں کر سکتی!

مَیں تِری زُلفِ مسلسل کا ہُوں معنی آشنا
موت بھی میری کہانی ختم کر سکتی نہیں!

بَرخاستم زخاک و نِشستم ہماں بخاک

دیگر مجو ، قِیام و قُعودِ نمازِ مَن

خاک سے اُٹھا ہُوں اور خاک ہی پر بیٹھا ہُوں ✿ میری نماز کا یہی انداز قیام و قُعود ہے

بیٹھا ہُوں خاک پر ہی جو اُٹھا ہُوں خاک سے

میرا یہی قُعود و قِیامِ نماز ہے

✿✿

ساغرِ آبلۂ ما ، ز ادَب سَرشار است

جادۂ وادیِ تسلیم ، رگِ تاک کشید

میرا ساغرِ دل مئے ادَب سے بھرا ہُوا ہے ✿ رگِ تاک میرے لیے ، راہِ وادیِ تسلیم و رضا ہوگئی

ساغرِ دِل ہے مَے خُلق و ادَب سے سَرشار

بن گیا میرے لیے راہِ رضا ، رِشتۂ تاک!

✿✿

نشہ پیمائیِ کیفیّتِ تاک آساں نیست

واشوَد عُقدۂ دِل ، تا بمَےِ ناب رسے!

انگور کی بیل کے نشے کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ✿ دِل کی گرہ مےِ ناب سے مَست ہو کر کُھلتی ہے

بے مے مستیِ انگور سمجھنا دُشوار

عُقدۂ دِل نہ کُھلے ، بے مدَدِ بادۂ ناب!

زندگی تا کے ہلاکِ کعبہ و دیرَت کُند
بہ کہ از دوش اَفگنے ایں جامۂ اِحرام را

زندگی کب تک تیرے کعبہ و بُت خانہ کی اسیر رہے ✿ بہتر ہے کہ اب جامۂ احرام اُتار دیا جائے

زندگی کب تک، ہلاکِ کعبہ و بُت خانہ ہو!
ترک کرنا چاہیے اب جامۂ اِحرام کو!

✿✿

آں قدر، رِفعت ندارد پایۂ اَربابِ قال
واعظاں را، اَوجِ عزّت تا سرِ مَنبر بود!

مقام اربابِ قال اتنا بلند نہیں ہے ✿ واعظوں کی عزت منبر تک محدود ہے

حاملِ رِفعت نہیں ہے پایۂ اَربابِ قال
اَوجِ عزّت واعظوں کا ہے فقط مَنبر تلک!

✿✿

وُفُورِ مال بتاکید، خِسّت است دلیل!
کُشادہ دَست، نمی خواہد آستین طویل!

کثرتِ مال، بُخل و خِسّت کی دلیل و تاکید ہے ✿ کُھلا ہاتھ، لمبی آستین پسند نہیں کرتا!

دلیلِ بُخل یقیناً ہے مال کی کثرت
فراخ دَست نہیں رکھتا آستین طویل!

سنگ ہم گر واشگافے ، یار می آید بروں

ایں صدا از بیستوں و سعیِ فرہادم رسید!

اگر پتھر بھی تراشو گے تو یار کی صورت ظاہر ہو گی ✿ بیستوں و کوششِ فرہاد سے یہ صدا آتی ہے

جو پتھر بھی تراشو ، یار کی تصویر ظاہر ہو

صدا یہ، بیستوں و کوششِ فرہاد سے آئی!

✿✿

مقصدِ نالۂ دِل از منِ مدہوش مپرس

شوق مستست ، ندانم چہ تقاضا دارد؟

مجھ مدہوش سے ، مقصدِ فریاد نہ پوچھ ✿ میں نہیں جانتا کہ بے خودیِ شوق کیا چاہتی ہے

مقصدِ نالۂ دِل ، پوچھ نہ مدہوشوں سے

شوق بے خود ہے نہیں جانتا کیا چاہتا ہے

✿✿

عرضِ مطلب دیگر و اظہارِ صنعت دیگر است

بیدلؔ از آیینہ نتواں ساخت وضعِ جام را

عرضِ مطلب اور آرائشِ کلام میں فرق ہے ✿ بیدل! آئینہ جام کی وضع اختیار نہیں کر سکتا!

عرضِ مطلب صنعتِ اظہار سے ممتاز ہے

آئینہ بیدلؔ نہ پہنچے گا مقامِ جام تک

دُنبالہاے ابرُوت از دِل گزُشتہ است

می آید از کمانِ تُو ، کارِ خدنگ ہم

تیرے ابرُو کے دُنبالے دِل میں پیوست ہو گئے ✿ تیری کمان بھی تیر کا کام کرتی ہے

مجرُوح دِل ہے ابرُوے دُنبالہ دار سے

تیری کمان کرتی ہے ، کارِ خدنگ بھی!

✿✿

زانُو زدن ز خصم ، مپندار عاجزی

پیداست ایں ادا ، دمِ کینہ تُفنگ ہم

دُشمن کے گھٹنے ٹیکنے کو ، عاجزی نہ سمجھ ✿ آمادۂ دشمنی تُفنگ کا بھی یہ انداز ہوتا ہے

دُشمن جو گھٹنے ٹیکے ، نہ جان اِس کو عاجزی

رکھتی ہے یہ ادا ، دمِ کینہ تُفنگ بھی

✿✿

باگے باید گفت بیدل! ماجراے آرزُو

آنچہ دِل خواہِ منست ، از عالَمِ اِدراک نیست

بیدؔل مدعاے دِل کس سے کہوں! کیسے کہوں! ✿ میرا محبوب ، عالَمِ اِدراک سے نہیں ہے

ماجراے آرزُو ، بیدؔل بیاں کیسے کروں

ماوراے سرحدِ اِدراک ہے میرا حبیب!

چشم وا کردم و طوفانِ قیامت دیدم
زندگی روزِ جزائیست کہ مَن می دانم

آنکھ کھولی تو ہنگامۂ دار و گیر نظر آیا ✿ میں نے جانا کہ یہی روزِ قیامت ہے

آنکھ کھلتے ہی وہ طوفانِ قیامت دیکھا
زندگی روزِ جزا ہے ، یہی سمجھا میں نے

✿✿

دَر آغاز اِنتہا دیدم ، سَحر را شام فہمیدم
اَزَل تا پردہ بَردارد ، تماشاے عدم کردم!

میں نے ابتدا میں انتہا دیکھی ، سَحر شام محسوس ہوئی ✿ اَزل کا پردہ اُٹھتے ہی عدم کا منظر دیکھا

سَحر کو شام جانا ، ابتدا میں اِنتہا دیکھی
اَزَل کے روز ہی مَیں نے تماشاے اَبَد دیکھا!

✿✿

دَریاے خیالیم و نمے نیست دریں جا
جُز وہم ، وُجُود و عدَمے نیست دریں جا

جس طرح خیالی دریا میں نمی نہیں ہوتی ✿ اِسی طرح وُجود و عدم بھی وہم ہے

یہ زندگی ہے خیالی دریا، نہیں ہے پانی کا اِس میں قطرہ
حقیقتِ ہست و بود ہرگز نہیں ہے وہم وگماں سے افضل

زعیب پوشیِ ابنائے روزگار مپرس

یکے گر آینہ پرداخت ، دیگراں زنگ اند

ابنائے روزگار کی عیب پوشی کو کیا کہوں ، اگر کوئی آئینہ بناتا ہے ، تو دُوسرے اُسے زنگ آلود کرتے ہیں

نرالی ہے ادائے عیب پوشی اِس زمانے کی

بنائے آئینہ کوئی تو ڈالیں لوگ خاک اُس پر!

✿✿

زُہد و تقویٰ ہم خوشست ، امّا تکلّف بَرطرف

دَردِ دِل را بندہ اَم ، دَردِ سَر در کار نیست

تکلّف بَرطرف زُہد و تقویٰ سے انکار نہیں مگر میں بندۂ دردِ دِل ہُوں ، دردِ سر نہیں چاہتا!

زُہد و تقویٰ خوب ہے لیکن تکلّف بَرطرف

مَیں غُلامِ دَردِ دِل ہُوں ، دَردِ سَر سے کیا غرض

✿✿

شش جہت بیدلؔ! ہمیں یک دِل قیامت می کُند

خانۂ آینہ ئی ، مَن ہم تماشا می کُنم

بیدلؔ ! یہی اِک دِل ہر طرف قیامت کرتا ہے آئینے میں بھی مَیں یہی تماشا دیکھتا ہُوں

ہر جگہ بیدلؔ! یہی اِک دِل قیامت ڈھائے ہے

مَیں یہی دیکھوں تماشا ، خانۂ آئینہ میں

قطرہ مُحیط می شوَد، چوں زسحاب شُد جُدا
رُوح زوہمِ خود عبث ترکِ بدَن نمی کُند

باڈل سے الگ ہو کر، قطرہ سمندر ہو گیا	✿	روح نے کچھ سمجھ کر ہی دُنیائے فانی کو ترک کیا ہے

ہو کے سحاب سے جُدا، قطرہ مُحیط ہو گیا
رُوح نے اپنے جسم کو، ترک عبث نہیں کِیا!

✿✿

نشُد کیفیّتِ احوالِ خود، بر ہیچ کَس روشن
دریں عبرَت سَرا، آیینہٗ نایابست پندارے

اپنے احول کی کیفیت کسی پر ظاہر نہیں ہوتی	✿	اِس جہانِ عبرت میں، آئینہ بھی خود سے بے خبر ہے

اپنی کیفیّت کِسی پر بھی نہ روشن ہو سکی
ہَے اِس عبرَت سرا میں آئینہ بھی خود سے ناواقف!

✿✿

اِستِقامت بس بوَد، اربابِ ہمّت را کمال
بہرِ تیغِ کوہ، بیدؔل! جوہرے دَرکار نیست

اربابِ ہمت کا کمال ثابت قدمی ہی ہے، بیدؔل	✿	جیسے تیغ کوہ (پہاڑ کی چوٹی) کو آب درکار نہیں!

اِستِقامت ہی میں ہَے، اَربابِ ہمّت کا کمال
جیسے تیغِ کوہ، بیدؔل بے نیازِ آب ہَے

دُور، دار اَز زُلفش ، اے مَشاطہ گستاخ دَست!

آتشِ ایں دُود، نزدیک است، خواہد شانہ سوخت!

اے دست دراز مشاطہ! زُلفِ محبوب سے دُور رہ ✿ کہیں اِس دُھویں کی آگ سے تیرا ہاتھ نہ جل جائے

دُور، رہ اُس زُلف سے، مَشاطہ گستاخ دَست

اِس دھویں کی آگ ہے نزدیک، شانہ جل نہ جائے

✿✿

جاہ را ، با آبرُوے خاکساری ہا مَسنج

نیست ممکن ، گردَنِ موج اَز سَرِ ساحل بُلند

اے محبوب! اہلِ جاہ کی عاجزی کو واقعی عاجزی نہ سمجھ ✿ سرکش موج ساحل پہ، سر جھکانے پر مجبور ہوتی ہے

جاہ کو تُو آبرُوے خاکساری سے نہ تول

پَست ہو جاتی ہَیں مَوجیں، آکے ساحل کے قریب

✿✿

عیشِ ما ، غیر گرِفتاریِ دِل چیزے نیست

یارب! ایں صید ز دام و قفَس آزاد مباد!

میری آسودگی ، گرِفتاریِ دِل پہ منحصر ہے ✿ الٰہی! اِس صید کو دام و قفس سے آزاد نہ کر

ہے خوشی میری گرِفتاریِ دِل پہ مَوقُوف

کاش یہ صَید نہ ہو، دام و قفَس سے آزاد!

نشۂ آسُودگی ، دَر ساغرِ یاس است و بس!

راحتِ جاوید دارد ، ہر کہ بیدؔل می شود!

آسُودگی کا نشہ بحرف ، جام یاس میں ہے ✿ اُسے راحتِ دوام ملتی ہے اُسے جو بیدل ہو جائے

نشۂ آسُودگی ، بس یاس کے ساغر میں ہے

راحتِ جاوید اُس کی ، جو بھی بیدؔل ہوگیا!

✿✿

زِندانیِ اَندوہِ تعلُّق نتواں زیست

بیدؔل ! دلت اَز ہر چہ شود تنگ برُون آ!

مُعاملاتِ دُنیا میں پھنس کر زندگی گُزارنا مشکل ہے ✿ بیدؔل اُٹھو ہر شے سے بیزار ہے تو خود کو بھی چھوڑ دے

اَسیرِ اسبابِ زیست ہو کر، نہیں ہے آسان زیست کرنا

اگر ہَے دُنیا سے تنگ بیدؔل ،تو بے نیازِ جہان ہو جا

✿✿

نزاکت ہاست ، دَر آغوشِ مینا خانۂ حیرت

مِژہ بَرہم مزن تا نشکنے رنگِ تماشا را

مینا خانۂ حیرت اپنے اندر بہت نزاکتیں رکھتا ہے ✿ نظر جمائے رہو، ایسا نہ ہو پلک جھپکنے سے منظر بدل

نہ جھپکاؤ پلک ایسا نہ ہو مَنظر بدل جائے

کہ ہَے نازُک بہت آغوشِ مینا خانۂ حیرت!

خود گداز است، شرارے کہ بجائے نہ رسد
نالہ در بے اثری سخت تأثر دارد

آگ نہ لگائے تو چنگاری خود راکھ ہو جاتی ہے ✿ نالۂ بے اثر نالہ کرنے والے کو خاک کر دیتا ہے

ہو گا خود سوز شرر، گر نہ ہو آتش افروز
بے اثر آہ میں ہوتا ہے تأثر زیادہ

✿✿

صبر کُن اے شیشہ، بر سنگِ جفائے محتسب
گردنِ ایں دشمنِ عشرت خدا خواہد شکست

اے شیشۂ مے، سنگِ جفائے محتسب پہ صبر کر ✿ خدا، اس دشمنِ عشرت کی گردن توڑے گا

صبر کر اے مینا، سنگِ محتسب پہ صبر کر
اس عدوِ مے کی گردن توڑے گا اِک دِن خدا!

✿✿

شرر در سنگ می رقصند، مے اندر تاک می جوشد
تحیّر رشتۂ ساز است و خاموشی صدا دارد

پتھر میں چنگاری رقصاں ہے، شراب انگور میں جوش ✿ کر رہی ہے تحیّر آہنگِ ساز ہے اور خاموشی آواز رکھتی ہے

شرر ہے سنگ میں رقصاں، شراب انگور میں جوشاں
تحیّر ہے ترنُّم ریز و خاموشی ہے گویائی

دَرآں محفل کہ حیرَت ترجُمانِ رازِ دِل باشد

خموشی دارَد اِظہارے کہ گویا گُفتگو دارَد

اس محفل میں، حیرت دل کا راز کھولتی ہے، خموشی ✿ وہ طریقۂ اظہار ہے جو گفتگو سے زیادہ مؤثر ہے

تری محفل میں حیرَت ترجُمانِ رازِ دِل ٹھہری

خموشی یُوں کرے اِظہار، گویا بات کرتی ہے

✿✿

مجاز اندیشئیت، فہمِ حقیقت رانمی شاید

مُحالِ است ایں کہ حق اَز عالَمِ باطل شود پیدا

تیری مجاز اندیشی، حقیقت کو نہ سمجھے گی ✿ یہ مُحال ہے کہ حق، باطل سے پیدا ہو!

مجاز اندیشہ، کب فہمِ حقیقت تک پہنچتا ہے

یہ ممکن ہی نہیں، حق عالَمِ باطل سے پیدا ہو!

✿✿

مَن ونشو ونُمائے سَرکشی، حاشا، معاذ اللہ

نہالِ جادہ اَم، یک سجدہ ہموار می رویم

خدا نہ کرے کہ مجھ میں سَرکشی نمو پذیر ہو ✿ مَیں ہموار راستے کی طرح سجدے میں رہتا ہُوں

کروں مَیں سَرکشی! ممکن نہیں، حاشا، معاذ اللہ

مثالِ جادۂ ہموار، مَیں رہتا ہُوں سجدے میں

دُرُشت خُو ، سخنش عافیت ثمر نبوَد

صدائے تارِ رگِ سنگ ، جُز شرَر نبوَد

سخت مزاج کی بات میں اثر نہیں ہوتا ✿ پتھر کی آواز چنگاری کے سوا کچھ نہیں ہے

دُرُشت خُو کا سخن دِل نشیں نہیں ہوتا

صدائے سنگ ، شرَر کے سِوا کچھ اور نہیں!

✿✿

دماغِ شکوہ ندارم ، وگرنہ می گفتیم

بدوستاں ز فراموشیم دُعا برسَد

شکایت کرنا پسند نہیں ہے، ورنہ میں کہتا ✿ جن احباب نے بھلا دیا ، انہیں دعا پہنچے

دماغِ شکوہ نہیں ہَے وگرنہ مَیں کہتا

جو مُجھ کو بھُول گئے ہَیں اُنہیں دُعا پہنچے

✿✿

بجونِ ناتواناں را ، خموشی می دہَد شُہرَت

کہ غیر از بُو ، صدائے نیست زنجیرِ رگِ گُل را

خموشی ناتوانوں کے جنوں کو مشہور کرتی ہے ✿ جس طرح زنجیرِ رگِ گل کی آواز خوشبو ہے

جنونِ ناتواناں کو ، خموشی سے مِلی شُہرَت

کہ زنجیرِ رگِ گُل کی صدا کیا ہَے بجُز خوشبو!

فُرصت ز رنگِ ماست ، پرَ اَفشانِ نیستی

غافِل ز ما ، مباش کہ ناگاہ رَفتہ ایم

میری مُہلتِ زندگی سے رنگِ عدم ظاہر ہے ✿ مُجھ سے غافِل نہ رہ کہ اچانک گُزر جاؤں گا

میرے ہونے میں بھی پنہاں ہے نشانِ نیستی

دیکھتے ہی دیکھتے نابُود ہو جاؤں گا مَیں

✿✿

مخواہ رنگِ حلاوَت ، ز گُفتگو بیدلؔ

نَےِ نالہ گُناں بھی حامِلِ شکّر نہیں ہوتی!

بیدلؔ ہر گُفتگو میں مٹھاس نہیں ہوتی، بانسری ✿ جس سے نالہ نکلتا ہے اُس میں شکّر نہیں ہوتی

نہ کر بیدلؔ تمنّا ہرزہ گو سے حرفِ شیریں کی

نَےِ نالہ گُناں بھی حامِلِ شکّر نہیں ہوتی

✿✿

سیہ بختی بسَعیِ ہیچ کس ، زایل نمی گردَد

مگر آتَش برَ آرَد، بُرکِ ہندو را، پسِ مُردَن

بدنصیبی کِسی کی کوششوں سے دُور نہیں ہوتی، چنانچہ ✿ مرنے کے بعد ہندو سپاہی کو، آگ کی سیج ملتی ہے

کِسی کی کوششوں سے تیرہ بختی کم نہیں ہوتی

کہ بعدِ مرگ ہندو آگ کے بِستر پہ سوتا ہے

دوش ، جبرو اِختیارے مَبحثِ تحقیق داشت
جُز بحیرَت دَم بخود بیدلؔ! چہ سازد بندہ بود!
✿
گفتگو تھی اِختیار و جبر کی تحقیق میں
بندۂ مجبور بیدلؔ ، دَم بخود سُنتا رہا!

ابوالمعانی میرزا عبدُالقادِر بیدلؔ کا پہلا مطبوعہ کلیات (۱۲۹۹ھ)

سرورق

هو المستعان وعلیه التکلان

دیباچه

کلیات

میرزا عبد القادر

بیدل اسکنه الله تعالی فی

بحبوحة الجنان و اغرقه فی بحار

العفو و الغفران

مطبع

صفدری

۱۲۹۹

بمبئی
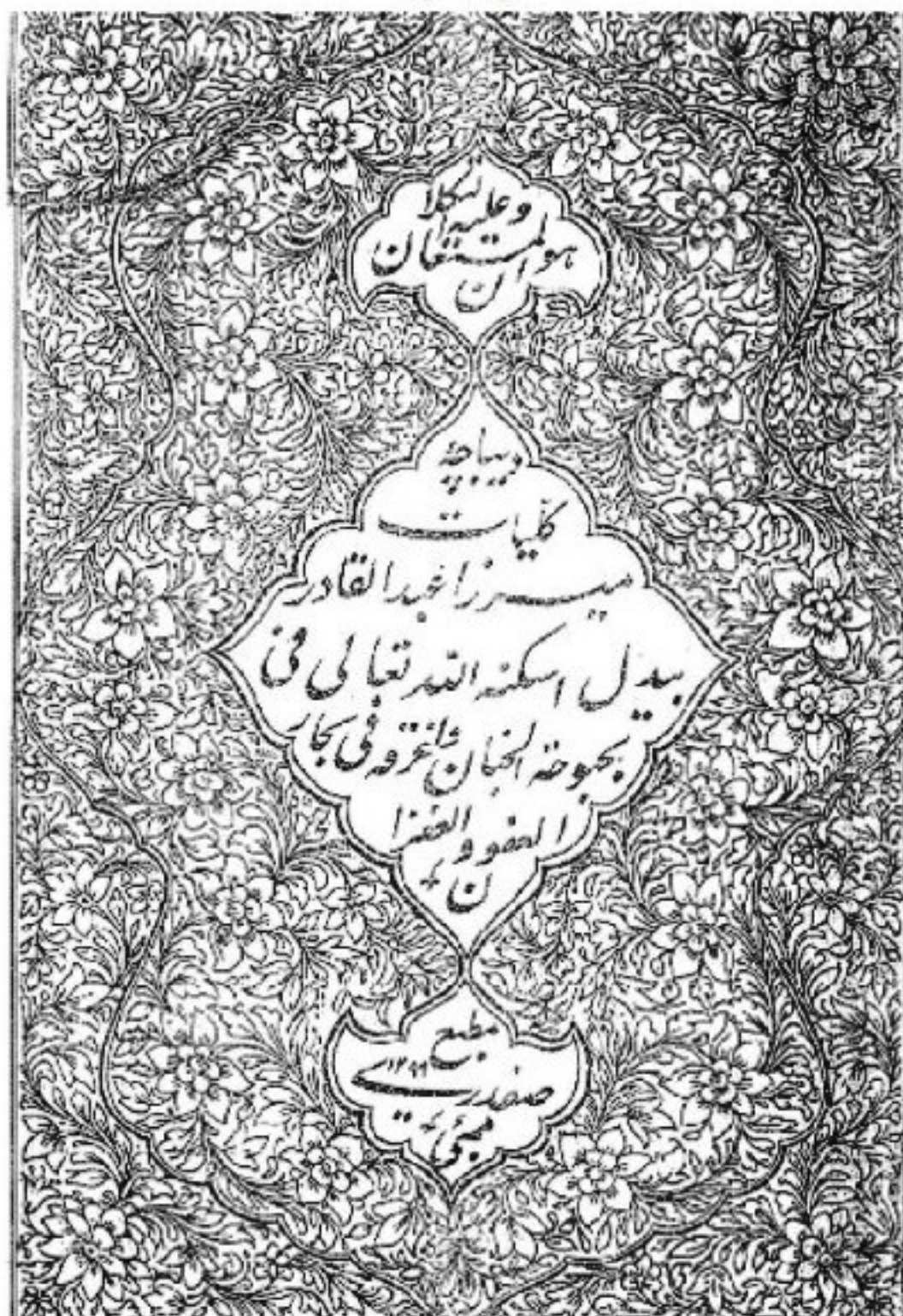
ابو المعانی میرزا عبدالقادر بیدلؔ کا پہلا مطبوعہ کلیات (۱۲۹۹ھ)

دیباچہ کلیات بقلم بیدلؔ

هو المستعان و علیه التکلان

کتاب

چهار عنصر

میرزا عبد القادر

بیدل اسکنه اللہ تعالیٰ فی

بحبوحة الجنان و اغرقه فی بحار

العفو و الغفران

مطبع

صفدری ۱۲۹۹

بمبئی

ابو المعانی میرزا عبدُ القادِر بیدلؔ کا پہلا مطبوعہ کلیات (۱۲۹۹ھ)

کتاب چہار عُنصُر
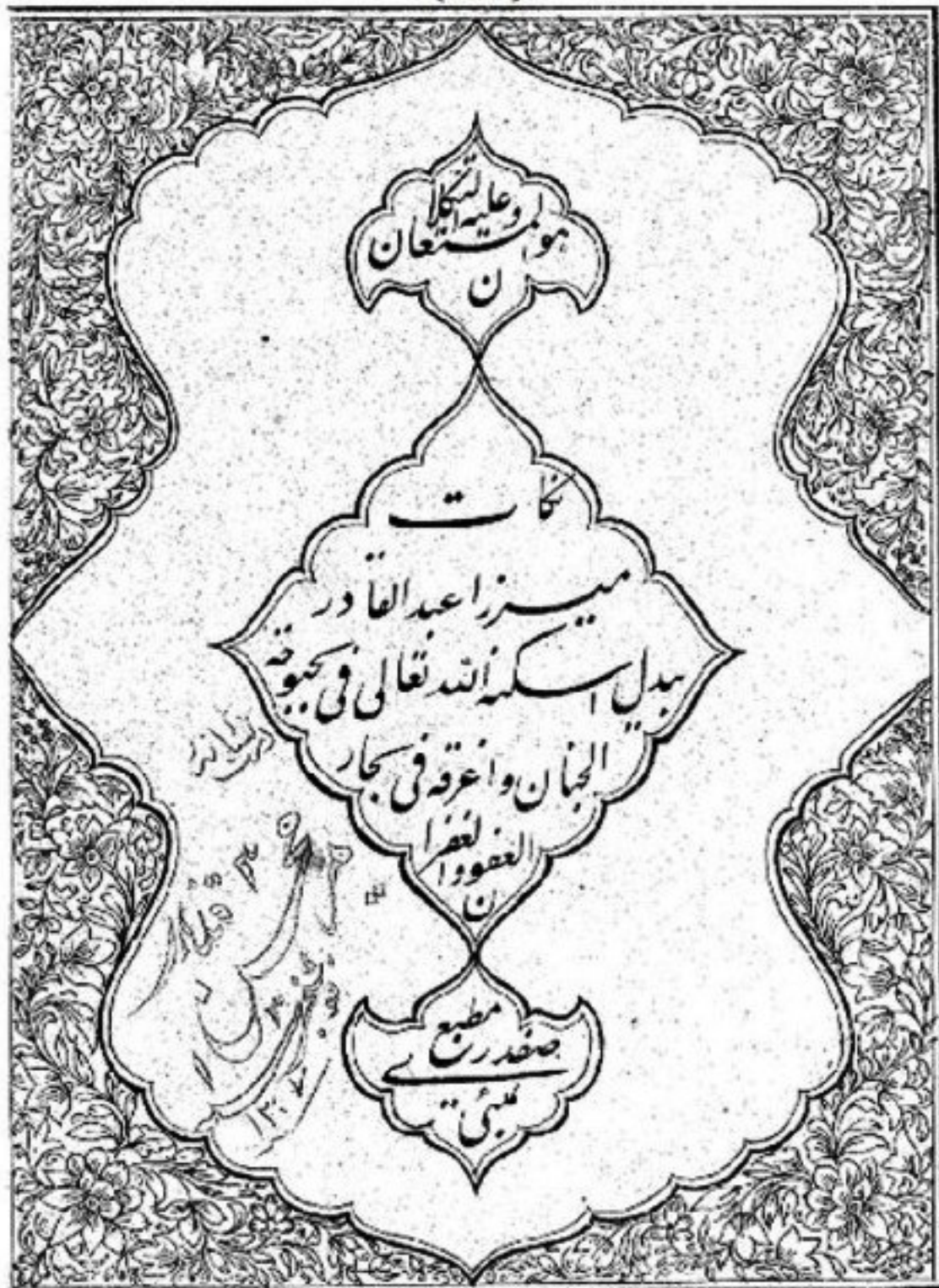
ابوالمعانی میرزا عبدُ القادِر بیدؔل کا پہلا مطبوعہ کلیّات (۱۲۹۹ھ)

نکاتِ بیدؔل

ابوالمعانی میرزا عبدُ القادِر بیدؔل کا پہلا مطوعہ کلیات (۱۲۹۹ھ)

کتاب اشارات وحکایات؛ متعلقاتِ نکات

هو المستعان
و علیه التکلان

غزلیات
میرزا عبدالقادر
بیدل اسکنه الله تعالی فی
بحبوحة الجنان و اغرقه فی بحار
العفو و الغفران

مطبع صفدری
۱۲۹۹
بمبئی

ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدلؔ کا پہلا مطبوعہ کلیات (۱۲۹۹ھ)

غزلیات
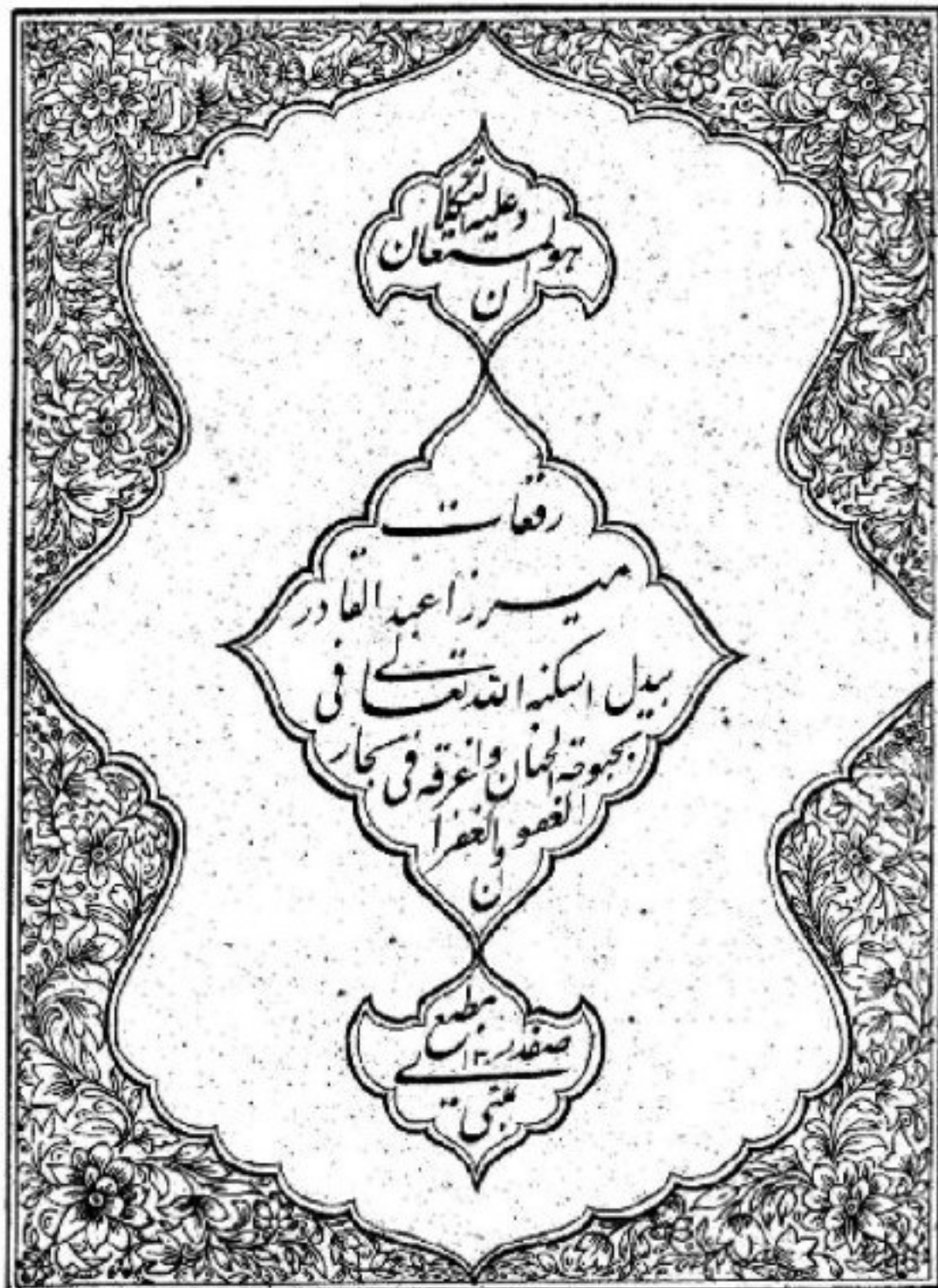
هو المستعان وعلیه التکلان

رقعات

میرزا عبدالقادر بیدل اسکنه اللہ تعالی بحبوحة الجنان واغرقہ فی بحار العفو والغفران

مطبع صفدری ۱۳۰۰ بمبئی

ابو المعانی میرزا عبدُ القادِر بیدلؔ کا پہلا مطبوعہ کلیات (۱۲۹۹ھ)

رقعات

هو المستعان و علیه التکلان

طلسم حیرت

میرزا عبد القادر
بیدل اسکنه الله تعالی فی
بحبوحة الجنان و اغرقه فی بحار
العفو و الغفران

طبع
بمطبع صفدری
بمبئی ۱۲۹۹

ابو المعانی میرزا عبدُ القادِر بیدلؔ کا پہلا مطبوعہ کلیات (۱۲۹۹ھ)
مثنوی طلسم حیرت

هو المستعان
و علیه التکلان

مثنوی
محیط اعظم
میرزا عبد القادر
بیدل اسکنه الله تعالی فی
بحبوحة الجنان و الغرفه فی بجار
العفو و الغفران

مطبع
صفدری
بمبئی

ابوالمعانی میرزا عبدُ القادِر بیدلؔ کا پہلا مطوعہ کلیات (۱۲۹۹ھ)
مثنوی محیطِ اعظم

طور معرفت

میرزا عبدالقادر بیدل رحمة الله علیه

بسم الله الرحمن الرحیم

ابوالمعانی میرزا عبدالقادر بیدلؔ کا پہلا مطبوعہ کلیات (۱۲۹۹ھ)

مثنوی طورِ معرفت

بہارِ
ایجادیِ بیدلؒ
سید نعیم حامد علی الحامد